سیرتِ ائمہ اربعہ

حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام مالکؒ حضرت امام احمد بن حنبلؒ

کے

مکمل و مستند احوال و سوانح

رئیس احمد جعفری

سیرت ائمہ اربعہؒ

یعنی

- حضرت امام ابوحنیفہؒ
- حضرت امام شافعیؒ
- حضرت امام مالکؒ
- حضرت امام احمد بن حنبلؒ

کی

مکمل و مستند احوال و سوانح

نظر ثانی اور اضافے کے بعد

مرتبہ

سید رئیس احمد جعفری

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phone : 3289786, 3289159 Fax : 3279998 Res. : 3262486
e_mail : farid@ndf.vsnl.net.in ● farid_export@hotmail.com
Website: www.faridexport.com ● www.faridbook.com

Rs. 120/-

کتابت، ڈیزائن وترتیب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : سیرت ائمہ اربعہ

مصنف : سید رئیس احمد جعفری

باہتمام : الحاج محمد ناصر خاں

ناشر : فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹڈ، نئی دہلی

طابع : فرید انٹر پرائزز، دہلی

سرورق : محبوب احمد / کفیل احمد

صفحات : 584

قیمت : 120/-

قرآن کریم، تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تصوف، تاریخ اسلام، تبلیغی کتب، ڈکشنری، لغات، کلینڈر، ڈائری، اسٹیکر، جیبی پوچ، کتب شاعری، ادبی کتابیں، اسلامک گفٹ، طغرے فوم، طغرے کاغذ، درسی وغیر درسی کتب کی اشاعت کا مرکز۔

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phone : 3289786, 3289159 Fax : 3279998 Res. : 3262486
e_mail : farid@ndf.vsnl.net.in ● farid_export@hotmail.com
Website: www.faridexport.com ● www.faridbook.com

به یک نظر ... !

۱- امام ابو حنیفہ رح

ولادت سنہ ۸۰ھ
وفات سنہ ۱۵۰ھ

۲- امام مالک رح

ولادت سنہ ۹۳ھ
وفات سنہ ۱۷۹ھ

۳- امام شافعی رح

ولادت سنہ ۱۵۰ھ
وفات سنہ ۲۰۴ھ

۴- امام احمد بن حنبل رح

ولادت سنہ ۱۶۴ھ
وفات سنہ ۲۴۱ھ

ملاحظات

ہندوستان اور پاکستان میں فقہی مذاہب کے ائمہ کے پیرو بہ تعداد کثیر موجود ہیں لیکن اردو زبان میں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی جو اختلافی مسائل، ذاتی کاوشوں اور طائفی مشاجرات سے قطع نظر کرکے ان ائمہ کرام کے حالات وسوانح، اجتہاد و وسعتِ علم، اخلاق وصفاتِ حسنہ اور علمی کارناموں کے مختصر لیکن جامع تذکرہ کا کام دیتی۔ میں نے اس ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں۔ اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کرسکتے ہیں۔

اردو زبان فرداً فرداً ان ائمہ کے حالات وسوانح سے تہی دامن نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے سیرت النعمان لکھ کر حق ادا کر دیا ہے۔ اور کوئی شبہ نہیں، تحقیق و تدقیق کے اعتبار سے یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے، لیکن جہاں پھول ہیں۔ وہاں کانٹے بھی ہیں۔ اختلافی مباحث بھی آئے ہیں اور ان میں تلخی بھی ہے۔ ایک "گم نام" لیکن معروف اہل قلم مولانا خالد نے "سیرت شافعی" لکھی ہے۔ اور بلاشبہ اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ لیکن مصنف نے امام شافعی کی مدح میں اتنا زور قلم صرف نہیں کیا ہے۔ جتنا بزعم خود دوسروں کی قدح میں، حالانکہ امام صاحب کے محامد و محاسن، دوسروں پر تلخ اور ترش لہجہ میں نکتہ چینی کئے بغیر زیب قرطاس ہو سکتے تھے۔ لیکن فاضل مصنف نے وہ طریقہ اختیار کیا۔ جو نہ اُن کے شایان شان تھا نہ کسی اہل علم کے لیے مایہ ناز ہو سکتا ہے۔ امام صاحب کی منقبت کے ساتھ ساتھ دوسرے ائمہ کی تنقیص کوئی قابل تحسین کارنامہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پھر بھی معلومات کے ذخائر سے یہ کتاب مالامال ہے۔" امام مالکؒ کی سوانح عمری علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے خامۂ تحقیق رقم سے عرصہ ہوا منظر عام پر آچکی ہے۔ کتاب اگرچہ مختصر ہے۔ لیکن ہر اعتبار سے جامع و مانع اور ماثل و دل ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ پر اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں اور اگر ہو تو مجھے اپنی نارسائی کا اعتراف ہے۔ صرف مولانا عزالدین ندوی کا ایک مختصر سا رسالہ شائع ہوا تھا۔ طرز بیان اگرچہ ذرا الجھا ہوا ہے۔ اور معلومات بھی تشنہ ہیں۔ مباحث کی ترتیب بھی نظر ثانی

کی محتاج ہے۔ یہ سب چیزیں ضرورت سے زیادہ اختصار کا نتیجہ ہیں۔ پھر بھی جو کچھ ہے وہ غنیمت اور بسا غنیمت ہے عربی میں مصر سے امام احمد بن حنبلؒ پر ایک مفصل اور ضخیم سوانح عمری شائع ہو چکی ہے۔ اس کا اگر ترجمہ ہو جائے تو وقت کی ایک اہم ضرورت پوری ہو جائے گی۔ اور ایک معقول کتاب کا اردو زبان میں اضافہ ہو جائے گا۔

سیرت ائمہ اربعہ کتب مذکورہ کی خوشہ چینی۔ بلکہ اخذ و التقاط پر مبنی ہے لیکن ترتیب میں نے یکسر بدل دی ہے۔ عنوانات بھی تمام تر میرے ہیں۔ ذیلی اور ضمنی بھی۔ ابواب بھی میں نے قائم کئے ہیں۔ غیر ضروری مباحث بالکل قلمزد کر دیے ہیں۔ مشاجرات و اختلافات کے سلسلہ میں بھی حرف نظر سے کام لیا ہے۔ جہاں بالکل ناگزیر صورت پیش آگئی ہے۔ وہاں لب و لہجہ کی نرمی اور صورت مسئلہ کی وضاحت کو تند و ترش الفاظ اور لاطائل مباحث پر ترجیح دی ہے اس طرح یہ کتاب اپنی معنویت اور افادیت کے لحاظ سے بالکل نئی چیز بن گئی ہے۔ کیونکہ حشو زوائد کے نکل جانے کے بعد جو کچھ باقی رہا ہے۔ وہ بالکل نتھرا ہوا اور ستھرا مواد ہے۔

دعا ہے کہ خدا اس مخلصانہ کوشش کو منظور کرے۔ اور پڑھنے والوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے۔

استدراک

اس کتاب کی طبع و اشاعت کے بعد مندرجہ ذیل ائمہ کے حالات و سوانح اور افکار و مجتہدات سے متعلق ضخیم کتابیں میں نے عربی سے اردو میں ترجمہ کی ہیں جو شائع ہو چکی ہیں ان کتابوں میں ہر امام کے تفصیلی مواد موجود ہے۔

۱۔ امام ابو حنیفہ (مصنف استاذ ابو زہرہ مصر) ۲۔ امام شافعی (مصنف استاذ ابو زہرہ مصر)
۳۔ امام مالک (مصنف علامہ خولی مصر) ۴۔ امام احمد بن حنبل (مصنف استاذ ابو زہرہ)
۵۔ امام ابو یوسف و امام محمد (مصنف محمد زاہد ابن الحسن الکوثری مصری)

۱۵ مارچ ۱۹۶۸ء رئیس احمد جعفری ۸۹ ٹیگور پارک لاہور

فہرست

مضامین	صفحہ
ملاحظات	۵
امام ابو حنیفہ	۱۳
خصوصیات	۱۴
نام، نسب، ولادت	۱۵
تحصیل علم، شیوخ اور اساتذہ	۲۳
امام صاحب کی مسندِ درس اور شغلِ حیات	۵۰
امام صاحب کی وفات حسرت آیات	۵۸
امام صاحب کی اولاد امجاد	۶۱
امام صاحب کے اخلاق حمیدہ، اوصافِ شریفہ اعادات سعیدہ	۶۳
امام صاحب کے مصنفات، خیالات، اجتہادات، نظریات	۹۲
حدیث اور اصول حدیث کے بارے میں امام صاحب کا مسلک	۱۰۵
فقہ اور اس کے خصوصیات و ممیزات	۱۵۱
فقہ حنفی، تعزیرات و قوانین ملکی کی حیثیت سے	۱۷۵
امام صاحب کے شاگردان رشید	۲۰۳

مضامین	صفحہ
امام صاحب کے شاگرد جو محدث وقت تھے۔	۲۰۴
امام صاحب کے وہ شاگرد جو فقہ کے امام بنے۔	۲۱۰
امام مالکؒ	۲۲۱
خصوصیات	۲۲۲
ولادت، طفولیت، خاندان	۲۲۳
تعلیم، تربیت، تفقہ، تکمیل، حدیث	۲۲۵
شغل درس وتدریس، شان ورفعت	۲۴۳
امام صاحب کے شاگرد اور حلقہ مستفیدین	۲۵۰
امام مالک ایک فقیہ اور مفتی کی حیثیت سے	۲۵۶
امام صاحب کے فضل وکمال کا اعتراف	۲۶۴
شغل حیات، شخصیت اور عظمت	۲۶۶
سفر آخرت	۲۸۰
اخلاق وکردار، ذاتی زندگی	۲۸۴
امام صاحب کی تصنیفات وتالیفات کا اجمالی ذکر	۲۹۱
مؤطا امام مالک — اصح الکتب بعد کتاب اللہ	۲۹۴
مؤطا کی شروح، تجریدیں، اسناد، رجال وغیرہ	۳۰۸
امام شافعیؒ	۳۱۵
خصوصیات	۳۱۶

مضامین	صفحہ
ولادت، عہدِ طفولیت، تربیت	۳۱۷
تعلیم، شیوخ اور اساتذہ، جامع علوم وفنون	۳۲۱
امام شافعی کی گرفتاری اور رہائی، ہارون رشید کی غلط فہمی	۳۳۰
شانِ استغنا، جلالی علم، وقار وتمکین، عزیمت واستقامت	۳۴۴
امام شافعی کی فن مناظرہ میں دستگاہ	۳۴۷
امام شافعی کی شکل وشباہت، اولاد وازدواج	۳۵۷
امام صاحب کے تلامذہ اور شاگرد	۳۵۹
امام صاحب کی روحانی منزلت	۳۶۴
امام صاحب کی تصانیف نافعہ	۳۶۹
امام صاحب کے شیوخ واساتذہ کا مختصر تذکرہ	۳۷۳
کچھ فقہ، تفقہ واجتہاد کے بارے میں	۳۸۳
قرآن، فہم قرآن، تفسیر قرآن اور امام شافعی	۴۰۲
حدیث کی بحث، اصطلاحیں، درجے۔	۴۱۷
احادیث اگر آپس میں معارض ہوں تو کیا کیا جائے؟	۴۳۳
حدیث کے ظاہر معنی کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا	۴۴۱
جلب منفعت اور دفع مضرت	۴۴۴
متعارض احادیث کے راویوں کی جرح وتعدیل	۴۴۸
حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتی	۴۵۴
ہر کلیہ میں استثنا ضروری ہے	۴۵۶
حدیث صحیح اور اقوال صحابہ	۴۵۸

مضامین	صفحہ
صحیح حدیث پر عمل لازمی ہے	۴۵۹
فقہ، اصول فقہ، مذاہب فقہ	۴۶۲
مذہب حنفی	۴۶۸
فقہ مالکی	۴۷۳
امام شافعی کا طرز اجتہاد اور اصول فقہ	۴۷۵
امام شافعی کے اقوال و کلمات	۴۸۳
امام صاحب کا کمال نظم و نثر	۴۸۵
امام شافعی شاہ ولی اللہ کی نظر میں	۵۰۱
امام شافعی کے دو باکمال شاگرد	۵۰۸
وفات حسرت آیات	۵۱۰
وفات کے بعد مبشرات	۵۱۶
امام احمدؒ بن حنبلؒ	۲۱۹
خصوصیات	۵۲۰
ولادت و طفولیت نسب اور خاندان	۵۲۱
شوق علم، تحصیل علم، ذوق علم	۵۲۳
امام احمد بن حنبلؒ کے اساتذہ	۵۲۶
امام صاحب کے شاگرد اور تلامذہ	۵۲۷
زہد و تقویٰ، نیکی اور پارسائی، اسلامیت اور للہیت	۵۲۹
فتنہ خلق قرآن	۵۳۷

مضامین	صفحہ
عالم اسلام کا خراج تحسین و عقیدت	۵۴۸
ملوکیت سے تکرّ اور اس کا ردِّ عمل	۵۵۱
امام صاحب کا عقیدہ	۵۵۸
امام احمد بن حنبلؒ کے مصنفات و مولفات	۵۶۷
تمت بالخیر	۵۷۰
امام احمد بن حنبل کی شخصیت پر ایک نظر	۵۷۴
مبشرات	۵۸۳

امام ابُوحنیفہؒ

ولادت سنہ

وفات سنہ ۱۵۰ھ

خصوصیات

- تابعی تھے
- عالم، محدث، فقیہ، عابد، زاہد تھے
- محب اہل بیت تھے اور اس سلسلہ میں بڑی تکلیفیں وقت کی حکومت کے ہاتھوں اٹھائیں۔
- امام مالک سے عمر میں بڑے تھے لیکن ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے۔
- فنِ فقہ کے موجد تھے، یہ نہ ہوتے تو آج فقہ کا علم نہ ہوتا۔
- دولت مند تھے لیکن دریادل، معزز تھے۔ لیکن منکسر المزاج، طاقت ور تھے لیکن متحمل۔
- حق کے مقابلہ میں حکومت کی ناخوشی مول لی۔ جیل بھیجے گئے، وہاں جب روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تب رہائی ملی۔
- تقریباً تمام اسلامی حکومتوں کا مذہب حنفی رہا۔ عالم اسلام کی غیر معمولی اکثریت حنفی ہے۔
- امام جعفر صادقؒ کے اجل تلامذہ میں تھے۔

نام، نسب، ولادت

نعمان نام، ابو حنیفہ کنیت، امام اعظم لقب، شجرہ نسب یہ ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ، یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے۔ عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیوں کر آئے۔ خطیب مورخ بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں۔ ہم لوگ نسل فارس سے ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے، ہمارے دادا ابو حنیفہ رح ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہ، کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی۔ ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔[1] اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا۔ اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام نعمان سے بدل دیا گیا۔ اسمٰعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلامی کا مقتضا بھی یہی تھا۔ زوطی کے باپ کا اصلی نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ اور مرزبان لقب ہوں گے کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں، اسی لیے نہایت قرین قیاس ہے۔ کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ کہ نام۔ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنی ہیں، ماہ دراصل وہی

---

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

ہے جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں۔ مشہور مصرع ہے ؎

نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہ را

عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا۔

زوطی غلام نہ تھے بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلۂ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خریدا، کچھ دنوں غلامی میں رہے، پھر اُس نے آزاد کر دیا۔ اسی لیے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے، مخالفوں نے جن کو امام کی تنقیص میں مزہ آتا ہے۔ اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے۔ حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسرِ شان کی کیا بات ہے۔ زمانہ نے خاندانِ کسریٰ پر اس لقب کا داغ لگایا ہے۔ ہمارے علماء حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں۔ (گو توریت سے ثابت نہیں) اسلام کے قریب تر زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث اور روایت کے امام نظر آتے ہیں۔ جن پر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا۔ امام حسن بصری، ابن سیرین، طاؤس، عطاء بن یسار، نافع، عکرمہ مکحول جو اپنے زمانہ کے مقتدائے عالم تھے۔ خود یا اُن کے باپ دادا غلام رہ چکے تھے۔

زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں، لیکن تاریخی شہادتیں اس کے خلاف ہیں، امام کے نسب میں اور بھی اختلاف ہیں۔ ابو مطیع نے ان کو نسلِ عرب سے شمار کیا ہے۔ اور سلسلۂ نسب یوں بتاتا ہے۔ نعمان بن ثابت بن زوطی بن تکی بن زید ابن اسد بن راشد الانصاری، حافظ ابو اسحاق نے شجرۂ نسب کے متعلق یہ روایت نقل کی ہے۔ نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن بہرام، زوطی کے مقامِ سکونت میں بھی اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف ضرور ہونے چاہیئے تھے۔ زوطی اوّل اوّل جب عرب میں آئے ہوں گے تو برسوں تک ان کی حالت بیگانگی کی رہی ہو گی، لوگوں کو اُن کے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہ ہو گا۔ اور ہو گا تو زبان کی اجنبیت کی وجہ سے صحیح حالات نہ معلوم ہو

سکے ہوں گے۔ معاشرت کی ضرورتوں نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں۔ یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور اس قسم کے تعلق کو ولاء کہتے تھے۔ جس کا مشتق مولا ہے۔ مولا غلام کو بھی کہتے ہیں اس طرح لفظی مشارکت سے بعضوں نے زوطی کو غلام سمجھ لیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہو گیا جس کی وجہ سے اسمٰعیل کو واضح کرنا پڑا کہ واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا۔ اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اس وجہ سے دقیقہ سنج مؤرخوں نے اس بحث میں انہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ کہ صاحب البیت ادری ابما فیھا قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف یعنی ہم قسم تھے۔[1] اس روایت کا جس میں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ قصہ بھی غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں۔ خود امام ابو حنیفہ کی نسبت ثابت ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی

اصل وطن کہاں تھا؟

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے، جن میں سے کسی کی نسبت ترجیح کا دعوے نہیں کیا جا سکتا۔ یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی نسل سے تھے، یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے، غالباً زوطی اسی زمانہ میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی

---

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

سے جس کا سبب تبدیل مذہب تھا، عرب کا رُخ کیا یہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور شہر کوفہ دارالخلافہ ہونے کا شرف رکھتا تھا۔ اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی، کبھی کبھی جناب امیرؓ کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص وعقیدت کے ساتھ آداب بجالاتے۔ ایک بار نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے۔ فالودہ نذر کے طور پر بھیجا، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نوروز نا کل یوم" یعنی ہمارے یہاں ہر روز نوروز ہے۔" ثابتؒ امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے، زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابتؒ کے حالاتِ زندگی بالکل معلوم نہیں قرائن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا۔ جس کا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ نے آگے چل کر امام اعظم کے لقب سے پکارا۔

امام صاحب نے صحابہ کی زیارت کی تھی

اس وقت عبدالملک بن مروان جو دولتِ مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا، یہ وہ عہدِ مبارک تھا کہ رسول اللہ صلعم کے جمالِ مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں، ان میں سے چند بزرگ موجود تھے جن میں سے بعض امام ابوحنیفہ کے آغازِ شباب تک زندہ رہے۔ انس بن مالکؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم خاص تھے ۹۳ھ میں وفات پائی سہل بن سعدؓ نے ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ رہے۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابوحنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت

کی۔ اس پر لوگوں کو نہایت تعجب ہے۔ اور مورخوں نے اس کے مختلف اسباب بیان کیے ہیں۔ بعضوں کی رائے ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اس وقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی۔ ان کے باپ دادا تجارت کرتے تھے۔ اس لیے ان کی نشو و نما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی۔ بڑے ہونے پر امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس لئے موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا۔

کیوں روایت نہیں کی

محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لیے کم از کم کیا عمر مشروط ہے؛ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے۔ یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ[1] میں شامل نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایات کی گئی ہیں اس لئے ضرورت ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو۔ ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے۔ غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ مصلحت سے خالی بھی نہیں۔ جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں، ان کی روائتیں اس لحاظ سے تو قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صرف ایک واسطہ ہے۔ لیکن اس بات کا قوی احتمال موجود ہے۔ کہ کمسنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں۔ جس کی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تابعیت کی بحث

بہر نوع وجہ کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی، تاہم یہ شرف ان کی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا۔ ان کے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں۔ یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح مطبوعہ لکھنؤ ۲۵۸

ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آگیا ہے۔ اور اس پر بڑی بحثیں قائم ہوگئی ہیں۔ بے شبہ امام ابوحنیفہؒ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا۔ کہ انہوں نے حضرت انسؓ صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کریں گی لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوشِ عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے، جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور ان کے تعلق کی وجہ سے صحابہ کے ساتھ تھا سچ ہے۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس ست

بعض لوگوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگوں کو شبہ ہوا تھا، لیکن محدثین نے جن کو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنے کا زیادہ حق حاصل ہے۔ امام کے موافق فیصلہ کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتویٰ لیا گیا انہوں نے جواب لکھا[1] "امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے۔ اس لیے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اس وقت وہاں صحابہ میں سے عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ موجود تھے۔ کیونکہ وہ ۸۶ھ میں یا اس کے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے۔ جس کی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے انسؓ بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں۔ لیکن ان حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں اور صحیح یہی ہے کہ امام ان کے ہم زمان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے۔ پس اس لحاظ سے امام ابوحنیفہؒ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو ان کے ہمعصر تھے مثلاً اوزاعی شام میں حماد بصرہ میں ثوری کوفہ میں، مالک مدینہ شریف میں، لیث مصر میں، ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم۔"

---

[1] اس فتویٰ کو حافظ ابوالمحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے۔ اور میں نے اسی کا (۴۴)

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے۔ یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہؒ سے۔ ابن سعد وہ شخص ہیں۔ جن کی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ اگرچہ ان کا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں"۔ سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایۃ تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی، اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب علامہ نووی شارح صحیح مسلم، علامہ ذہبی حافظ ابن حجر عسقلانی زین الدین عراقی سخاوی ابو المحاسن دمشقی نے جن پر اب حدیث در روایت کا مدار ہے۔ قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انسؓ کو دیکھا تھا۔[۲]

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی۔ لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں، حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے، لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں ان کی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہو گی، اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی شہادتیں موجود

---

(۲۴) لفظی ترجمہ کیا ہے۔

[۱] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے۔

[۲] مختصر تاریخ خطیب بغدادی و کتاب الانساب و تہذیب الاسماء و اللغات و تذکرۃ الحفاظ و عبر فی اخبار من غبر الذہبی تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو۔

ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم رتبہ ہے۔

صحابہ سے روایت نہیں کی

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھ کر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اسی غلطی کے حامی ہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعوے ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ حالانکہ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے۔ جن کی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنی تھیں۔ پھر اصول حدیث سے ان کی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں، محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے ایک بھی روایت کی ہوتی، تو سب سے پہلے امام کے تلامذۂ خاص اس کو شہرت دیتے۔ لیکن قاضی ابو یوسف، امام محمد، حافظ عبد الرزاق بن ہمام، عبد اللہ بن المبارک، ابو نعیم فضل بن دکیع، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور با اخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھیے تو زیادہ تر ان ہی لوگوں نے ان کی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں، ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

کنیت کی توجیہ

امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے۔ حقیقی کنیت نہیں ہے۔ امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا، یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے یعنی ابو الملۃ الحنیفہ، قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے۔

فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا (آل عمران ۱۰)

(سو ابراہیم کی طریقہ کی پیروی کرو۔ جو ایک خدا کے ہو رہے تھے)۔

امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔

تحصیل علم، شیوخ اور اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پُر آشوب تھا۔ حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی۔ چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں اب تک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے۔ حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہی لوگوں پر مبذول تھیں۔ جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عالم تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا کہ اگر اور پیغمبروں کی اُمتیں مل کر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو مقابلہ میں لائیں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہے گا"۔ عبدالملک نے ۸۶ھ میں وفات کی، اور اس کا بیٹا ولید تخت نشین ہوا۔ ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی، اسپین و سندھ دو بڑی مملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں، خوارزم و سمرقند سے گذر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام لہرانے لگا۔ اسپین کی طرف جزائر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے۔ لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ عہدہ داروں میں سے جو لوگ جس قدر زیادہ معزز اور باوقار تھے۔ اسی قدر ظالم اور سفاک تھے۔ اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ولید شام میں حجاج عراق میں عثمان حجاز میں، قرہ مصر میں، واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی"۔ اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا، جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے۔ تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جس قدر تھا، نہایت

کم تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کا مبارک دور

ملک کی خوش قسمتی تھی۔ کہ حجاج ۹۵ھ میں مرگیا، ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسندِ خلافت کو زینت دی، جس کی نسبت مؤرخین کا بیان ہے۔ کہ خلفائے بنو اُمیہ میں سب سے افضل تھا۔ سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی۔ کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوں، سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبدالعزیز مسند خلافت پر بیٹھے، ان کی خلافت نے دفعتہً حکومتِ مردانی کا رنگ بدل دیا۔ اور تمام ملک میں عدل و انصاف، علم و عمل، خیر و برکت کی روح تازہ ڈال دی، ایک مدت سے حضرت علیؓ پر خطبوں میں جو لعن پڑھا جاتا تھا، یک لخت موقوف کر دیا۔ شہزادگان بنو اُمیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے۔ یک قلم معزول کر دیئے، سب سے بڑھ کر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر یہی چرچے پھیل گئے۔ امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا کریں، یہ مجموعہ تیار ہوا۔ تو ممالکِ اسلامیہ میں اس کی نقلیں بھجوائیں۔

غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہونے کی نہ رغبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا۔ تجارت باپ دادا کی میراث تھی، اس لئے خز بافی کا کارخانہ قائم کیا۔ اور حسنِ تدبیر سے اس کو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہدِ خلافت میں جب درس و تدریس کے چرچے عام ہوئے تو ان کے دل میں بھی یہ تحریک پیدا ہوئی۔ حسنِ اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں ایک اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے ان کے ارادے کو اور بھی استحکام ہوا۔

تحصیل علم کی تحریک

ایک دن بازار جا رہے تھے۔ امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے۔ ان کا مکان راہ میں تھا۔ سامنے سے نکلے تو انہوں نے ایک سمجھ کر کوئی نوجوان طالب علم ہے۔ پاس بلایا اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو" انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا۔ امام شعبی نے کہا "میرا مطلب یہ تھا، تم پڑھتے کس سے ہو"؟ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں۔ شعبی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں۔ تم علماء کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا۔ اور نہایت اہتمام سے تحصیل علم پر متوجہ ہوئے۔ اس وقت تک علم جس چیز کا نام تھا، وہ ادب، انساب، ایام العرب، فقہ، حدیث، کلام تھا۔ کلام اگرچہ آج کل کا علم کلام نہ تھا، کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا، تاہم ان علوم میں وقتِ نظر، بلندیِ خیال، زورِ طبع کے لیئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں محدود رہا۔ اس کے مسائل نہایت محدود اور صاف رہے۔ لیکن فارس اور مصر و شام پہنچ کر ان میں رنگ آمیزیاں شروع ہو گئیں ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا۔ تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے مسائل عام لوگوں میں پھیل رہے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں۔

علم کلام

قرآن پاک میں خدا کی ذات و صفات، مبداء و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اسی کو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور خلوصِ اعتقاد کے لیے وہی کافی تھا بخلاف اس کے فارس اور شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں جو وسعتِ تمدن اور ترقیِ خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہئیں تھیں۔ استعارہ و تشبیہ، صفات کی عینیت و غیریت، حدوث و قدم۔ غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے۔ جن کو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل فن بنا دیا۔ رفتہ رفتہ اعتقادی مسائل میں بھی

موشگافیاں ہونے لگیں اور راویوں کے اختلافات سے مختلف فرقے بنتے گئے۔ جو قدری مرجی، معتزلی، جہمی، خارجی، رافضی کہلائے، یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ اہلِ حق جواب تک ان بحثوں سے الگ تھے، ان کو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اس طرح علم کلام پیدا ہوگیا۔ جس کو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے آئمہ مذہب (مثلاً امام اشعری و ابو منصور ماتریدی کا مایہ ناز ٹھہرا۔

علم کلام کی طرف توجہ

علم کلام زمانۂ مابعد میں اگرچہ مدوّن و مرتب ہو کر اکتسابی علوم میں داخل ہوگیا لیکن اس وقت تک اس کی تحصیل کے لیے صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں، قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کر دی تھیں۔ رگوں میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدّت تھی۔ مذہبی روائتیں اور مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی تعلیم یافتہ لوگوں میں اُٹھ بیٹھ کر حاصل کر سکتا تھا۔ امام ابوحنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن بحث کرنے میں ان سے جی چراتے تھے، تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا۔ جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاص کر خارجیوں کا مرکز تھا۔ اباضیہ، صفریہ، حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے۔ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑ کر وہ علم فقہ پر مائل ہوئے اور تمام عمر اس کی نذر کر دی۔ لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا۔ خارجیوں وغیرہ سے ان کے مناظرے علم کلام کی جان ہیں۔ ان کی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کریں گے۔

فقہ سے دلچسپی کیوں پیدا ہوئی؟

شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ رہے۔ لیکن جس قدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا۔ ان کی طبیعت رُکتی جاتی تھی۔ خود ان کا بیان ہے کہ

آغازِ عمر میں میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا۔ کیونکہ مجھ کو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہی باتوں پر ہے، لیکن پھر خیال آیا کہ صحابۂ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے، حالانکہ ان باتوں کی حقیقت ان سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا؟ ان کی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے، ساتھ ہی خیال گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں۔ ان کا طرزِ عمل کیا ہے؟ اس خیال سے اور بھی بے دلی پیدا ہو گئی کیونکہ ان لوگوں میں وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا تمغۂ امتیاز تھا[1]۔ اسی زمانہ میں ایک دن ایک عورت نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریق پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا نہ سکا، عورت کو ہدایت کی کہ امام حماد سے جن کا حلقۂ درس یہاں سے قریب ہے، جا کر پوچھے" یہ بھی کہہ دیا کہ" حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتی جانا" تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی اور کہا، حماد نے یہ جواب دیا۔ مجھ کو سخت عبرت ہوئی۔ اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا۔ اور حماد کے حلقۂ درس میں جا بیٹھا۔"

حماد بن ابی سلیمان
م ۱۲۰ھ

حماد کی شاگردی

امام کی ابتدائی تحصیل علم کے متعلق ایک اور روایت ہے جس کا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا، یعنی امام صاحب کا بیان ہے۔ کہ جب سے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے۔ اور میں متردد تھا کہ کس کو اختیار کروں۔ سب سے پہلے کلام کا خیال آیا۔ ساتھ ہی دل میں گزرا کہ وہ کوہ کندن و کاہ بر آوردن ہے ایک مدت کی محنت و دوڑ دھوپ کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار نہیں کر سکتا کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں، ادب اور قرأت کا بجز اس کے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا شعر و شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا، حدیث کے لیے اولاً تو ایک مدت درکار تھی۔ اور

---

[1] عقود الجمان باب سادس

ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے۔ تمام معتمد روائتیں اس کے خلاف ہیں۔ جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب ہیں۔ ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیے جا سکتے۔ اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑے گا۔ کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی۔ اس لیے کہ یہ ان کے شایان شان نہ تھے۔ حالانکہ ان فنون میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی، یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی، جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ یہ روایت با ایں ہمہ کہ قید کتابت میں آچکی تھی۔ عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے ابن جزلہ نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر ہے۔ اس میں روایت کا جہاں ذکر ہے۔ ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں۔ دوسروں کی طرف منسوب ہیں، امام ابوحنیفہ کی نسبت صرف ان کا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

حماد کی شخصیت عظمت اور بزرگی

حماد کوفہ کے مشہور امام اور اُستاد وقت تھے۔ حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے۔ حدیث سُنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اس وقت کوفہ میں انہی کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا۔ مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کیے گئے ہیں انہی کے حلقۂ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود صحابی سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا۔ اس کا مدار انہی پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولت مند اور فارغ البال تھے۔ اور اس

وجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، ان وجوہ سے امام ابوحنیفہؒ نے علم فقہ پڑھنا چاہا۔ تو اُستادی کے لیے انہی کو انتخاب کیا اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ اُستاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے، کیونکہ مبتدیوں کے لیے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حماد کا تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہم سر نہیں ہے تو حکم دے دیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں[1]۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی، جس کا تفصیلی بیان آگے آتا ہے۔ تاہم حماد کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے رخود ان کا بیان ہے کہ میں دو برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا۔ پھر خیال ہوا کہ اب خود درس وتعلیم کا سلسلہ قائم کروں۔ لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا اتفاق سے انہی دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا، حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا۔ اس ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا۔ چونکہ مجھ کو اپنا جانشین کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں اُستاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سُنی تھی۔ اس لیے اپنے اجتہاد سے جواب دیے اور احتیاط کے لیے ایک یادداشت لکھتا گیا۔ دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت پیش کی۔ کل ساٹھ مسئلے تھے۔ ان میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں۔ میں نے عہد کیا کہ حماد جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔

حماد نے ۱۲۰ھ میں انتقال کیا، امام ابوحنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور

---

[1] عقود الجمان باب سادس۔

بزرگوں کی خدمت میں بھی فقہ کی تحصیل کی، لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ حد سے زیادہ ان کی تعظیم کرتے تھے۔

امام صاحب اور تحصیل حدیث

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جو امام کو مطلوب تھی۔ حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اس وقت تمام ممالکِ اسلامیہ میں بڑے زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے۔ صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی۔ تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے، اور ان کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے۔ ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں۔ اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا۔ جن کے سلسلے تمام ممالکِ اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا۔ وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، بصرہ، کوفہ کو خاص امتیاز تھا۔ کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہم سر نہ تھا۔

کوفہ

کوفہ امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا، اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا، اہلِ عرب کی روز افزوں ترقی کے لیے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی اس ضرورت سے حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو جو اس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزین تھے۔ خط لکھا کہ مسلمانوں کے لیے ایک شہر بسائیں جو اُن کا دار الہجرت اور قرار گاہ ہو۔ سعدؓ نے کوفہ کی زمین پسند کی ۱۷ھ میں اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ اسی وقت عرب

کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر آباد ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بن گیا۔ حضرت عمرؓ نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لیے جو وہاں جاکر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کر دیئے، چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ وہ جناب فاروق کو فہ کو "رمح اللہ، کنز الایمان جمجمۃ العرب" یعنی خدا کا نیزہ، ایمان کا خزانہ عرب کا سر فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے تھے الی راس الاسلام الی راس العرب" حضرت علیؓ نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا۔ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوۂ بدر میں رسول اللہؐ کے ہمرکاب رہے تھے۔ وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے اور کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درسگاہ بن گیا تھا[1]

بصرہ

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا۔ اور وسعت علم اور اشاعتِ حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا یہ دونوں شہر مکۃ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علم اسلامی کے دار العلم خیال کیے جاتے تھے علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے دور میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے، اور ان کے مستقل ترجمے لکھے ہیں۔ ان میں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابو العمر النخعی، ذر بن جیش ربیع بن خثیم، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، ابو عبد الرحمن اسلمی شریح بن الحرث، شریح بن ہانی، ابو وائل شقیق ابن سلمہ، قیس بن حازم، محمد بن سیرین حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ انہی دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوش باش تھے[2] سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اکثر فرماتے تھے

---

[1] یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر آثار کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۸۲ میں مذکور ہے [2] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے۔

کہ مناسک کے لیے مکہ قرأت کے لیے مدینہ اور حلال وحرام یعنی تفقہ کے لیے کوفہ ہے[1]۔ فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی۔ یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔

علم حدیث اور مسئلہ روایت و درایت

حدیثیں اس وقت نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار سو حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لیے بھی کافی نہ تھی۔ اس کے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے نہ معلوم ہو۔ اس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا۔ امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا۔ اس لیے نہایت سعی و اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جس کے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی تہ نہ کیا ہو۔ اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں ابوالمحاسن شافعی نے جہاں ان کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں۔ ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے یا نزیل تھے۔ تہذیب التہذیب و تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا طریقہ عام ہے) امام کے شیوخ کا استقصاء نہیں کیا ہے۔ تاہم انہی کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی۔ جن میں ۲۹ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے، شیوخ کوفہ میں خاص کر امام شعبی، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابواسحاق سبیعی، عون بن عبداللہ سماک بن حرب، عمرہ بن مرہ، منصور، اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت

---

[1] معجم البلدان ذکر کوفہ۔

الانصاری، عطار بن السائب موسیٰ بن ابی عائشہ، علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدّث اور سند و روایت کے مرجع عام تھے سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلۂ اسناد اکثر انہی بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

عامر بن شراحیل

حضرت امام شعبی امام شعبیؒ[1] وہی بزرگ ہیں، جنہوں نے اول اول امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا، عراق، عرب، شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے۔ ان میں ایک یہ تھے۔ امام زہری کہا کرتے تھے کہ "عالم صرف چار ہیں، مدینہ میں ابن المسیّب بصرہ میں حسن، شام میں مکحول کوفہ میں شعبی" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے"۔ ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے، خلفاء اور اعیانِ دولت ان کا نہایت احترام کرتے تھے ۱۰۴ھ میں یا ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے، جندبؓ بن عبداللہ ابن ابی اوفیٰ ابو الطفیلؓ اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ (امام شافعی کے استاد) فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے، ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے، منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ، ابو حصین۔

حضرت ابو اسحٰق سبیعی ابو اسحٰق سبیعی، کبار تابعین میں سے تھے، عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن عمرؓ، ابن زبیر، نعمانؓ بن بشیر، زیدؓ بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جن کے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بہ تفصیل

---

[1] امام کے شیوخ حدیث کا حال میں نے زیادہ تر تہذیب التہذیب و معارف ابن قتیبہ و مراۃ الجنان یافعی سے لکھا ہے۔

لکھے ہیں حدیثیں سنی تھیں۔ عجلی نے کہا ہے کہ ۱۳۸ صحابہ سے ان کو بالمشافہ روایت ہے علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد تھے۔ ان کا قول ہے۔ کہ ابو اسحٰق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کیے تو کم و بیش تین سو ٹھہرے، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت سماک

سماک بن حرب، بہت بڑے تابعی اور محدث تھے۔ امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی۔ خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں۔

حضرت محارب بن وثار

محارب بن وثار نے عبداللہ بن عمر اور جابرؓ وغیرہ سے روایت کی۔ امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو محارب پر ترجیح دوں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں۔ امام احمد ابن معین، ابوزرعہ، دارقطنی، ابوحاتم، یعقوب، ابن سفیان، نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے۔ کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے ۱۱۶ھ میں وفات کی۔ عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، حضرت ابوہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

امام حدیث ہشام بن عروہ

ہشام بن عروہ، معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک سفیان ابن عیینہ ان کے شاگرد تھے، ابوجعفر منصور کے زمانہ میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا نہایت احترام کرتا تھا۔ ایک بار لاکھ درہم اُن کو عطا کیے ان کے جنازہ کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابوحاتم نے ان کو امام حدیث کہا ہے۔

امام سلیمان بن مہران

سلیمان بن مہران معروف بہ اعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انسؓ بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے حدیث سُنی تھی، سفیان ثوری و شعبہ ان کے شاگرد ہیں۔ امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا، جو امام حسن بصری، شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے ماہ کامل تھا، تعجب ہے کہ حسن بصری باوجودیکہ ۱۱۱ھ تک زندہ رہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ کا ان کے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا، البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر عام محدثین نے کیا ہے، اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث روایت کی اجازت بھی لی تھی۔

محدث اور تابعی حضرت قتادہ

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے، حضرت انسؓ بن مالک و عبداللہؓ ابن سرجس و ابوالطفیلؓ اور دیگر صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، حضرت انسؓ کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں، ان میں ایک یہ ہیں، اس خصوصیت میں ان کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بلفظہٖ ادا کرتے تھے، یعنی الفاظ و معنی میں ان کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بلفظہٖ ادا کرتے تھے، یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا ان کی قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے، کہ یہ مدینہ میں سعید ابن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو، تم کو ان میں سے کچھ یاد بھی ہیں"۔ انہوں نے کہا" ایک ایک حرف محفوظ ہے" چنانچہ جس قدر ان سے سُنا تھا، بتقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا، وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا، خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کیے ہیں۔ اسی بنا پر لوگ ان کو احفظ الناس کہا کرتے تھے، امام حنبل نے ان کے تفقہ و واقفیت اختلاف و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے، کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہو تو ہو، مگر

ان سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا" حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے، جس سے ان کی عظمت وشان کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث حضرت شعبہ شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں، سفیان ثوری نے فن حدیث میں ان کو امیر المومنین مانا ہے، عراق میں یہ پہلے شخص ہیں، جس نے جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کیے، امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا۔ سفیان ثوری کو ان کے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا" آج فن حدیث بھی مرگیا" شعبہ کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا، غیبت میں اکثر ان کی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف کرتے۔ ایک بار ان کا ذکر آیا تو کہا کہ جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے۔ اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں"۔ یحیٰی بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں۔ فرمایا" اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث وروایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ[1] ہی ہیں، بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابوحنیفہ نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبد الکریم بن اُمیّہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

حرمین کا سفر امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا، تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لیے حرمین جانا ضروری تھا۔ جو علوم مذہبی کے اصلی مرکز تھے، تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا۔ تاہم ظنِ غالب ہے۔ کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغاز تھا، مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے[2] کہ وکیع نے خود امام ابوحنیفہ سے

---

[1] عقود الجمان باب دہم [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عطا بن ابی رباح۔

روایت کی ہے۔ کہ حج میں ایک حجام نے جس سے میں نے بال کٹوائے تھے۔ کئی باتوں پر مجھ پر گرفت کی، میں نے اُجرت پوچھی تو بولا "مناسک چکائے نہیں جاتے" میں چپ ہو کر اصلاح بنوانے لگا، اس نے پھر ٹوکا "حج میں چپکا نہیں رہنا چاہیے۔ تکبیر کہے جاؤ" حجامت سے فارغ ہو کر گھر چلا تو اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو۔ پھر کہیں جانا "میں نے متعجب ہو کر پوچھا۔ یہ مسائل تو نے کہاں سے سیکھے، بولا "عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے"۔ اس واقعہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔

عطاء بن ابی رباح کا حلقۂ درس

جس زمانہ میں امام ابوحنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا متعدد اساتذہ کی جو فنِ حدیث میں کمال رکھتے تھے۔ اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے۔ الگ الگ درسگاہ قائم تھی۔ ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقۂ درس سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے۔ اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے فیضِ صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ ابنِ زبیرؓ، اسامہؓ بن زیدؓ جابرؓ ابن عبداللہ، زید بن ارقمؓ عبداللہؓ بن سائب عقیلؓ رافعؓ، ابو دوادؓ، ابوہریرہؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں، خود ان کا بیان ہے کہ میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں۔ جن کو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروقؓ کے فرزند رشید اور صاحب افتا تھے، اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن ابی رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں"۔ حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہو رہا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں[1] ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی، زہری، عمرو بن دینار انہی کے حلقۂ درس سے نکل کر اُستاد کہلائے۔

---

[1] ابن خلکان اور کتب رجال میں ان کے حالات پڑھو۔

امام ابوحنیفہؒ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا "میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا، قضا و قدر کا قائل ہوں"۔ عطاء نے اجازت دی کہ حلقۂ درس میں شریک ہوا کریں[1]۔ روز بروز ان کی ذہانت و طباعی کے جوہر ظاہر ہوتے گئے، اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ حلقۂ درس میں جاتے تو عطا اوروں کو ہٹا کر اپنے پہلو میں جگہ دیتے[2]۔

عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس مدت میں امام ابوحنیفہ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا۔ تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

حضرت عکرمہ! عطاء کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی ان میں سے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، عکرمہ حضرت عبداللہؓ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے۔ انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی، یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا۔ عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علیؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ، عقبہ بن عمرؓ، صفوانؓ، جابرؓ، ابوقتادہؓ سے حدیثیں سیکھی تھیں، اور فقہی مسائل تحقیق کیے تھے، کم و بیش ستر مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں، امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھ کر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بھی بڑھ کر کوئی عالم ہے؟ فرمایا ہاں عکرمہ!

فقہائے سبعہ اسی زمانہ میں یعنی ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا، صحابہ کے

---

[1] مختصر تاریخ بغداد ابن حمدلہ [2] عقود الجمان باب عاشر۔

بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ وحدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا' ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی' اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاء کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے[1] مدینہ کی فقہ جس کی تدوین امام مالک نے کی اس کی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتوؤں پر ہے۔

امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہنچے تو اُن بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان و سالم بن عبداللہ' سلیمان حضرت میمونہؓ کے جو رسول اللہؐ کی ازواجِ مطہرات میں سے تھیں' غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے۔ اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابوحنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے' حج کی تقریب میں ممالکِ اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہلِ کمال مکہ آکر جمع ہو جاتے تھے' جن سے مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا۔ امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے۔

امام صاحب نے حدیث کی سند لی

امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دُور دُور پہنچ گئی تھی۔ یہاں

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۳۹۹۔

تک کہ ظاہر بینوں نے ان کو قیاس مشہور کر دیا تھا۔ انہی دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ بیروت کا سفر کیا۔ کہ امام اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ "کوفہ میں ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے"۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اجزا لے لیے سرنامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کیے، پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا "عراق کے ایک شخص ہیں جن کی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابوحنیفہ ہیں۔ جن کو آپ مبتدع بتاتے تھے۔[1] اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا۔ حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی۔ انہی مسائل کا ذکر آیا۔ اتفاق سے عبداللہ ابن المبارک بھی موجود تھے۔ ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ "اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسود بنا دیا ہے۔ بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی، جس کا میں افسوس کرتا ہوں"۔

تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی زمانہ ہوگا۔

حضرت امام باقر کی خدمت میں

حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ امام ابوحنیفہ ہیں۔ انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو"۔ انہوں نے

---

[1] مختصر تاریخ بغداد

نہایت ادب سے کہا عیاذاً باللہ حدیث کی کون مخالفت کرسکتا ہے؟ آپ تشریف رکھیں تو کچھ عرض کروں"۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ابو حنیفہ :۔ مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر :۔ عورت

ابو حنیفہ : وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے، یا عورت کا؟

امام باقر : مرد کا۔

ابو حنیفہ :۔ میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیے" پھر پوچھا نماز افضل ہے یا روزہ؟

امام باقر : نماز۔

ابو حنیفہ : اس اعتبار سے حائضہ عورت میں نماز کی قضا واجب ہونی چاہیئے نہ کہ روزہ کی، حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں۔ امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔

یہ واقعہ استاد ابو زہرہ نے بھی اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیضِ صحبت تھا۔ امام صاحب نے اُن کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فیضِ صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے امام ابو حنیفہؒ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں، لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادقؒ سے

کیا نسبت؛ حدیث وفقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلِ بیت کے گھر سے نکلے وصاحب البیت ادری بما فیھا۔

امام صاحب کی مرجعیت اور مقبولیت

یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب علم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جا رہا ہے، جس شہر یا گاؤں میں گزر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا، ایک دفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی ارباب حدیث وفقہ دونوں فرقہ کے لوگ تھے، اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر کہا۔ کاش ہمارے میزبان سے کوئی جا کر کہتا، کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے، ابو عاصم بنبل حاضر تھے، عرض کی کہ میں جاتا ہوں۔ لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہ گئے ہیں، امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کے ساتھ ان کی باتیں سنیں، اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا۔ ابو عاصم سے فارغ ہو کر ایک اور طالب علم کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا، تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا۔ کسی شخص نے میزبان کے پاس جانے کا اقرار کیا تھا، وہ کہاں گیا۔ ابو عاصم بولے میں نے عرض کیا تھا۔ فرمایا پھر تم گئے نہیں؟ ابو عاصم نے مناظرانہ شوخی سے کہا "میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں۔ جب فرصت ہوگی جاؤں گا" امام نے فرمایا۔ "عام بول چال میں ان احتمالات کا موقع نہیں، ان لفظوں کے معنی وہی لیے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے"[1] ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا، جس کو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ ان کا اس قدر ادب واحترام کرتے تھے کہ لوگوں

---

[1] الجواہر المضیہ باب الکنی ترجمہ ابو عاصم النبیل۔

کو تعجب ہوتا تھا، محمد بن فضل کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے خضیب کے پاس گئے میں بھی ساتھ تھا، خضیب نے ان کو آتے دیکھا۔ تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کے ساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا امام صاحب نے پوچھا کہ "بیضۂ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے" خضیب نے کہا:۔ اخبرنی ابو عبیدۃ عن عبد اللہ ابن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبھا المحرم ان فیہ قیمتہ

عمرو بن دینار جو مکہ کے مشہور محدث تھے، ابوحنیفہ کے ہوتے حلقہ درس میں اور کسی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔[1]

امام ابوحنیفہ اور امام مالک

اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے، ان کے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مؤدب بیٹھتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔ اس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اس کو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں۔ امام مالک بھی ان کا احترام کرتے تھے، عبد اللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے۔ کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک بزرگ آئے، جن کی انہوں نے تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا ان کے جانے کے بعد فرمایا" جانتے ہو یہ کون شخص تھا۔ یہ ابوحنیفہ عراقی تھے، جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے ان کی بھی تعظیم کی۔ لیکن نہ اس قدر جتنی ابوحنیفہ کی کی تھی وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا، یہ سفیان ثوری تھے۔

---

[1] عقود الجمان باب عاشر

تعلیم حدیث کے مختلف طریقے

حجاز و عراق کے آئمہ فن روایت کے متعلق جُدا جُدا اصول رکھتے تھے۔ طرزِ تعلیم بھی مختلف تھا۔ بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار نہ تھا۔ بعض مثلاً ابراہیم و شعبی صرف حافظہ کو سند سمجھتے تھے۔ اکثروں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے۔ بعض اس کے بالکل خلاف تھے۔ ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جب تک سامنے نہ ہو اس سے روایت نہیں کی جا سکتی۔ شعبہ جو امام صاحب کے استاد تھے ان کا یہی مذہب تھا، دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا، امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے، یہاں تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں"

امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں، بعض اس کے مخالف تھے یحییٰ بن سلام اتنی بات پر اُن کے حلقۂ درس سے ناراض ہو کر اُٹھ آئے کہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جن کو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی کثرتِ شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصولوں سے آگاہ ہوں۔ تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور جچی ہوئی رائے قائم کر سکیں۔ امام موصوف نے اصولِ فن میں جو اصلاحیں کی ہیں ان کا بیان آگے آئے گا۔

طریقۂ تعلیم کی ترقی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ ان کے آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا، اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا، بعض آئمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جس کے الفاظ یہ

تھے انظروا ایما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء یعنی رسول اللہ کی جس قدر حدیثیں ہیں قلمبند کر لی جائیں۔ ورنہ ضائع ہونے کا ڈر ہے"۔ اور شہروں میں بھی اسی مضمون کے فرامین بھیجے، چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جس کی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں اس وقت سے تدوین کا عام رواج ہو گیا۔ اور جہاں اہلحدیث تھے، اسی طریقہ کو برتنے لگے۔ شعبی امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا۔ تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے۔

طرز تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی، شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد قلم دوات لے کر بیٹھتے اور استاد جو کچھ روایت کرتا، اسی کے الفاظ میں لکھتے جاتے۔ شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہو کر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا۔ مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہاں تک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے۔ اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں اور ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو، چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن عیینہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام صاحب کے شیوخ حدیث

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ ان کے شیوخ حدیث بیشمار تھے۔ ابوحفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کی ہیں، اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں، مسلمانوں نے حدیثوں کو جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں، دنیا کی اور قومیں اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں، ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جن کے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے

لہ فتح المغیث صفحہ ۲۳۹ و مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۶

اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جن کے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے۔ علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام بھی گنائے ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا، البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں۔ اخیر میں لکھ دیا ہے "خلق کثیر" حافظ ابوالمحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں، اور اخیر میں لکھا ہے۔ کہ میں نے ایک دوسری کتاب میں جس کا نام تحصیل السبیل الی معرفت الثقات و المجاہیل ہے۔ ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی فہرست زیادہ تر فقہائے سے ماخوذ ہے۔ ممکن ہے۔ کہ محدثین کا کلیتہ اس سے اتفاق نہ ہو۔

امام صاحب کے شیوخ کی جزوی تفصیل

افسوس ہے کہ محدثین نے امام صاحب کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جن میں ان کے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے ہماری نظر سے نہیں گذریں بجال کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن ان میں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اس وجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی۔ مختصر تاریخ بغداد، تہذیب الکمال[1] تہذیب الاسماء واللغات، تذکرہ الحفاظ، ملخص طبقات الحفاظ، تہذیب لتہذیب النساب سمعانی، موطا امام محمد، کتاب الآثار، امام محمد کے متبع سے جس قدر ان کے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

عطاء بن ابی رباح مکی، عاصم بن ابی النجود کوفی علقمہ بن مرثد کوفی، حکم بن عتبہ

---

[1] ان کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے گذری مولوی عبدالحئی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابوحنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں۔ میں نے اسی کے حوالے سے لکھا ہے۔

کوفی، سلمہ بن کہیل کوفی، حضرت امام محمد باقر مدنی اعلیٰ بن الاقمر الکوفی زیاد بن علاقہ کوفی سعید بن مسروق کوفی، عدی بن ثابت انصاری کوفی عطیہ بن سعید مدنی، ہشام بن عروہ مدنی (از تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)۔

ابو اسحٰق السبیعی کوفی، نافع بن عمر مدنی عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج مدنی، قتادہ بصری عمرو بن دینار مکی، محارب بن دثار کوفی، ہشیم بن حبیب الصراف کوفی، قیس بن مسلم کوفی، محمد ابو المنکدر المدنی، یزید الفقیر کوفی، سماک بن حرب کوفی عبدالعزیز بن رفیع مکی، مکحول شامی، عمرو بن مرہ الکوفی، ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی عبدالملک بن عمر کوفی، منصور زاذان، منصور المعتمر، عطار بن السائب الثقفی، عطا بن ابی مسلم الخراسانی، عاصم بن سلیمان الاحول بصری، اعمش کوفی۔ عبداللہ بن عمر بن حفص المدنی، امام اوزاعی (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ)۔

ابراہیم بن محمد کوفی اسمٰعیل بن عبدالملک مکی، حارث بن الرحمٰن مکی خالد بن علقمۃ الوادعی ربیعۃ الرائے، شداد بن عبدالرحمٰن بصری، شیبان بن عبدالرحمٰن بصری، طاؤس بن کیسان یمنی عبدالرحمٰن بن دینار المدنی، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ مکی، عون بن عبداللہ کوفی، قابوس بن ابی ظبیان کوفی، محمد بن السائب الکلبی کوفی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، ابو سعید مولی ابن عباسؓ (تہذیب الکمال)۔

موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی، صلت بن بہرام، عثمان بن عبداللہ بن جوشب بلال ہشیم بن ابی الہشیم، حصین بن عبدالرحمٰن، معن، میمون بن سیاہ، جواب الیتمی سالم الافطس یحییٰ بن عمرو بن سلمہ، عمرو بن جبیر، عبید اللہ بن عمر، محمد بن مالک ہمدانی ابو السوار، خارجہ ابن عبداللہ، عبداللہ بن ابی زیاد، حکم بن زیاد، کثیر الاصم، حمید الاعرج ابو العطوف، عبداللہ ابن الحسن الشیبانی سعید المزربان، عثمان بن عبداللہ ابو حجیہ (کتاب الآثار امام محمد)۔

امام صاحب کی تحقیق اور احتیاط

ہم نے اس قدر نام سرسری طور سے انتخاب کیے ہیں۔ زیادہ چھان بین کرتے تو شاید

عقود الجمان کی فہرست کے برابر اُترتے، لیکن سچ یہ ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ کے لیے کثرت شیوخ اس قدر فخر کا باعث نہیں، جتنا کہ ان کی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے۔ کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے۔ کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں۔ جن کو رسول اللہ (صلعم) تک صرف ایک واسطہ ہے۔ یا وہ لوگ ہیں، جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے، اور علم و فضل، دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے ہیں۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں۔ تو شاذ ہیں۔ ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی، اور اس باب میں وہ استادوں کی مخالفت کی کچھ بھی پروا نہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ حماد کے ساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے، چلتے چلتے مغرب کا وقت آگیا، وضو کے لیے پانی کی تلاش ہوئی، مگر کہیں نہ مل سکا، حماد نے تیمم کا فتویٰ دیا، امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے، اتفاق یہ کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی، کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد سے مخالفت کی، اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا۔

امام شعبی ان کے استاد قائل تھے۔ کہ معصیت میں کفارہ نہیں، ایک دفعہ استاد و شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا، انہوں نے کہا "ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔ کیونکہ خدا نے ظہار میں مقرر کیا ہے۔ اور اس آیت وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا میں تصریح کر دی ہے۔ کہ ظہار معصیت ہے"۔ امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے، خفا ہو کر فرمایا قیاس انت[1]"

عطاء بن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنے پوچھے وَاٰتَتْهُ اِحْدٰىهُنَّ

---

[1] عقود الجمان باب ثامن

وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ عطاء نے کہا، خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مر گئی تھی زندہ کر دی اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کر دی' امام ابو حنیفہ نے کہا' جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہو وہ اس کی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے۔

امام کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں' جن شہروں میں ان کو رہنے کا اتفاق ہوا' یعنی کوفہ' بصرہ مکہ مدینہ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایات وہاں کی ہوا میں سرایت کر گئی تھیں' علماء سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونے کا شوق امام کے خمیر میں داخل تھا۔ ساتھ ہی ان کی یہ شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی۔ کہ جہاں جاتے استفادہ ملاقات' مناظرہ کی غرض سے ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

امام صاحب کی مسندِ درس اور شغلِ حیات

استاد کا ادب

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کر لیا تھا، عمر بھی کچھ کم نہ تھی۔ یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا۔ کہ استاد کے ہوتے اپنا دربار الگ جمائیں، اگلے زمانہ میں استاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا۔ آج اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلائے۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دار و مدار انہی پر رہ گیا تھا۔ اُن کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا۔ لوگوں نے انہی کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت و ادب کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے۔ ان کی جگہ لی، وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر نہ تھے۔ لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر ان کا ایک خاص اثر تھا، چند روز تک حلقۂ درس ان کی وجہ سے قائم رہا، وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں۔

مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو! تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں استاذی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی۔ یا اب اور لوگ درخواست کرتے ہیں، اور ان کو اُس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے۔ تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا پھر بھی دل مطمئن نہ تھا۔ حافظ ابو المحاسن نے لکھا ہے۔ کہ انہی دنوں میں خواب دیکھا کہ پیغمبر خدا

کی قبر مبارک کھود رہے ہیں۔ ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے۔ امام ابن سیرین جو علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے۔ انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے امام صاحب کو تسکین ہوگئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے، خواب کا ذکر تمام مؤرخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے۔ اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو۔ لیکن یہ زمانہ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے ۱۱۰ھ میں قضا کر چکے تھے۔ بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی، اوّل اوّل حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ سورس میں آملیں۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود ان کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام امام اعمش وغیرہ ان سے استفادہ کرتے تھے۔ اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے۔

سلسلہ درس کی وسعت اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو، جن جن مقامات کے رہنے والے ان کی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہوسکتا، لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں، مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، واسط، موصل جزیرہ، رقہ، نصیبین، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان ستر آباد، ہمدان، نہاوند، رے، قومس، دامغان طبرستان جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، بخارا، سمرقند، کس، صنعان، ترمذ، ہرات نہتار، الزم، خوارزم، سیستان، مدائن، مصیصہ، حمص[1] مختصر یہ کہ ان کی استادی کے حدود خلیفۂ وقت کے حدودِ مملکت کے برابر تھے۔

رفتہ رفتہ عراق میں ان کا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہاں تک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو ان کی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے

---

[1] عقود الجمان باب خامس۔

کہ زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی، امام صاحب بھی اُس میں شریک تھے۔ نامہ دانشوراں کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے۔ استاذ ابوزہرہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس جنگ میں زر خطیر سے مالی امداد دی، اسے "جنگ بدر" سے مشابہ قرار دے کر مسلمانوں کو اس میں جوش و خروش سے حصہ لینے کی تلقین کی۔

حضرت زید بن علی اور امام صاحب

ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات کی اس کے بعد ولید بن یزید، یزید الناقص ابراہیم بن الولید، مروان الحمار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی۔ مروان کے عہد میں نہایت قوت پکڑ گئی، ابومسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی، چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا۔

قبول خدمت سے انکار

مروان نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر، دلیر، فیاض، خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں، اسی بنا پر اُس نے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے، عراق کے تمام فقہا کو جن میں قاضی ابن ابی لیلیٰ ابن شبرمہ داؤد بن ہند بھی شامل تھے۔ بلا کر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں۔ امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا، انہوں نے صاف انکار کیا، یزید نے قسم کھائی کہ کہا کہ جبراً منظور کرنا ہوگا۔ ان کے ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا، مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے، اور کہا کہ اگر یزید کہے کہ مسجدوں کے دروازے گن دو تو بھی مجھ کو گوارا نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھے اور میں اس پر مہر کروں[1] یزید نے غصہ میں آکر

---

[1] عقود الجمان باب بست دیکم

حکم دیا کہ ہر روز ان کو دس درّے لگائے جائیں، اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی رائے سے باز نہ آئے آخر مجبور ہو کر یزید نے چھوڑ دیا، ایک روایت میں ہے کہ اسی وقت مکہ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۶ھ کے آخر تک وہیں رہے، ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا، ممکن ہے کہ یہ عہدہ بھی ان کے لئے تجویز ہوا ہو اور انہوں نے اس سے انکار کیا ہو۔

۱۳۲ھ میں سلطنت نے دوسرا پہلو بدلا، یعنی بنو اُمیہ کا خاتمہ ہو گیا، اور آلِ عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے، اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابو العباس سفاح تھا، اس نے چار برس کی حکومت کے بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی سفاح کے بعد اس کا بھائی منصور تخت نشین ہوا۔

سفاح و منصور کی سفاکیاں

عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا، یہاں تک کہ خلفائے بنی اُمیہ کی قبریں اکھیڑ کر ان کی ہڈیاں تک جلا دیں، تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی، انتظام کا سکہ نہیں بیٹھا تھا، جا بجا بغاوتیں برپا تھیں، ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا، تمام ملک کی آنکھیں ان نئے جانشینوں پر لگی تھیں، لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیے، چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبد الرحمٰن سے جو اس کا بچپن کا یار تھا، پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہے" اس نے کہا کہ میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں" منصور نے کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے" عبد الرحمٰن نے کہا" بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہے، کثرت بھی اسی کی ہوتی ہے"۔

منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی۔ اس میں شبہ نہیں کہ سادات ایک مدت سے خلافت کا خیال پکا رہے تھے۔ اور ایک لحاظ سے ان کا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک ان کی کوئی سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے

سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی، جو لوگ ان میں ممتاز تھے، ان کے ساتھ زیادہ بے رحمیاں کیں، محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے، ان کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہے۔ جس کے بیان کرنے کو بڑا سخت دل چاہیے آخر تنگ آکر ۱۴۵ھ میں انہی مظلوم سادات میں سے محمد نفس ذکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا۔ اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی۔ بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتیٰ کہ امام مالک نے فتویٰ دے دیا کہ منصور نے جبراً بیعت لی، خلافت نفس ذکیہ کا حق ہے"۔

نفس ذکیہ اور ابراہیم کی بغاوت

نفس ذکیہ اگرچہ نہایت دلیر قوی بازو، فن جنگ سے واقف تھے، لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑ کر میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد ابراہیم ان کے بھائی نے علم خلافت بلند کیا۔ اور اس سر و سامان سے مقابلہ کو اٹھے کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینہ تک کپڑے نہیں بدلے۔ سرہانے سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا" انہی دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں ان سے بات تک نہ کی، ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا "یہ فرصت کے کام ہیں، اس وقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے"۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے۔ ان کے دعوئ خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں، خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی ان کے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے۔ مذہبی گروہ خاص کر علماء و فقہا نے عموماً ان کا ساتھ دیا۔ امام ابو حنیفہ شروع ہی سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے سفاح

ہی کے زمانہ میں ان کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایان نہیں۔ ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے۔ امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے۔ وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہم کو چپ رہنا چاہیے؟ امام صاحب فرماتے کہ "امر بالمعروف بے شبہ فرض ہے۔ مگر اس کے لیے سامان شرط ہے" لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے' ابومسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا۔ اس کے پاس گئے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی۔ اس نے ان کی گستاخی یا فساد پیدا ہونے کے احتمال سے ان کو قتل کرا دیا۔ امام ابوحنیفہ سن کر بہت روئے[1] لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی ان کی تائید کی۔ خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے۔ جس کا ان کو ہمیشہ افسوس رہا۔

امام صاحب نے ابراہیم کی طرفداری کی

نامۂ دانشوراں میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا۔ اس کے یہ الفاظ ہیں اما بعد فانی قد جھزت الیک اربعۃ الاف درھم ولم یکن عندی غیرھا ولولا امانات عندی لبعثت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بھم فافعل کما فعل ابوک فی اھل صفین اقتل مدبرھم واجھز علی جریحھم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اھل الجمل فان القوم لھم فئۃ یعنی میں آپ کے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اس وقت اسی قدر موجود تھے۔ اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا۔ جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپ کے باپ (حضرت علیؓ) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا۔ زخمی اور بھاگ جانے والے نہ قتل کیے جائیں۔ وہ طریقہ اختیار نہ کیجئے گا جو

---

[1] الجواہر المضیۃ ترجمہ ابراہیم بن میمون

آپ کے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے" نامۂ دانشوراں میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے استاذ ابو زہرہ نے بسط و تفصیل سے ضروری حوالوں کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بجز اس کے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے۔ اور ہر طرح پر ان کی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑ کر مارے گئے۔

امام ابو حنیفہ بغداد طلب کیے گئے

اس مہم سے فارغ ہو کر منصور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا، ان میں امام صاحب بھی تھے۔ اس وقت تک منصور کا پایۂ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے، لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، منصور نے ایک دوسرے دارالخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا، ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچ کر امام ابو حنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت میں حاضر ہوں۔ وہ بنو امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے، منصور نے گو پہلے ہی ان کے قتل کا ارادہ کر لیا تھا، تاہم بہانہ ڈھونڈتا تھا، دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حجابت کا عہدہ رکھتا تھا، ان لفظوں سے ان کو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تم نے کس سے علم کی تحصیل کی۔ امام نے استادوں کے نام بتائے جن کا سلسلۂ شاگردی بڑے بڑے صحابہ تک پہنچتا تھا، منصور نے ان کے لیے قضا کا عہدہ تجویز کیا، امام صاحب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس کی قابلیت نہیں رکھتا" منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچا ہے۔ کہ میں عہدۂ قضا کے قابل نہیں۔ کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا"۔

عہدۂ قضا سے انکار

یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا۔ لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ داریاں نہیں اٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں۔ یعنی یہ کہ اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں، میں عربی النسل نہیں ہوں۔ اس لیے اہلِ عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی۔ درباریوں کی تعظیم کرنی پڑے گی اور یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔" پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تم کو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ اس جرات اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا، ربیع نے غصہ میں آکر کہا، ابوحنیفہ! تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "ہاں! کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے۔"

قید

خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دار القضاء میں جا کر بیٹھے، ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں قرضہ کا دعویٰ تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے۔ مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا کہ تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا۔ وہ تیار ہو گیا "واللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا۔ اور آستین سے کچھ روپے نکال کر مدعی کے حوالے کیے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان سے قسم کیوں کھلواتے ہو۔ عدالت سے آکر منصور سے کہہ دیا کہ مجھ سے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا، اس پر حکم ہوا کہ قید خانہ بھیجے جائیں جس سے اس وقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے۔ اس مدت میں منصور اکثر ان کو قید خانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

امام صاحب کی وفات حسرت آیات

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا، لیکن اس حالت میں اس کو ان کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ بغداد دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے اٹھ کر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے۔ امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی، قید کی حالت نے اُن کے اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی۔ ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو گو نظر بند کر رکھا تھا۔ لیکن کوئی امر ان کے ادب اور تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلۂ تعلیم بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ میں ان سے تعلیم پائی۔ ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا۔ وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا۔ جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوا دیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا۔ اور اسی حالت میں قضا کی۔

ان کے مرنے کی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اُمنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا۔ نہلاتے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد، بڑے زاہد تھے، تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں"۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگوں کی یہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا۔ اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر

لاش دفن ہو سکی۔

امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کیے جائیں، کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں مغصوب نہ تھی۔ اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب ان کا مقبرہ تیار ہوا، مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازہ کی نماز پڑھا کیے، قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی۔

وفات پر اکابر کے تاثرات

اس وقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے، جن میں بعض خود امام صاحب کے استاد تھے، سب نے ان کے مرنے کا رنج کیا، اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے ابن جریج مکہ میں تھے، سُن کر کہا انا للہ بہت بڑا عالم جاتا رہا، شعبہ بن الحجاج نے کہا امام ابوحنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے۔ نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہو گیا" اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ ابن المبارک کو بغداد جانے کا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور رو کر کہا۔ "ابوحنیفہ خدا تم پر رحم کرے۔ ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس تم نے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا"[1]

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہِ خلائق رہا۔ اور آج بھی ہے۔ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تھا، ۴۵۹ھ میں ان کی قبر پر ایک قبہ اور اس کے قریب ایک مدرسہ تعمیر کرایا، غالباً بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تھا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا باوا آدم خیال کیا جاتا ہے وہ اسی سنہ میں لیکن اس کے بعد تعمیر ہوا۔ رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے بھی لاجواب تھا، ابوسعید شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تھا، اس کے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی، افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علماء اور عمائد شریک تھے، اتفاق سے اسی وقت ابوجعفر مسعود جو ایک

---

[1] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے

مشہور شاعر تھا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

الم تران العلم کان مبددا　　فجمعہ ھٰذا المغیب فی اللحد

کذالک کانت ھذہ الارض میتۃ　　فانشرھا فضل الحمید ابی سعد

یعنی تم دیکھتے نہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تھا۔ پھر اس شخص نے اس کو ترتیب دیا جو اس لحد میں مدفون ہے۔ اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تھی۔ ابوسعد کی کوشش نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔

یہ مدرسہ جو مشہد ابوحنیفہ کے نام سے مشہور رہے۔ مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علماء اس کے پروفیسر مقرر ہوئے، جن کے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیہ فی الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں اکثر پائے جاتے ہیں ۴۹۳ھ میں حکیم ابن حزلہ نے کہ خلیفہ مقتدر باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تھا۔ اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں[1]۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا۔ شائقین علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تھے۔ ان کو وہاں سے کھانا ملتا تھا، ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جس وقت بغداد میں پہنچا ہے، عباسی حکومت کا اخیر زمانہ تھا۔ وہ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے۔ کہ "اس وقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی زاویہ موجود نہیں ہے۔ جہاں سے مسافروں کو کھانا ملتا ہو"۔ آج بھی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے۔ شاہ ایران سلطان ناصرالدین قاچار خلد اللہ ملکہ نے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ "میں نے امام ابوحنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور نذر چڑھائی"۔ علم کی شان دیکھو جس کی بدولت کوفہ کے ایک بزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اس کے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جھکتے ہیں۔

---

[1] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن عیسیٰ بن حزلۃ الطبیب

امام صاحب کی اَولادِ امجاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے۔ کہ وفات کے وقت حماد کے سوا ان کے کوئی اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبہ کے فاضل تھے بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی، چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کئے، بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی، علم و فضل کے ساتھ بے نیازی و پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے۔ امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکھا تھا۔ انہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا۔ کہ جن کی امانتیں ہیں۔ ان کو پہنچا دی جائیں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ابھی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہے گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ ان کی جانچ پڑتال کرلیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے، غرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے، اور اس وقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دے دی گئیں، تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی، نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا۔ ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں قضا کی، چار بیٹے چھوڑے، عمر، اسمٰعیل، ابوحیان، عثمان

ابن خلکان کی روایت ہے:

خود امام صاحب بھی اپنے فرزند دلبند کے علم و فضل کے قائل تھے، ایک مرتبہ جب حکومت نے انہیں فتویٰ دینے سے منع کر دیا تھا۔ ان کی صاحبزادی نے ان

سے ایک مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے جواب دیا۔

"بیٹی مجھے فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے حماد سے پوچھ لو!

بیٹی نے کہا،

"ابا جان یہاں حکومت کا کون کارندہ بیٹھا ہوا ہے، بتا دیجئے؛

آپ نے فرمایا۔

"کیا خدا بھی نہیں دیکھ رہا ہے؟" وہ چپ ہو گئیں۔

اسمعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی، چنانچہ مامون الرشید نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا۔ جس کو انہوں نے اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشایعت کو نکلا، اور سب لوگ ان کی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔ مساور نے ان کی مدح میں کہا ہے۔

اذا ما الناس یوما قایسونا	بابدۃ من الفیتا طریقۃ
ایتناھم بمقیاس صحیح	تلا دمن طراز ابی حنیفہ
اذا سمع الفقیۃ بھلوعلھا	وابنتھا بحیر فی صحیفہ[۵۲]

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہ ہوگی، لیکن ان کی جسمانی اولاد بھی جا بجا موجود ہے۔ خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں۔ جن کا سلسلۂ نسب امام تک پہنچتا ہے۔ اور خدا کے فضل سے علم کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل ان کی میراث میں چلا آتا ہے۔

امام صاحب کے اخلاقِ حمیدہ، اوصافِ شریفہ، عاداتِ سعیدہ

ہمارے تذکرہ نویسوں نے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے۔ اس میں غوشِ اعتقادی اور مبالغہ کا اس قدر رنگ بھرا ہے۔ کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی۔ چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، تیس برس تک متصل روزے رکھے، جہاں وفات پائی، اس جگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا۔ نہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا۔ تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا۔ اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں۔ ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی، اسی طرح ایک شبہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ان کا ذاتی حرف دس آنہ ماہوار تھا۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے ان کی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین ان ہی دور از کار قصوں کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں، نہ اُن سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے۔

یہ سچ ہے۔ کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ جن میں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے۔ اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدل جاتی ہے۔ معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں۔ لیکن اس قسم کے واقعات کے لئے ایسی سند درکار ہے۔ جس میں ذرا بھی شبہ کی گنجائش نہ ہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کے لئے جو قیدیں ضروری ہیں۔ ان سے بھی کچھ بڑھ کر، ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو امام صاحب کی دانشمندی دقیقہ سنجی نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے۔ جن کا ثبوت

سمجھی نہیں عیانی موجود ہے، تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے، جو رہبانیت اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں۔

امام صاحب کے اوصاف ابو یوسف کی زبان سے

امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح مگر اجمالی تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو انہوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی، ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابو حنیفہ کے اوصاف بیان کیجئے، انہوں نے کہا جہاں تک میں جانتا ہوں، ابو حنیفہ کے اخلاق وعادات یہ تھے کہ نہایت پرہیز گار تھے، منہیات سے بچتے تھے۔ اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے، کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے، نہایت سخی اور فیاض تھے، کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے، اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیاوی جاہ وعزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے، بہت بڑے عالم تھے، اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے۔" ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا: "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں"۔ عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں، لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جس قدر سادہ اور آسان ہے، دراصل اسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا، میانہ قد، خوشرو اور موزوں اندام تھے۔ گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی، کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو، نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے۔

لباس

مزاج میں تکلف تھا، اور اکثر خوش لباس رہتے تھے۔ کبھی کبھی سنجاب

اور قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی ان کے شاگرد کا بیان ہے۔ کہ میں نے ایک دن ان کو نہایت قیمتی چادر اوڑھے دیکھا، جن کی قیمت کم از کم چار سو ہوگی۔"

ایک دن نصر بن محمد ان سے ملنے گئے، امام صاحب کہیں باہر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ان سے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دے دو۔ واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لے کر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ انہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے۔ نصر کہتے ہیں میں نے وہ چار پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجھ کو اس پر ناز تھا اس لیے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا، لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے ان کو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا۔

خلیفہ منصور نے درباریوں کے لئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں۔ جو مزکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور ان پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا، چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں، ابو دلامہ شاعر نے ظرافتہً کہا۔

وکنا نرجی من امام زیادۃ　　فزاد الامام المرتضیٰ فی القلانس

درباری ٹوپی

یعنی ہم کو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا۔ امام صاحب اگرچہ دربار سے متعلق نہ تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہلِ دربار اور امرا کے ساتھ مخصوص تھی۔ کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیادار دولت مندوں کے لیے تو ایک معمولی بات ہے۔ لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں۔

اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں علماء سے بالکل جدا تھا ان کے ہمعصر عموماً شاہی درباریا وزراء اور امراء کے وظیفہ خوار تھے، اور اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے۔ قاضی ابن عبد البر پر کسی نے اعتراض کیا تھا۔ کہ آپ امراء کے وظیفہ خوار

ہیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امراء کے روزینے اور انعامات سے زندگی بسر کرتے تھے۔

وظیفہ خوری سے اجتناب

اگرچہ ہم اس کو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی اور مفت خوری کا اثر نہیں سمجھتے، کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تھا۔ اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع اور مفید تھا کہ آج تک اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا، امراء کے ہاں سے ان لوگوں کے لئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور پر مل جاتا تھا۔ اُس کو اُن آنریری پروفیسری کی تنخواہ سمجھ لینا چاہیے۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہی مثالوں سے پیرزادگی اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہو گئی۔ جس نے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابوحنیفہ اس اصول کے سرے سے مخالف تھے۔ اور اس لحاظ سے ان کی مخالفت بجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تھا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چھپا ہوا جادو ہے کہ اس کے اثر سے بچنا ناممکن نہیں۔ تو قریباً ناممکن ہے۔ امام صاحب تمام عمر کسی کے احسان مند نہ ہوئے۔ اور اس وجہ سے ان کی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی۔ اکثر موقعوں پر وہ اس بات کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے۔

آزادی اور بے نیازی

ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تھا ان سے بہ لجاجت کہا کہ آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھ پر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے مل کر کیا کروں گا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں عتاب کرو گے تو میری ذلت ہے۔ تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھے اس کی حاجت نہیں، میرے پاس جو دولت ہے اس کو کوئی شخص چھین نہیں سکتا"۔ عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گذرا۔

بلاغرض حق گوئی

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہوگئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی۔ کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو اس نے امام صاحب کا نام لیا۔ اسی وقت طلبی کا فرمان گیا۔ خاتون پردہ کے قریب بیٹھی تھی کہ اپنے سامنے ساری کارروائی دیکھ لے اور امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے۔ منصور نے پوچھا، شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے۔ امام صاحب نے کہا، چار، منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو۔ پردہ سے آواز آئی، ہاں سنا" امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کر کے کہا۔ مگر یہ اجازت اس شخص کے لئے خاص ہے۔ جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں، خدا فرماتا ہے:۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ منصور چپ ہو گیا، امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لیے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے، اور کہا ہے کہ آپ کی کنیز آپ کو سلام کہتی ہے۔ اور آپ کی حق گوئی کی نہایت مشکور ہے"۔ امام صاحب نے روپے پھیر دیے اور خادم سے فرمایا جا کر خاتون سے کہنا کہ میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں بلکہ میرا فرض منصبی تھا۔

تجارت و دیانت

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی، لاکھوں کا لین دین تھا۔ اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے، بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تھا۔ ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی ان کے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تھا۔ اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ مگر ان کو کچھ پروا نہیں تھی۔ ایک دفعہ حفص بن عبدالرحمٰن کے پاس خز کے تھان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ فلاں فلاں تھان میں عیب ہے۔ خریدار کو جتا دینا۔ حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا، تھان بیچ ڈالے اور

خریداروں کو اس عیب سے اطلاع نہ دی، امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تھانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تھی، سب خیرات کر دی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تھان لے کر آئی کہ فروخت کرا دیجئے، امام صاحب نے دام پوچھے اس نے سو روپیہ بتائے، فرمایا کم ہیں، اس نے کہا تو دو سو روپے فرمایا تھان پانچ سو سے کم قیمت کا نہیں اس نے متعجب ہو کر کہا کہ آپ شاید ہنسی کرتے ہیں امام صاحب نے پانچسو روپے اپنے پاس سے دے دیے اور تھان رکھ لیا۔ اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانے کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بھی چمکا دیا تھا۔

فیاضی تجارت اور اکتساب دولت سے ان کا مقصد زیادہ تر عوام کو فائدہ پہنچانا تھا جتنے احباب اور ملنے والے تھے، سب کے روزینے مقرر کر رکھے تھے، شیوخ اور محدثین کے لیے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تھا اس سے جو نفع ہوتا تھا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تھا[1]۔ عام معمول تھا کہ گھر والوں کے لیے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے، اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اس کا حال پوچھتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے۔

شاگردوں کے ساتھ سلوک شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی ضروریاتِ خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے، بہت سے لوگ جن کو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں ملتا تھا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے انہی میں قاضی ابو یوسف صاحب بھی ہیں۔

بذل وعطا ایک دفعہ لوگ ملنے آئے، ان میں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تھا۔ لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب

---

[1] علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں ان واقعات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

نے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ، جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو اٹھانا اس نے دیکھا کہ ہزار درہم کی تھیلی تھی، عرض کی کہ میں دولت مند ہوں مجھ کو اس کی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہ نہ ہو۔

دریا دلی

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جارہے تھے۔ راہ میں ایک شخص ملا، جو ان کا مقروض تھا۔ اُس نے دور سے ان کو دیکھ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا، انہوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو۔ وہ کھڑا ہو گیا، قریب پہنچے تو پوچھا کہ مجھ کو دیکھ کر تم نے راستہ کیوں کاٹا۔ اس نے کہا آپ کے دس ہزار درہم مجھ پر آتے ہیں جو مجھ سے اب تک ادا نہ ہو سکے، اس شرم سے آنکھ برابر نہیں ہوتی۔" امام صاحب اس کی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا، جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔

قرض ادا کر دیا

ایک بار سفر حج میں عبداللہ سہمی کا ساتھ ہوا۔ کسی منزل میں ایک بدوی نے اُن کو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اس پر میرے روپے آتے ہیں۔ اور یہ ادا نہیں کرتا، امام صاحب نے عبداللہ سے اس کی حقیقت پوچھی، انہوں نے سرے سے انکار کیا امام صاحب نے بدوی سے پوچھا آخر کتنے درہموں پر جھگڑا ہے۔ اس نے کہا چالیس درہم! متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانے سے حمیت اُٹھ گئی، اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتے، پھر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔

سخاوت و عالی ظرفی

ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تھے اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ ان کے ایک دوست نے چندہ کر کے ان کا قرض ادا کرنا چاہا، لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی، امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کل کس قدر قرضہ ہے، انہوں نے کہا چار ہزار فرمایا اتنی سی رقم کے لیے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ یہ کہہ کر پورے چار ہزار درہم خود دے دیئے، تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات ان کی نسبت منقول ہیں۔ ہم

نے اختصار کے کام سے قلم انداز کر دیئے ہیں۔

حلم و عفو

اس دولت مندی اور عظمت و شان کے ساتھ نہایت متواضع، حلیم اور خلیق تھے، ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے، شاگردوں اور ارادت مندوں کا حلقہ تھا، ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے جواب مناسب دیا، اُس نے کہا، "مگر حسن بصری نے اس کے خلاف بتایا ہے" امام صاحب نے فرمایا حسن نے غلطی کی" حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا، طیش میں آگیا، اور جھلا کر کہا، او ابن الفاحشۃ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے"۔ اس گستاخی اور بے ہودہ گوئی نے تمام مجلس کو برہم کر دیا اور لوگوں نے چاہا کہ اس کو پکڑ کر سزا دیں، امام صاحب نے روکا، ان کے لحاظ سے لوگ مجبور ہو گئے۔ مگر مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اس شخص کو مخاطب کیا اور فرمایا کہ وہاں حسن نے غلطی کی، عبداللہ بن مسعودؓ نے اس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے"۔

گستاخی کا جواب تحمل

یزید بن کمیت کا بیان ہے، کہ ایک دفعہ میں امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک شخص نے ان سے گستاخانہ گفتگو شروع کی، امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے امام کو زندیق کہہ دیا، اس پر فرمایا کہ "خدا تم کو بخشے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ میری نسبت تم نے جو لفظ کہا صحیح نہیں ہے"۔ امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا، کسی سے فریب اور بد عہدی نہیں کی"۔

امام سفیان ثوری اور امام صاحب میں کچھ شکر رنجی تھی۔ ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان آپ کو بُرا کہہ رہے تھے۔ امام نے فرمایا کہ خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے سچ یہ ہے۔ کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اُٹھ

جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا۔

ناسزا الفاظ کا جواب

ایک دن مسجد میں درس دے رہے تھے۔ ایک شخص نے جس کو ان سے کچھ عداوت تھی، مجلس میں ان کی نسبت ناسزا الفاظ کہے۔ انہوں نے کچھ التفات نہ کی اور اسی طرح درس میں مشغول رہے شاگردوں کو بھی منع کر دیا کہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوں، درس سے اٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا، امام صاحب اپنے گھر پہنچے تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھ باقی رہ گیا ہو تو اُٹھا نہ رکھو کہ اب میں اندر جاتا ہوں اور تم کو موقع نہ ملے گا۔

ایک دن حلقہ درس قائم تھا۔ ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے جواب دیا اُس نے کہا ابو حنیفہ تم نے جواب میں غلطی کی، ابو الخطاب جو جانی بھی حلقہ میں شریک تھے ان کو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ بڑے بے حمیت ہو، امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے۔ تم کو ذرا جوش نہیں آتا، امام صاحب نے ابو الخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں، میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں"۔

ہمدردی اور ہمسائیگی کا لحاظ

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا۔ جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اس کا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جا کر گوشت اور شراب مول لاتا، کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے، خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا ؎

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریھۃ وسداد ثغر وثغرۃ = شگاف

یعنی لوگوں نے مجھ کو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھو دیا جو لڑائی رخنہ بندی کے دن کام آتا۔" امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو سوتے کم تھے۔ اس کی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نہ کرتے، ایک رات کوتوال شہر ادھر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کر کے قید خانہ میں بھیج دیا۔ صبح کو امام نے دوستوں سے تذکرہ کیا کہ رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی، لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا، اسی وقت سواری طلب کی، دربار کے کپڑے پہنے ہوئے دار الامارۃ کا قصد کیا، یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا۔ اور عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادر زادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر، دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا، کوفہ کا گورنر تھا۔ لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ سے ملنے کو آتے ہیں۔ اس نے درباریوں کو استقبال کے لیے بھیجا اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں، سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لا کر بٹھایا۔ پھر عرض کی کہ آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا۔" امام صاحب نے فرمایا۔ ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا ہے کوتوال نے اس کو گرفتار کر لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کر دیا جائے عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کر دیا گیا۔ امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہو کر چلے تو موچی بھی ہمرکاب ہوا۔ امام اس کی طرف مخاطب ہوئے کہ کیوں ہم نے تم کو ضائع نہیں کیا۔" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا، جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا اس نے عرض کی:" نہیں آپ نے ہمسائگی کا حق ادا کیا۔[1] اس کے بعد اس نے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقۂ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

---

[1] یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقے سے مذکور ہے میں نے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے۔

امام صاحب کے والد نے امام کے سنِ رشد سے پہلے

والدہ کی خدمت قضا کی، لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں۔ اور امام کو اُن کی خدمت گذاری کا کافی موقع ہاتھ آیا، وہ مزاج کی شکی تھیں، اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے، واعظوں اور قصہ گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں، کوفہ میں عمرو بن زرقہ ایک مشہور واعظ تھے، ان کے ساتھ خاص عقیدت تھی، کوئی مسئلہ پیش آتا تو امام صاحب کو حکم دیتیں کہ عمرو بن زرقہ سے پوچھ آؤ، امام تعمیل ارشاد کے لیے ان کے پاس جاکر مسئلہ پوچھتے، وہ عذر کرتے کہ آپ کے سامنے میں کیا زبان کھول سکتا ہوں، فرماتے کہ والدہ کا یہی حکم ہے"۔ اکثر ایسا ہوتا کہ عمرو کو مسئلہ کا جواب نہ آتا تو امام صاحب سے درخواست کرتے، کہ آپ مجھ کو بتا دیں میں اسی کو آپ کے سامنے دہرا دوں گا"۔

کبھی کبھی اصرار کرتیں کہ میں خود چل کر پوچھوں گی، خچر پر سوار ہوتیں امام صاحب پاپیادہ ساتھ ہوتے، خود مسئلہ کی صورت بیان کرتیں اور اپنے کانوں سے جواب سن لیتیں، تب تسکین ہوتی، ایک دفعہ امام صاحب سے پوچھا کہ یہ صورت پیش آئی ہے، مجھ کو کیا کرنا چاہیئے، امام صاحب نے جواب بتایا۔ بولیں تمہاری سند نہیں، زرقہ واعظ تصدیق کریں تو مجھ کو اعتبار آئے، امام صاحب ان کو لے کر زرقہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی، زرقہ نے کہا آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں بتا دیتے، امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تھا زرقہ نے کہا کہ بالکل صحیح ہے۔ یہ سن کر ان کو تسکین ہوئی اور گھر واپس آئیں۔ ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بلا کر میر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر دُرے لگوائے، اس وقت امام صاحب کی والدہ زندہ تھیں، ان کو نہایت صدمہ ہوا، امام صاحب فرمایا کرتے تھے۔ کہ مجھ کو اپنی تکلیف کا چنداں خیال نہ تھا، البتہ یہ رنج ہوتا تھا۔ کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔

رقت طبع امام صاحب نہایت رقیق القلب تھے۔ اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بے تاب ہو جاتے۔

استقلال ایک دفعہ مسجد میں بیٹھے تھے، کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے پر سے گر پڑا۔ دفعتہً اس زور سے چیخ اٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اس شخص کے گھر پر جا کر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جب تک وہ اچھا نہ ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے۔ اور ضبط و استقلال گویا مایۂ خمیر تھا۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے، مستفیدوں اور ارادت مندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ گرا، امام کی گود میں آیا، تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے، امام مالک کو بھی ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا اور وہ ان کی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے۔ درس میں بھی معمول تھا کہ شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے، آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قولِ فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تشفی ہو جاتی۔

حفظ لسان غیبت سے پرہیز رکھتے۔ اس نعمت کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا ایک شخص نے کہا حضرت لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے۔ مگر آپ سے میں نے کسی کی برائی نہیں سنی فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ امام سفیان ثوری نے کسی سے کہا ابو حنیفہ کو میں

نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سُنا۔ انہوں نے کہا کہ ابو حنیفہ ایسے بے وقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو خود برباد کر ڈالیں۔

قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہوں گا۔ تو ایک درہم کفارہ دوں گا۔ اتفاق سے بھول کر کسی موقع پر قسم کھا لی۔ اس کے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دوں گا۔

ذکر و عبادت

نہایت مرتاض اور زاہد تھے، ذکر و عبادت میں ان کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے۔ اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد تک پہنچ گئے ہیں"۔ اکثر نماز میں یا قرآن پڑھنے کے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ نمازِ فجر میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے یہ آیت پڑھی ولا تحسبنّ اللّٰہ غافلاً عمّا یعمل الظالمون۔ یعنی خدا کو ظالموں کے کردار سے بے خبر نہ سمجھنا، امام ابو حنیفہ پر ایسی رحالت طاری ہوئی۔ کہ سارا بدن کانپنے لگا، زائدہ کہتے ہیں کہ مجھ کو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا امام ابو حنیفہ کے ساتھ نماز عشاء میں شریک ہوا۔ اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں۔ وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیات پر پہنچے، وَوَقَنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ بار بار۔ اس آیت کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ یہی آیات پڑھتے رہے، ایک بار نماز میں آیت پڑھی بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ۔ یعنی قیامت گناہگاروں کا وعدہ گاہ اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے"۔ اسی آیت میں رات ختم ہو گئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے۔

یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے معصر تھے ان کا بیان ہے

کہ میں ایک دفعہ نماز عشا میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے اِذَا زُلْزِلَت پڑھی، لوگ نماز پڑھ کر چلے گئے، میں ٹھہرا رہا۔ امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں، یہ دیکھ کر میں اٹھ آیا کہ ان کے اوقات میں خلل نہ ہو۔ صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں، ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں کہ اسے وہ جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دے گا۔ نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا۔"

ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا چیخ اٹھا اور کہا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا، مسعر بن کدام ساتھ تھے۔ انہوں نے سنبھالا، ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بے قرار ہو جانا کیا تھا۔ فرمایا "کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو۔"

رقت قلب

ایک دفعہ حسب معمول دکان پر گئے، نوکر نے کپڑوں کے تھان نکال کر رکھے اور تفاؤل کے طور پر کہا۔ خدا ہم کو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہو گئے، نوکر سے کہا کہ دوکان بند کر دو۔ آپ چہرے پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے، دوسرے دن دوکان پر گئے تو نوکر سے کہا کہ بھائی! ہم اس قابل کہاں ہیں کہ جنت کی آرزو کریں یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہ ہوں، حضرت عمر فاروق رضؓ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ قیامت کے دن اگر مجھ سے نہ مواخذہ ہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں۔"

غیبی تنبیہہ

ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے، ایک شخص نے کہا کہ ابو حنیفہ خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو۔ امام صاحب پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی، اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا بھائی خدا تم کو جزائے خیر دے اگر مجھ کو یہ یقین نہ ہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کرے گا۔ کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا

تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا۔" کوئی مسئلہ مشکل ہوتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کرکے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے۔ فضیل بن عیاض کہ مشہور صوفی گزرے ہیں۔ ان سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا "ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے۔ اس لئے ان کو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں۔ ان پر ہزار آفتیں آتی ہیں۔ اور مطلق خبر نہیں ہوتی۔ کہ یہ غیبی تنبیہ ہے۔"

عام معمولاتِ یومیہ

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دُور دُور سے استفتے آئے ہوئے ہوتے۔ ان کے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا۔ جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلم بند کر لئے جاتے، نماز ظہر پڑھ کر گھر آتے، گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سوتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا، باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے، بیماروں کی عیادت، ماتم پرسی اور غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا، مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سو سکتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اٹھ کر نماز عشا پڑھتے۔ پھر تمام رات تہجد اور درود و وظائف میں گذرتی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

دیانت

ایک دن گھر میں بیٹھے تھے، ان کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں، دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ گلے سے اتر گیا۔ روزہ جاتا رہا یا باقی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ "جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھ، میں تو فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہوں۔" مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اطاعتِ حکم اور امانت کی اس سے بڑھ کر کیا مثال ہو سکتی ہے۔ چند روز کے بعد گورنر

کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابوحنیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑا جس کی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتوے دینے کی عام اجازت حاصل ہو گئی۔

استفتا ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری، قاضی ابن ابی لیلیٰ، شریک امام ابوحنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے، شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ "چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے۔ دفعتہً ایک سانپ نکلا۔ اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا۔ اس نے گھبرا کر پھینک دیا۔ وہ دوسرے شخص پر جا گرا۔ اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یونہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مر گیا، دیت کس پر لازم آئے گی"۔ یہ فقہ کا ایک دقیق مسئلہ تھا۔ سب کو تامل ہوا، کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ذمہ دار ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ امام ابوحنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے ان کی طرف خطاب کیا۔ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا، جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا۔ تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا، اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی، بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے۔ اس کی دو حالتیں ہیں۔ اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی۔ اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا۔ اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو خود اس کی غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی"۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام صاحب کی جودت طبع کی تحسین کی۔

دین اور دنیا یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب اور اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بے خبر نہ تھے، وہ ہمیشہ شاگردوں کو ایسی ہدایتیں کرتے تھے، جن کی پابندی سے دنیا و دین دونوں

حاصل ہوں، جو اس آیت کی تفسیر ہے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ۔ قاضی ابو یوسف کو امام صاحب کی زندگی میں اگرچہ دربار سے کوئی تعلق پیدا نہیں ہوا تھا، تاہم ان کی قابلیت اور امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی، اس کے جوہر صاف نظر آتے تھے۔ اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو کچھ ہدایتیں لکھ کر دیں جو تمام مہمات دینی اور دنیاوی کے لئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے۔ افسوس ہے۔ کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اس کو بتمامہا نہیں نقل کر سکتے۔ تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اس کا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

قاضی ابو یوسف کے لئے ہدایت نامہ

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت سے تعلقات کا ذکر کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ بادشاہ کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا۔ اس سے ہر وقت اس طرح پُر خطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے۔ جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تم کو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا، کیونکہ جب ان کا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے۔ کہ مخاطبت اور گفتگو میں ان سے جو برتاؤ کیا جائے۔ ان کی شان کے مناسب نہ ہو۔ وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اس کا لحاظ نہیں کیا۔ تو بے تمیزی سمجھی جائے گی اگر معمولی آدمی ہیں۔ اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہو گی۔ بادشاہ اگر تم کو عہدہ قضا پر مقرر کرنا چاہے۔ تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقۂ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں؟ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدہ اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو، اس کو ہرگز قبول نہ کرنا۔"[1]

---

[1] اشباہ والنظائر کے اخیر میں یہ وصیت بتمامہا مذکور ہے اور میں نے اسی سے اخذ کیا۔

ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تاکید کی لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے۔ چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص شریعت میں بدعت کا موجد ہو۔ تو علانیہ اس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے۔ کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے۔ خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ گو میں عہدۂ قضا کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہوں۔ تاہم آپ کی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے۔ اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اس کے شر سے تم کو محفوظ رکھے"۔

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا۔ اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا۔ کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا۔ لیکن اس وقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اٹھا سکو گے ایسی عورت سے شادی نہ کرنا۔ جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو۔ عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا۔ ورنہ ان کو گمان ہوگا کہ تم ان سے کچھ توقع رکھتے ہو۔ اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہوں گے۔ بازار میں جانا۔ دکان پر بیٹھنا۔ راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھا لینا، سقایات یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا ان باتوں سے نہایت احتراز رہے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ۔ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے تمہاری اولاد میں عام اور معمولی رتبہ کے لوگ مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو۔ کسی شہر میں جانا ہو تو

وہاں کے علماء وفضلا سے اس طرح ملو کہ ان کو رقابت کا خیال نہ ہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھ کر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو۔ مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل میں ذرہ بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ رہ سکیں گے اور زبان میں لغزش ہوگی۔ جو لوگ آداب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیئے مناظرہ کے وقت غصہ نہ کرنا چاہیئے ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو۔ اطمینان اور وقار سے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو۔ کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کے لیے مخصوص ہے۔ راستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو۔ حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی نسبت زیادہ اجرت دو۔ صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ۔ گفتگو میں سختی نہ ہو۔ آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیج کر منگوالو۔ خانگی کاروبار دیانتدار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے کہ تم کو اپنے مشاغل کے لیے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت اختیار نہ کرو۔ ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو اور فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھ کر وعظ نہ کہو کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اس کی درسگاہ میں شریک ہو کہ اس کے متعلق رائے قائم کر سکو۔ وہ اگر کبھی غلطی کر جائے تو بتا دو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اس نے جو کہا صحیح کہا فقہ کے سوا اور علوم کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ، بلکہ اپنے معتمد دوستوں یا شاگردوں کو بھیج دو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کریں۔

ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو۔ جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار

ہو جاؤ، ہر مہینے میں دو چار دن روزہ کے لئے مقرر کر لو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے، دنیا پر بہت مائل نہ ہو، اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو، لہو و لعب سے پرہیز رکھو، ہمسایہ کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔ اہل بدعت سے بچتے رہو، نماز میں جب تک تم کو لوگ خود امام نہ بنائیں، امام نہ بنو، جو تم سے ملنے آئیں ان کے سامنے علمی تذکرہ کرو، اگر وہ اہل علم ہوں گے، تو فائدہ اٹھائیں گے، ورنہ کم از کم ان کو تم سے محبت ہو گی۔"

عبدالعزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا، وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لیے ان کے پاس آئے، اور کہا خلیفہ نے طلب کیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے وعظ کہوں مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں؟ اس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔" امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ "اے امیر المومنین! دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں، عزت، ملک، مال، یہ سب آپ کو حاصل ہیں، اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے، کہ دنیا و آخرت دونوں کی دولتیں حاصل ہوں۔

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ "جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے باز نہ رکھا اس سے زیادہ زیاں کار کون ہو گا۔" جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہو گی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا۔" اگر علماء خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں۔" جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے۔" جو شخص دنیا کے لئے علم سیکھتا ہے، علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا۔" سب سے بڑی عبادت ایمان اور سب سے بڑا گناہ کفر ہے، پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز رہے اس کی مغفرت کی بہر حال امید کی جا سکتی ہے۔ جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا، وہ ایک عطار ہے جس کے پاس

دوائیں ہیں۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لئے ہے۔ جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا۔ اس کے آگے علمی گفتگو کرنی اس کو اذیت دینی ہے، اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کے لئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"۔

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: "دلجمعی" اس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو، ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں"۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں؟ جواب دیا کہ انسان ضروری چیزیں لے لے۔ اور غیر ضروری چھوڑ دے"۔

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا کہ قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی۔ مجھ کو ان کا ڈر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا۔ اس لئے اس پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں"۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے خود ان کا قول ہے کہ حضرت علیؓ کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے، البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر نکتوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا علم میں سعی و سفارش کا کام نہیں، علماء کا خود فرض ہے کہ ان کو جو کچھ آتا ہو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص و عام کی کوئی تفریق نہیں"۔

ایک دفعہ گورنر کوفہ نے کہا، آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا اس عافیت سے مل جائے تو اس عیش سے بہتر ہے جس کے

بعد ندامت اٹھانی پڑے"۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے، وہ کہتا ہے۔ ؎

دو قرص نان اگر از گندم است یا از جو
سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا از نو
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع
کہ کس نگوید ازیں جا نجیز و آں جا رو
ہزار بار فزوں تر بہ نزدِ ابنِ یمیں
ز فرِّ مملکت کیقباد و کیخسرو

امام صاحب کے بعض اشعار

امام صاحب کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

وعن المروۃ للفتیٰ ماعاش دار فاخرۃ
فاشکر اذا اوتیتھا واعمل لدار الآخرۃ

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اس کو ایک اچھا مکان چاہئے، ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہئے اور عاقبت کے مکان کیلئے کوشش کرنی چاہئے۔

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے یہاں تک کہ ان کا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے۔ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گذرے ہیں، امام ابو حنیفہ ان میں شمار کیے جاتے ہیں۔ مشکل سے مشکل مسئلوں میں ان کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا۔ کہ لوگ حیران رہ جاتے تھے۔ اکثر موقعوں پر ان کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے ان کے ہمسر تھے، موجود ہوتے تھے ان کو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا، لیکن جو واقعہ درپیش ہوتا تھا۔ اس سے مطابق کرکے فوراً جواب بتا دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی، میں تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔" عورت تند مزاج تھی، اس نے بھی قسم کھا لی اور وہی الفاظ دہرائے جو شوہر نے کہے تھے، اس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورتِ واقعہ بیان کی، سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہیں۔" وہ مایوس ہو کر اٹھا اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ للہ آپ کوئی تدبیر بتائیے، امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو، کسی پر کفارہ نہیں ہے۔ امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے اور امام ابو حنیفہ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتایا کرتے ہیں، امام صاحب نے اس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ واقعہ کی صورت بیان کر جاؤ اس نے اعادہ کیا، امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا میں نے جو پہلے کہا تھا، اب بھی کہتا ہوں، سفیان نے کہا کیوں۔ فرمایا جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی، پھر قسم کہاں باقی رہی[1] سفیان نے کہا، حقیقت میں آپ کو جو بات وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

ایک معرکہ آرا فیصلہ

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ ہی اپنی دو بیٹیوں کی شادی کی، ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا، مسعر بن کدام، حسن بن صالح، سفیان ثوری امام ابو حنیفہ شریک دعوت تھے، لوگ بیٹھے کھا رہے تھے، کہ دفعتہً صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا اور کہا غضب ہو گیا، لوگوں نے کہا خیر ہے۔ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں، جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اس کا شوہر نہ تھا، اب کیا کیا جائے۔" سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق

ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا، البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا، مسعر بن کدام، امام ابوحنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے، امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں۔ تو جواب دوں۔ لوگ جاکر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے۔ دونوں نے کہا "ہاں" امام صاحب نے کہا کہ تم اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دے دو اور ہر شخص اس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اس کے ساتھ ہم بستر رہ چکی۔ سفیان نے جو جواب دیا، اگرچہ فقہ کی رو سے یہ بھی صحیح تھا کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہہ کی ہے، جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا، وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے بھی تسلیم کر لیا تو دونوں میں وہ خلوص و اتحاد پیدا نہ ہوگا جو تزویج کا مقصود اصلی ہے، اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے۔ کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دی جائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

ایک دلچسپ فتویٰ

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابوحنیفہ کا ذکر اکثر سنا کرتا تھا۔ اور ان کے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا، حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا، اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا، دیکھا تو بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھ کر کہا "یا ابوحنیفہ" یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے ان کو پہچانا، امام ابوحنیفہ اس طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے، اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ لونڈی خرید تا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے۔ فرمائیے کیا تدبیر کروں"۔ امام ابوحنیفہ نے برجستہ کہا تم اس کو ساتھ

لے کر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اس کا نکاح پڑھا دو اب اگر وہ آزاد کر دے گا تو نہیں کر سکتا، کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں، طلاق دے گا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں، تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی"۔ سعد کہتے ہیں کہ مجھ کو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔

خلیفہ منصور اور امام صاحب

ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا امام ابوحنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا۔ منصور سے کہا کہ حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبداللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے، ان کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور وہ ایک روز کے بعد انشاءاللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جائے گا۔ اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا، ابوحنیفہ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاءاللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائے گا، ورنہ لغو اور بے اثر ہے"۔ امام صاحب نے کہا! "امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپ کی بیعت کا کچھ اثر نہیں"! منصور نے کہا یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا ان کا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کیا کرتے ہیں۔ اور قسم کھاتے ہیں گھر جا کر انشاءاللہ کہہ لیا کرتے ہیں، جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے۔ اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا، منصور ہنس پڑا اور ربیع سے کہا کہ تم ابوحنیفہ کو نہ چھیڑو ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا۔ امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا، آج تو آپ میری ہی جان لے چکے تھے۔ فرمایا "یہ تمہارا ارادہ تھا، میں نے صرف مدافعت کی"۔

امام صاحب اور خارجی

ایک دفعہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں"۔ خارجیوں کا اعتقاد ہے، کہ گناہ

کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو۔ میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ کسی نے ان خارجیوں سے لگایا کہ ابو حنیفہ نے تم لوگوں کو دھوکا دیا اُن کا مطلب اور تھا خارجیوں نے امام صاحب کو پکڑا کہ تم نے تاویل کیوں کی۔ امام صاحب نے کہا تم کو یقین ہے۔ یا محض گمان کی بنا پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو بولے کہ نہیں گمان ہی گمان ہے۔" امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ خدا فرماتا ہے: ان بعض الظن اثم"

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے، شاگردوں کا مجمع تھا، دفعتہً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا۔ امام صاحب کے پاس آیا۔

خدا نے فرمایا کہ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ یعنی" مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ مانگے تو اُسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے۔ پھر اُس کو اس کے مامن تک پہنچا دو" خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اس نیت سے آئے تھے کہ امام ابو حنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر ان کو قتل کر دیں، لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے ان کو بالکل مجبور کر دیا۔ چنانچہ ان کے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ" ان کو قرآن پڑھ کر سناؤ اور ان کو ان کے گھر پہنچا دو"

ایک اور واقعہ

ابو العباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا۔ امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ ان کو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا۔ ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے، اتفاق سے ابو العباس بھی حاضر تھا۔ ایک دن کہا آج ابو حنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے۔

امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ" ابو حنیفہ امیر المومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ" اس شخص کی گردن مار دو۔ ہم کو مطلق معلوم نہیں ہوتا۔ کہ وہ

شخص واقعی مجرم ہے۔ یا نہیں۔ ایسی حالت میں ہم کو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے" امام صاحب نے کہا" تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل"۔ منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کر سکتا، ابوالعباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا؟

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے۔ تھوڑی دیر میں کہا کہ آج میں بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو اس کو طلاق ہے لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ نماز عصر پڑھ کر بیوی سے ہم صحبت ہو اور غروب کے بعد غسل کر کے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہوگئیں، بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی، غسل جنابت کیا تو اس وقت کہ دن گذر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے روپے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے، اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجھ کو سخت ضرورت درپیش ہے۔ کوئی تدبیر بتایئے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ بھائی یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں مجھ سے کیا پوچھنے آئے ہو۔ اس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ" آج ساری رات نماز پڑھو"۔ اس نے جاکر نماز پڑھنی شروع کی، اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس کو یاد آیا کہ روپے فلاں جگہ رکھے تھے۔ دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپ کی تدبیر راست آئی۔ فرمایا کہ" ہاں شیطان کب گوارا کرتا ہے کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو۔ اس لئے اس نے جلد یاد دلا دیا تاہم تم کو مناسب تھا کہ اس کے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے۔

امام صاحب کی رحمدلی

ایک دن اور ایک شخص نے آکر کہا کہ" میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا۔ اب یاد نہیں

آتا کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کروں۔ امام صاحب نے کہا۔ تم کو یاد نہیں تو مجھ کو اور بھی یاد نہ ہونا چاہیے"۔ وہ رونے لگا' امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لئے اور اس کے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا۔ اگر یہ تمہارا گھر ہوتا اور تم حفاظت کے لئے کوئی چیز چھپا رکھتے تو کہاں رکھتے"۔ سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف موقعے بتلائے' امام صاحب نے فرمایا کہ " انہی تین چار جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا"۔ ان کے کھدوانے کا حکم دیا۔ خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہٖ مدفون ملا۔

امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ' متین' باوقار تھے۔ تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے۔ حجام سے کہا کہ سفید بالوں کو چن لینا۔ اُس نے عرض کی کہ جو بال چُنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالوں کو چن لو۔ کہ وہ اور زیادہ نکلیں"! قاضی شریک نے یہ حکایت سُنی تو کہا کہ ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا۔

امام صاحب کے محلہ میں ایک پنہارا رہتا تھا۔ جو نہایت متعصب شیعہ تھا۔ اس کے پاس دو خچر تھے۔ تعصب سے ایک کا ابو بکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اس کا سر پھٹ گیا اور اسی صدمہ سے مر گیا۔ محلہ میں اس کا چرچا ہوا' امام صاحب نے سنا تو کہا" دیکھنا اسی خچر نے مارا ہوگا' جس کا نام اُس نے عمر رکھا تھا"۔ لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا۔ جو حضرت عثمانؓ کی نسبت کہا کرتا تھا۔ کہ یہودی تھے"۔ امام صاحب ایک دن اُس کے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈتے تھے۔ ایک شخص موجود ہے۔ جو شریف بھی ہے۔ اور دولت مند بھی ہے۔ اس کے ساتھ پرہیزگار' قائم اللیل حافظ قرآن ہے"۔ میں نے کہا تو اس سے بڑھ کر کون ملے گا۔ ضرور آپ شادی ٹھہرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا صرف اتنی بات ہے کہ

مذہباً یہودی ہے"۔ وہ نہایت برہم ہوا اور کہا سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنے کی رائے دیتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کیا ہوا۔ جو پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تم کو کیا عذر ہے"۔ خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اس کو تنبیہ ہو گئی، اور اپنے عقیدے سے توبہ کی۔

امام صاحب کے مصنفات، خیالات، اجتہادات، نظریات

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں، ان کے نام یہ ہیں، فقہ اکبر، العالم و المتعلم مسند وغیرہ۔

فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ چھپ گیا ہے۔ اور ہر جگہ مل سکتا ہے۔ لوگوں نے اس پر شرحیں لکھی ہیں، مثلاً محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی ۹۳۵ھ، مولیٰ الیاس بن ابراہیم السنوبی، مولیٰ احمد بن محمد للعقسادی، حکیم اسحاق شیخ اکمل الدین، ملا علی القاری ملا علی قاری کی شرح متداول ہے۔ بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جابجا قلمی پائے جاتے ہیں۔ حکیم اسحاق کی شرح کو ابوالبقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا۔ اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں۔

المعالم والمتعلم العالم والمتعلم سوال و جواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا۔

فقہ اکبر فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزودی، عبدالعلی بحر العلوم و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن ہم مشکل سے اس پر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے۔ اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ جو متاخرین کا خاص انداز ہے، ایک جگہ اس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے

تھے۔ بے شبہ منصور عباسی کے زمانے میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں، لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخری زندگی کا زمانہ ہے۔ کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں ان کا رواج ہو جائے۔ فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اس وقت بار پایا ہے۔ جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جزو بن گئے اور عام بول چال میں بھی ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا، لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا، قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہاں تک ہم کو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے۔ جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے۔ جن میں سے اکثر بجائے خود استاد تھے، اور واسطہ در واسطہ ان کے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے، نہایت خلاف قیاس ہے۔ کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اس کا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اس کے متعلقات پر بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف، شروع مقاصد، شرح مواقف، ملل و نحل وغیرہ تصنیف ہوئیں۔ ان میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔ اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اس کے بعد ہوئیں، اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں۔ حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں۔ اگرچہ میں ان کو کلیتہً تسلیم نہیں کرتا۔ تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو، محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔

اعمال جزو ایمان نہیں صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار

اور غیر متحرک رہی، اہل عرب کو موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا، بنو اُمیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیئے، جبر و قدر، تشبیہہ و تنزیہ، عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں، ان بحثوں کی ابتدا ان لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے۔ ان پر عجم کا پرتو پڑا تھا۔ چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں، ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا برہمی پیدا ہو گئی، اور محدثین و فقہا نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلے کو اُٹھے۔ اس مقابلہ کی بناء پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا، معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے، جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا، لوگوں نے اُس کی یہاں تک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا، امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے اور صحیح بخاری میں ان کی سند سے اکثر روائتیں ہیں، اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ ان کو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دے دیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں نہ آنے پائے[1]۔ امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قائل تھے۔ لیکن قرأت کو حادث کہتے تھے، ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، امام ابو حنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا، اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا۔ انہی مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا۔ مرجیہ کا مذہب ہے۔ کہ ایمان و عمل دو مختلف چیزیں ہیں، اور ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا، ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے۔ اور فرائض نہیں ادا کرتا

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

تو وہ مواخذہ سے بری ہے"۔ اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا، مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی، اور کلیتہً اس مذہب کے مخالف ہو گئے، چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اس کے مؤید تھیں۔ ان کی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی، یہ ایک اجتہادی رائے تھا۔ اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ ان بزرگوں نے یہاں تک شدت کی کہ جو شخص ان کی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا۔ اس کو فاسق یا کافر سمجھتے تھے۔ قاضی ابو یوسف ایک بار شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو انہوں نے کہا میں اس شخص کی شہادت قبول نہیں کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں"۔

ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں

امام ابو حنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی۔ کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے۔ وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے۔ اور مغز سخن کو پہنچتے تھے۔ جب یہ بحث ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے علانیہ کہا کہ" ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے"۔ اس پر بہت سے لوگوں نے انہیں بھی مرجیہ کہا۔ لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا خود پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہم زبان تھے۔ ان کو بھی یہی خطاب عنایت ہوا۔

جو لوگ مرجیہ کہلائے

محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب، المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہا اور محدثین کے نام گنائے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ ابراہیم تیمی، عمر بن مرہ، طلق الحبیب حماد بن سلیمان، عبدالعزیز بن ابی داؤد، خارجہ بن مصعب، عمرو بن قیس الاصر، ابو معاویۃ الضریر، یحییٰ بن زکریا، مسعر بن کدام، حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں۔ اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روائتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بیں جو اس پر غش ہیں۔ کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا

ہے، ابن قتیبہ کی فہرست دیکھیے تو شاید ان کو ندامت ہوتی۔ محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجا (مرجیہ ہونا) بہت سے علمائے کبار کا مذہب ہے، اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ جو امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا۔ لیکن اس کے نتائج بہت بُرا اثر رکھتے تھے، اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اس کا اظہار کیا، عمل کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے۔ کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو۔ جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے۔ جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا۔ کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے۔ حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے۔ جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے۔ کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے۔ کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترکِ عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا" حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو وہ مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا اسی لیے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں، لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور عتقاد کا نام ہے، باقی رہے اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں، لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شے کا اطلاق ہوتا ہے، اس لیے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے۔ اور خود امام

رازی کو اس کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے بعد فرماتے ہیں کہ فیہ ترک لھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوا جاتا ہے امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں۔ لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں۔ ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ یا عمل کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہیئے یا مان لینا چاہیئے، کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابو حنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس لئے اس موقع پر ہم اس کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے۔ جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا۔ عثمان اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے، عام لوگوں میں جب امام ابو حنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا، جس کا مضمون یہ تھا، کہ لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں۔ اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا عمل (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں، مجھ کو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے۔ کیا یہ باتیں صحیح ہیں"۔ اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے۔ جس کے فقرے ہم کہیں کہیں سے انتخاب کرتے ہیں۔ حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے۔

امام صاحب کی تحریر

میں آپ کو بتلاتا ہوں کہ رسول اللہ (صلعم) کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے، رسول اللہ (صلعم) جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت دی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ (صلعم) جو کچھ لائے ہیں، اس کو تسلیم کریں۔ پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا، اس کی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا۔ پھر خاص ان لوگوں کے لیے جو ایمان لا چکے تھے۔ فرائض کے احکام آئے پس اس کا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا

نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا اس قسم کی اور آیتیں ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہ ہونے سے ایمان نہیں جاتا رہتا، البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا، عمل و تصدیق کا دو جُدا گانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں، لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے۔ خدا نے خود کہا ہے۔ شَرَعَ لَکُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ وَمَا وَصَّیْنَا بِہٖٓ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْہِ یعنی تمہارے لیے اسی دین کو مشروع کیا، جس کی وصیت نوح کو کی تھی۔ اور جو تجھ پر وحی بھیجی، اور جس کی وصیت ابراہیم و موسیٰ و عیسےٰ کو ملی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں متفرق نہ ہو۔"

آپ کو جاننا چاہیئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں، آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں، پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے۔ خود خدا نے قرآن پاک میں یہ اطلاقات کیے ہیں۔ کیا آپ اس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں گمراہ ہو اس شخص کے برابر قرار دیں گے۔ جو مومن ہو، لیکن اعمال سے ناواقف ہو۔ خدا نے جہاں فرائض بتائے ہیں۔ اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے۔ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا یعنی خدا نے اس لیے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو) دوسری آیت میں ہے۔ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰھُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰھُمَا الْاُخْرٰی (یعنی ایک بھول جائے تو دوسرا یاد دلائے) حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا۔ فَعَلْتُھَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ یعنی میں نے جب وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا۔ ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں۔ جو اس دعوے کے ثبوت کے لئے دلائل قاطعہ ہیں۔ اور حدیثیں تو اور بھی واضح اور صاف ہیں۔ حضرت عمرؓ اور

حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے، تو کیا اُس کے یہ معنے تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے۔ حضرت علیؓ نے شام والوں کو جو ان سے لڑتے تھے) مومن کہا، کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے، پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے، کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسرِ حق قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ صرف ایک (یعنی حضرت علیؓ اور طرفدارانِ علیؓ کو برسرِ حق تسلیم کریں گے، تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے، اس کو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے۔ میرا یہ قول ہے۔ کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں، اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے، جو شخص ایمان کے تمام فرائض بجا لاتا ہے۔ وہ مومن اور جنتی ہے۔ جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے۔ وہ کافر اور دوزخی ہے، جو شخص ایمان رکھتا ہے، اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں۔ وہ مسلمان ضرور ہے۔ لیکن گنہگار مسلمان ہے۔ خدا کو اختیار ہے۔ اس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔

امام صاحب نے جس خوبی سے اس دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا، فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہو گی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی۔ اور فرائض کا وجود نہ تھا، امام صاحب نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں۔ ان سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے کہ دونوں دو چیزیں ہیں، کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں ہو سکتا مَنْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ فَیَعْمَلْ صَالِحًا میں حرفِ تعقیب آیا ہے۔ جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔

ان دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ لیکن ان میں سے کوئی اثباتِ مدعا کے لیے کافی نہیں، بڑا استدلال اس حدیث پر ہے۔ کہ مومن مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا"۔ حالانکہ یہ کلام کے زور دینے کا ایک پیرایہ

ہے۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا جس کا صرف یہ مطلب ہوتا ہے۔ کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذرؓ کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا قائل ہے۔ جنت میں جائے گا۔ گو زانی اور چور ہو۔

ایمان کم اور زیادہ نہیں

دوسرا مسئلہ یہ ہے۔ کہ "الایمان لا یزید ولا ینقص" یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا۔ بے شبہ یہ امام صاحب کا قول ہے۔ لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے، نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود احناف نے بھی، ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے۔ ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولۂ کیف سے ہے۔ جس میں شدت اور ضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ "اے خدا تو مُردوں کو کیونکر جلاتا ہے"۔ تو ارشاد ہوا وَلَمْ تُؤْمِنْ یعنی کیا اب تک تجھ کو یقین نہیں آیا۔ عرض کیا کہ "یقین ضرور ہے لیکن لِیَطْمَئِنَّ قلبی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں تصریح کر دی ہے، کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے۔ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا اس مسئلہ میں نص صریح ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے، نہ یہ اس وقت زیر بحث تھا امام صاحب کے دعویٰ کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا، ان کا مذہب ہے۔ کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے، جو شخص اعمال کا پابند ہے۔ وہ زیادہ مومن ہے۔ جو گناہگار ہے، وہ کم مومن ہے محدثین صراحتہً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاعلمان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنی ایمان

ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے، اور گناہ کرنے سے گھٹ جاتا ہے"۔ اور محدثین نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے، ان کے نزدیک جب اعمال جزوِ ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی، اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ ابوبکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرتِ صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے۔ جو اس کے دل میں ہے، غرضیکہ امام صاحب کا یہ دعوےٰ نہیں ہے۔ کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ ان کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یہ دعویٰ اس بات کی فرع ہے۔ کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں اور اس کو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔

ایمان میں سب برابر ہیں

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ مطلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں، ایمان کے لیے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ وہ سب کے لیے یکساں ہیں۔ صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں۔ کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ فرق ہے تو اعتقاد کی شدت اور ضعف میں ہے اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔ کہ دین اھل السماء الارض واحد یعنی آسمان و زمین والوں کا ایک ہی دین ہے۔ پھر اس دعویٰ پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصیٰ بہ نوحاً یعنی ہم نے تمہارے لیے وہی دین شروع کیا، جس کی وصیت نوح کو کی تھی۔ مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہے۔ اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے۔ جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں

اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا۔ خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعویٰ کیا ہے۔ ان کو یہ الفاظ نہایت گراں گزرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے" وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں۔ تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے، لیکن وہ مخالف راویوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے، یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے۔ اور قرن اول کے بعد اسلام میں اس کی بہت کم نظیریں ملتی ہیں، اسلام کو کسی چیز نے ان مشاجرات سے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلافِ آراء کی بنا پر قائم ہو گئے۔ ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ سے شروع ہو چکی تھی۔ عبداللہ بن عباسؓ اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ (صلعم) نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا، حضرت عائشہؓ نہایت اصرار سے اس کے مخالف تھیں، امیر معاویہؓ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ سماع موتی کی قائل نہ تھیں لیکن اس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے، ان میں بھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں۔ جو غلط تاویل کرتے ہیں اور ہم کو کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ خود کافر ہیں یا نہیں۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا، جب تک خدا کو دو نہ کہے[1]" صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے قائم ہو گئے، اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں، جن میں نص قاطع موجود نہیں اور ہیں تو متعارض ہیں۔ اس لیے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سینکڑوں رائیں

---

[1] آثار امام محمد صفحہ ۶۵

قائم ہوگئیں' بے شبہ ان میں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لاسکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں' بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے' جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے' رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کے لیے موضوع روایتوں سے اعانت لی اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں' کہ میری اُمت میں ۷۲ فرقے پیدا ہوں گے جن میں صرف ایک جنتی ہوگا' باقی سب دوزخی۔ اس فرضی تعداد کو بھی پورا کرنا ضرور تھا اس لئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیئے اور سب کے الگ الگ نام رکھے' اس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقے کے لیے جُدا جدا روائتیں گھڑیں مثلاً:۔ القدریۃ مجوس ھذہ الامہ وغیرہ وغیرہ۔

تکفیر نہیں کرتے تھے

ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزء پراگندہ کردیے اور مذہب' اخلاق' حکومت' تمدن معاشرت کا سب نقشہ بگڑ گیا' اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابوحنیفہ تھے' جن کی صدا سب سے الگ تھی۔ اور جو پکار کر کہتے۔ لا نکفر احدًا من اھل القبلۃ یعنی ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں سمجھتے" اس وقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا۔ اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بن گیا۔ اگرچہ افسوس ہے کہ اس پر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہ ہوئے۔

اہل قبلہ سب مومن ہیں

امام صاحب کی یہ رائے بہت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی' بڑے بڑے مشہور بانیانِ مذہب انہی کے

زمانہ میں پیدا ہوئے تھے۔ اور امام صاحب کو ان سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا' خارجیوں کا صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا۔ واصل بن عطاء و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروّج تھے' بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے' جہم بن صفوان جس کے نام پر فرقۂ جہمیہ مشہور ہے۔ اسی زمانہ میں تھا۔ امام صاحب ان میں سے اکثروں سے ملے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے' بعض کی تعبیر غلط طور پر کی گئی تھی' بعض دراصل لغو و باطل تھے' لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچے تھے۔ اس لیے امام ابوحنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ "اہل قبلہ سب مومن ہیں"۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں۔ جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہیں۔ وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں۔ سب سے بڑا مسئلہ قِدم قرآن کا تھا۔ جس کو لوگوں نے کلمۂ توحید کے برابر قرار دیا تھا۔ بڑے بڑے علماء کا قول ہے۔ کہ اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا' حضرت ابوبکر صدیقؓ جنہوں نے رسول اللہ (صلعم) کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا اور امام احمد بن حنبل جو مامون رشید کے زمانے میں حدوث قرآن کے منکر رہے بلکہ ایک اعتبار سے امام احمد بن حنبل کو ترجیح ہے۔ کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکرؓ کے معاون اور انصار تھے لیکن امام احمد کا کوئی مددگار نہ تھا"۔

حدیث اور اصولِ حدیث کے بارے میں امام صاحب کا مسلک

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابوحنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے، تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں، بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گزرے ہیں۔ جو اجتہاد و روایت دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی، جو ان کا کمال غالب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تو حدیث میں کوئی تصنیف نہیں ہے، تعجب ہے۔ کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے، نہ اُن کی تصنیفوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا، امام احمد بن حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں، ان کی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں مل سکتا لیکن جس قدر حدیث و روایت میں ان کا زیادہ اعتبار ہے۔ اسی قدر استنباط اور اجتہاد میں ان کی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے، مجتہدین میں ان کا شمار نہیں کیا[1] قاضی ابن عبدالبر نے کتاب الانتہاء فی الثلثۃ الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے، امام ابوحنیفہ و امام مالک، امام شافعی پر اکتفا کی، امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں۔ کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ امام احمد بن حنبل کی نسبت گروہ کثیر علماء کی یہی رائے تھی، کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے۔

مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث مواعظ و قصص، فضائل و سیر، ہر

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی علامہ طبری۔

ایک قسم کی روائتوں کا استقلال کرتا ہے، بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے۔ جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایہ ہوئے۔ موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں۔ جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں۔ امام شافعی نے امام احمد بن حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے۔ کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحییٰ بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں۔ حسرت سے کہا کرتے تھے، کہ اگر شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا۔[1]

خلفائے اربعہ کی قلت روایت

اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں ان کی نظر چنداں وسیع نہ تھی۔ امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا، لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی، اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے، ان کی تصنیفات یا روائتوں کا مدوّن نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ (صلعم) کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ (صلعم) کے اقوال و افعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا، لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں ان کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں ان کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں۔ کون شخص کہہ سکتا ہے، کہ ان کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعد عمر فاروقؓ کا درجہ ہے، ان سے بھی پچاس حدیثیں[2]

---

[1] مناقب الشافعی الامام الرازی، خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے مطابق لکھی ہے اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں۔ تاہم اس سے زیادہ تعداد نہیں پہنچتی، جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جائے۔

مروی ہیں۔ جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں، حضرت عثمانؓ اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے، بخلاف ان کے حضرت ابوہریرہؓ سے ۵۳۴۶، انس سے ۲۲۸۶ عبداللہ بن عباس سے ۲۲۶۰ جابرؓ سے ۲۵۴۰، عبداللہ ابن عمرؓ سے جو رسول اللہ (صلعم) کے زمانہ میں نوجوان تھے، ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے، تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ ان کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا یا دانستہ ان کو رسول اللہ (صلعم) کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی، وحاشا ھم عن ذالک

بخاری و مسلم نے امام شافعی کے واسطے سے کوئی حدیث روایت نہیں کی

یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روائتیں مستثنیٰ ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی ان کے شریک ہیں، امام شافعی نے جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، ابوثور حمیدی، ابوذرعہ الرازی ابوحاتم نے حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے، ان کی سند سے صحیحین میں ایک روایت بھی موجود نہیں، بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی، امام رازی نے بخاری و مسلم کی اس بے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں، مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحیں پر موقوف نہیں، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں۔ جن کے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو۔

امام بخاری نے روایت کیوں نہیں قبول کی؟

حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اعتماد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا۔ اس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لیے کم گنجائش تھی، علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے، کہ میں نے کسی

ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا الایمان قول وعمل اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو ان کے دربار میں پہنچنے کی کیونکر اُمید ہو سکتی تھی

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے۔ لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے۔ اس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں:۔ واما الامام محمد بن اسمٰعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخہ الکبیر فقال فی باب محمد بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنۃ اربع ومائتین ثمانیہ ماذکرہ فی باب الضعفاء مع علمہ بانہ قد روی شیئاً کثیراً من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی ھذا الباب لذکرہ۔" یعنی "امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے، چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن ان کو ضعفا کے باب میں ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ امام بخاری جانتے تھے، کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور ان کو ضعیف لکھتے۔"

امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے۔ اور بلادِ شام میں ان کا وہی اعزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا ان کی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی فرمایا۔ حدیث ضعیف ورای ضعیف[1]

لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، وہ وقتِ نظر قوتِ استنباط استخراج مسائل، تفریع احکام ہے، لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عیب و نقص میں داخل ہیں، علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری، قاضی ابو یوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے ان کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا، کہ ان پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے۔ ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت

میں رہتے تھے، اور منصب قضا پر مامور تھے[1]۔ اگر فروغ اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے۔ تو بے شبہ امام ابو حنیفہ قاضی ابو یوسف سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا، اس بات میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے شہرت عام کے مقابلے میں تحقیق کی پروانہ کی۔

اہل الرائے کی تحقیق

اس بحث کے تصفیہ کے لیے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا، اور کن لوگوں پر اطلاق کیا گیا جہاں تک ہم کو علم ہے اس لقب کے ساتھ اول جس کو یہ امتیاز حاصل ہے وہ ربیعہ الرائے ہیں۔ جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے، رائے کا لفظ ان کے نام کا جزو بن گیا ہے اور تاریخ اور اسما الرجال میں ہمیشہ ان کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے۔ یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے، اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُن سے احتجاج کیا ہے" عبد العزیز ماجشون کا قول ہے کہ" واللہ میں نے ربیع سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا"

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے

اسی زمانہ میں اور اس کے بعد کے اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے، محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں، ابن ابی لیلےٰ، ابو حنیفہ، ربیعۃ الرائے زفر، اوزاعی، سفیان ثوری، مالک بن انس، ابو یوسف قاضی، محمد بن حسن" ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی، اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے، اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا)

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف

محدث ہیں، لیکن امام مالک، سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔

محدثین میں دو گروہ تھے

اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کے درس تدریس میں مشغول تھے، ان میں دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک وہ جن کا کام صرف حدیثوں اور روائتوں کا جمع کرنا تھا، وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کو ناسخ و منسوخ سے بھی سروکار نہ تھا، دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباطِ احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا ہے اور کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی۔ تو قیاس سے کام لیتا تھا۔ اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں، لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا، پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل الحدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ امام مالک، سفیان ثوری، اوزاعی اسی لیے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے، لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا، اس لیے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے، مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابو حنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا، امام احمد حنبل سے ایک بار نضر بن یحییٰ نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابو حنیفہ پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رائے" نضر نے کہا کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے، امام احمد بن حنبل بولے کہ ہاں لیکن ابو حنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں، نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیے، نہ صرف ایک پر امام احمد بن حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے۔

امام صاحب کے اہل الرائے کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ

امام ابو حنیفہ سے پہلے فقہ

لہ عقود الجمان خاتمہ فصل اول

کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا، امام صاحب نے جب اس کی تدوین کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جن میں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا، اس لیے ان کو قیاس سے کام لینا پڑا، قیاس پہلے بھی عمل تھا، خود صحابہ قیاس کرتے تھے۔ اور اس کے مطابق فتوے دیتے تھے (اس کا مفصل بیان آگے آئے گا) لیکن اس وقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی، اس لیے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے، نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی، امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا، قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اس کے اصول و قواعد بھی مرتب کرنا پڑے، اس بات نے ان کو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی، چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا نام لکھا جاتا ہے، امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی، عام محدثین حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے، امام ابوحنیفہ نے اس کی ابتدا کی اور اس کے اصول و قواعد منضبط کیے، انہوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں، اس لیے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی، کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں، یعنی یہ کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا، اس بحث کے فیصلے کے لیے ان کی علمی زندگی کے ان واقعات پر نظر ڈالنی چاہیئے، جو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں، اس کتاب میں ہم امام ابوحنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں، جن پر فن رجال کا دارومدار ہے، اب غور کرو، کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے، علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو،

جس نے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں لکھی ہوں، جو حرم محترم کی درسگاہوں میں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو۔ جس کو مدینہ منورہ کے شیوخ نے مسند فضیلت دی ہو۔ جس کے اساتذہ حدیث عطا بن ابی رباح، نافع ابن عمر دینار، محارب بن دثار، اعمش کوفی، امام باقر، علقمہ بن مرثد، مکحول شامی، امام اوزاعی، محمد بن مسلم الزہری، ابو اسحٰق لیسی۔

اور سفیان بن لیسار، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج، منصور المعتمر، ہشام بن عروہ وغیرہم جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جن کی روایتوں سے بخاری و مسلم مالا مال ہیں۔ وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔

اس کے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو[1] یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں، عبدالرزاق بن ہمام جن کی جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے۔ یزید بن ہارون جو امام احمد بن حنبل کے استاد تھے۔ وکیع بن الجراح جن کی نسبت امام احمد بن حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے ان کا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا، عبداللہ بن المبارک جو فن حدیث میں امیر المومنین تسلیم کئے گئے ہیں، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جن کو علی بن المدینی (اُستاد بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے۔ یہ لوگ برائے نام امام صاحب کے شاگرد نہ تھے، بلکہ برسوں ان کے دامن فیض میں تعلیم پاتی تھی، اور اس انتساب پر ان کو فخر و ناز تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے ابو حنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا[2]۔ وکیع اور یحییٰ بن ابی زائدہ امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے، کیا اس رتبہ کے لوگ جو خدمت حدیث اور روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔

---

[1] ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

[2] ترتیب التقریب ترجمہ امام ابو حنیفہ

اجتہاد کی شرط اور امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابو حنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلّم مسئلہ ہے، جس سے بارہ سو برس کی مدت میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو، اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغوی رافعی علامہ نووی وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے۔ مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن حدیث مذاہب سلف لغت، قیاس ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو، یعنی مسائل شریعہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں، جو حدیثیں رسول اللہ (صلعم) سے ثابت ہیں، جس قدر علم لغت درکار ہے۔ سلف کے جو اقوال ہیں، قیاس کے جو طریق ہیں قریب قریب کل کے جانتا ہو، اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اس کو تقلید کرنی چاہیے۔

اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے فصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ بعض ناانصاف مخالفین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے۔ اس لیے ان کی روائتیں کم ہیں، لیکن یہ خیال غلط ہے، کہ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے پس جو شخص حدیث میں کم مایہ ہے۔ اس کو تلاش اور کوشش کرنی چاہیے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے"۔ اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ کہ فن حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہے کہ ان کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اس سے بحث کی جاتی ہے[1]۔ علامہ موصوف نے اس کا سبب بھی بتایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی روائتیں کم کیوں ہیں۔ ہم خود اس کو مفصل لکھیں گے۔

---

[1] تعجب ہے کہ اس تصریح کے ہوتے ہوئے بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے، جس کو خود ابن خلدون نے ایسے لفظوں سے بیان کیا ہے۔ جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے۔

محدث ذہبی نے امام ابوحنیفہ کو حفاظِ حدیث میں محسوب کیا ہے | محدثین میں بھی اکثروں

نے اس کا اعتراف کیا ہے، علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے پیشوا اور امام ہیں حفاظِ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ان لوگوں کا تذکرہ ہے۔ جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جن کے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف تصحیح و تزییف میں رجوع کیا جاتا ہے۔ علامہ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے، اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو، چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں۔ کہ میں نے ان کو حفاظِ حدیث میں اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے، امام ابوحنیفہ کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ اور ان کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔

حافظ ابوالمحاسن دمشقی و شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جس کے یہ الفاظ ہیں۔ الباب الثالث والعشرون فی بیان کثرۃ حدیثہ وکونہ من اعیان الحفاظ المحدثین یعنی "تیسواں باب اس بیان میں کہ وہ (امام ابوحنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے" قاضی ابویوسف صاحب جن کو یحییٰ بن معین صاحب الحدیث کہتے تھے، اور علامہ ذہبی نے ان کو حفاظِ حدیث میں محسوب کیا ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے، جب ان کی رائے قائم ہوجاتی تھی۔ تو میں حلقۂ درس سے اٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور ان سے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب ان حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے، اور بعض کو فرماتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا فرماتے کہ "کوفہ میں جو علم ہے میں اس کا عالم ہوں"۔

یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ علم حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کیا پایہ تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان باتوں نے امام ابوحنیفہ کو امام ابوحنیفہ نہیں بنایا اگر وہ حافظ الحدیث تھے، تو اور لوگ بھی تھے، اگر ان کے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو بعض آئمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے۔ اگر انہوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی، تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا، امام ابوحنیفہ کو جس بات نے تمام ہمعصروں میں امتیاز دیا اور چیز ہے، جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے۔ یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام ان کے مراتب کی تفریق۔ امام ابوحنیفہ کے بعد علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی، غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یک جا کی گئیں، صحاح کا التزام کیا گیا، اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا جس کے متعلق سینکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں، زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ باریک بینی اور وقت آفرینی کی حد نہیں رہی تجربہ اور وقت نظر نے سینکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے، لیکن تنقید احادیث، اصول و روایت، امتیاز مراتب میں امام ابوحنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا۔

اس اجمال کی تفصیل اس وقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کے آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے، جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور کس کس دور میں اس کی کیا کیا حالتیں بدلیں، اسی سے ایک بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد رائے کا کس قدر کام ہے، اور امام ابوحنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام فنون میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

سلسلہ حدیث کی مختصر تشریح

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ (صلعم) کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا، لیکن اس وقت تک جس قدر تھا۔ نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا، آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پرآشوب زمانہ تھا کہ اپنی اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت

کا کہاں موقع تھا، اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے، یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہ ہوا تھا، کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف، تکلیف مالایطاق سے کم نہ تھی، نمازیں بھی مختصر تھیں۔ یعنی ظہر، عصر، عشا سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں، جمعہ و عیدین سرے سے مامور بہ نہ تھے، ۲ھ یعنی نبوت سے تیرھویں برس روزے فرض ہوئے، زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے، علامہ ابن الاثیر نے لکھا ہے۔ کہ ۹ھ میں فرض ہوئی، حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا، غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا نہ اور احکام صادر ہوئے تھے، نہ ان کے متعلق حدیثیں اور روائتیں پیدا ہوئی تھیں، صحابہ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرس و جو نہیں کرتے تھے، خود قرآن میں حکم آچکا تھا۔ لَاتَسْئَلُوْعَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ

عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے، کہ میں نے رسول اللہ (صلعم) کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا، تمام زمانہ نبوت میں صرف تیرہ مسئلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے، جو سب قرآن میں مذکور ہیں[1] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں۔

جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے، ان میں روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا۔ صحابہ خود رسول اللہ (صلعم) سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ و روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی۔ حدیثوں کے قلم بند کرنے کی اجازت نہ تھی، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ لا تکتبوا عنی شیئاً غیر القرآن ومن کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحہ رسول اللہ (صلعم) کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت شروع ہوئی، ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم، ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور ان کی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی، حضرت عمرؓ نے دس برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا، لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس خوف سے حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی

حضرت عمرؓ کثرت روایت سے روکتے تھے

طرف غلط روایت منسوب نہ کردے، صحابہ کو ہمیشہ

حکم دیتے تھے۔ کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[1]" ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا، چلتے وقت ان سے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جارہے ہو، وہاں ایک قوم سے ملوگے جو بڑی رقت سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، وہ تمہاری آمد سن کر مشتاق ہوں گے، کہ رسول اللہ (صلعم) کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا[2]۔ اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود ان کی مشایعت کی اور ان سے پوچھا کہ "جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آرہا ہوں" لوگوں نے کہا تکومۃ علینا" یعنی ہماری عزت افزائی کے لیے فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے، وہ یہ کہ جہاں جارہے ہو وہاں کے لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔ ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ (صلعم) سے کم روایت کرنا[3]" چنانچہ جب یہ لوگ قرطہ پہنچے تو لوگ یہ سن کر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں۔ زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی، ان لوگوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے[4]

حضرت ابوہریرہؓ سے ابوسلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے بولے کہ "نہیں ورنہ عمر درے مارتے"[5]

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت (بیس الحمس) برس تک رہی۔ اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی، صحابہ دور دور پہنچ گئے تھے، ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں، نئے نئے مسئلے پیش آتے، ان اسباب نے حدیث و روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی، حضرت عثمان کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی۔ جس کا خاتمہ خلیفہ وقت کی شہادت پر ہوا، اور یہ

---

[1] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمرؓ
[2] مسند داری
[3] طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروق
[4] ایضاً

پہلا موقع تھا۔ کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں۔

حدیثوں کا وضع کیا جانا

حضرت علیؓ کی خلاف شروع ہی سے پر آشوب رہی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی، اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانہ مابعد میں ہوا، لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں۔ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے۔ کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی، انہوں نے کچھ خیال نہ کیا، بشیر نے کہا ابن عباس میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے"۔ فرمایا کہ ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے، لیکن جب سے لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی، ہم صرف ان حدیثوں کو سنتے ہیں جن کو ہم خود بھی جانتے ہیں"۔

زبانی روایت سے گذر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے، بیچ بیچ میں الفاظ چھوڑتے جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ" واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک اور دفعہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی عبارت مٹا دی۔

وضع حدیث اور روایت میں بے احتیاطی کے اسباب

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا، ترمذی نے کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے، جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہوئی، تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لی جائیں

اور اہل بدعت کی ترک کی جائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور بڑے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی، اسی قدر ان کی قدر اور ان کی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں کچھ ترقی ہو گئی تھی، نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں، ان نو مسلموں کو ادھر تو اسلام کا نیا جوش تھا، ادھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا کرنے کی اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر نہ تھی، ان باتوں نے ان کو معلومات مذہبی کا اس قدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب ان کی ہمسری کا دعوے نہیں کر سکتے تھے، غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے تھے اور سینکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہو گئیں۔

لیکن جس قدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی، اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا، ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا، کہ اس میں مختلف خیال مختلف عادات، مختلف عقائد، مختلف اقوام کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جا بجا پھیل گئے تھے، اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گذر جانے پر بھی کتابت کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا۔ ان اسباب سے روائتوں میں اس قدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ یہاں تک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کا جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی، جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں، ان میں بھی اگر مکررات نکالی ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں اور ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں

سینکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کر لیں، حماد بن زید

کا بیان ہے، کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کر لیں[1]، عبدالکریم ضاع نے خود تسلیم کیا تھا۔ کہ چار ہزار حدیثیں اس کی موضوعات سے ہیں[2]۔ بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کر لیتے تھے، حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں۔ کہ اُن حدیثوں نے بہت ضرر پہنچایا کیونکہ ان واضعین کے تشقہ اور تورع وزہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہو گئیں اور رواج پا گئیں"۔

وضع کے بعد مساہلات، غلط فہمیوں، بے احتیاطیوں کا درجہ تھا، جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہؐ کی طرف بے قصد منسوب ہو گئے، بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے، اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے، جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا، اور وہ ان کے تفسیری جملوں کو حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے، تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے، امام زہری، جو امام مالک کے اُستاد اور حدیث کے ایک بڑے رُکن تھے، ان کی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں۔ وکذ اکان الزھری تفسیرا لحدیث کثیرا وربما اسقط اداۃ التفسیر، یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے، اور وہ حرف جن سے اس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے"۔ وکیع کا بھی یہی حال تھا، وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" کہہ کر مطلب بیان کرتے جاتے تھے، اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے، جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا، کتب رجال واصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

تدلیس وتلبیس بڑی آفت تدلیس کی تھی، جس کا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے، اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا۔ ان کے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں، جن کی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے۔

غرض امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا۔ ہزاروں موضوعات اغالیط، ضعاف، مدرجات سے بھرا ہوا تھا، اس وقت امام بخاری و مسلم نہ تھے، جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے، امام ابوحنیفہ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اس طرف متوجہ نہ ہو سکے تاہم انہوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیاد ڈالی اور اس کے اصول و ضوابط قرار دیئے، ان کے اصولِ تنقید نہایت سخت خیال کیے گئے ہیں، یہاں تک کہ محدثین نے ان کو مشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے، تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونے کی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت یہ زیادہ قوی سبب ہے، علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں۔ والامام ابوحنیفہ الفا قلت روایۃ لما شدد فی شروط الروایۃ و التحمل یعنی امام ابوحنیفہ کی روائتیں اس لیے کم ہیں کہ انہوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی کی۔

حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا، وہ یہ تھا، کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں یا کہ بہت حدیثیں ہیں جن کی صحت کا کافی ثبوت موجود نہیں ہے۔ یہ صدا اگرچہ جدت کی وجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی

امام صاحب کا خیال تھا کہ بہت کم حدیثیں صحیح ہیں

اور اسی وجہ سے بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی، لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے، انہوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی۔ وہ اپنے زمانہ کے اکثر شیوخ سے ملے تھے اور ان کے سرمایۂ حدیث سے متمتع ہوئے تھے، حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں برسوں تعلیم پائی تھی، کوفہ بصرہ، حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا۔ برسوں کے تجربے سے ان کے ذاتی اوصاف، اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی، غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنے کے لیے جو شرطیں درکار تھیں، سب ان میں موجود تھیں۔

اس خیال کا ایک بڑا سبب

اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں ان کے خاندانِ تعلیم میں وراثۃً چلا آتا تھا، حدیث و فقہ میں ان کے خاندانِ تعلیم کے مورثِ اوّل عبداللہ بن مسعودؓ ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد دیں زیادہ تر انہی کی روایات و استنباط پر ہے، عبداللہ بن مسعودؓ اگرچہ بہت بڑے محدّث تھے، لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ مشدّد اور محتاط تھے، علامہ ذہبی ان کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کان ممن یتحری فی الاداء و یشدد فی الروایۃ وکان اقل من الروایۃ الحدیث یعنی عبداللہ بن مسعودؓ ادا میں تحرّی اور روایت میں تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے۔ ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعودؓ کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابوحنیفہ کے بہ یک واسطہ استاد تھے۔ ان کا بھی یہی مذہب تھا، اور اسی وجہ سے وہ سیر فی الحدیث کہلاتے تھے، امام ابوحنیفہ نے گو اور بہت درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن ان کی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندانی اثر تھا جس نے ان کے دل میں یہ خیال پیدا کیا اور اس کو ان کے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام مالکؒ امام ابوحنیفہ کی شروط روایت قریب متحد ہیں

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی لیکن وہ بالکل بے اثر نہیں رہا۔ امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابوحنیفہ سے متاخر ہیں۔ ان کے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف پرتو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیود اور شرطیں لگائی ہیں۔ وہ امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ مشددین فی الروایۃ میں امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ لیا جاتا ہے، ابن الصلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ و من مذاھب التشدید مذھب من قال لا تجوز الروایۃ الا فیما روایۃ الراوی من حفظہ و

تذکرہ وذالک مروی عن مالک وابی حنیفہ یعنی" مشہ دین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنے حفظ سے یاد رکھا ہے اور یہ قول مالک وابوحنیفہ سے منقول ہے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب مؤطا لکھی تو اس میں دس ہزار حدیثیں تھیں، پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرنے لگے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئی، امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔

امام شافعی کا قول تھا کہ صحیح حدیثیں بہت کم ہیں

امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوایئے جو رسول اللہ (صلعم) سے ثابت ہیں انہوں نے جواب دیا کہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں، کیونکہ ابوبکر صدیقؓ نے جو حدیثیں رسول اللہ (صلعم) سے روایت کی ہیں ان کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے، عمر بن الخطابؓ باوجود اس کے رسول اللہ (صلعم) کے بعد مدت تک زندہ رہے ان کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں، حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال ہے، حضرت علی اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے، لیکن ان سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں، کیونکہ وہ مطمئن نہیں رہے، ان سے جو حدیثیں مروی ہیں، اکثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی ہیں۔ ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، لیکن اہل معرفت کے نزدیک وہ روائتیں صحیح سند سے ثابت نہیں[1]۔

امام صاحب نے روایت کیلئے کیا شرطیں مقرر کیں

ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ معتزلہ کی طرح احادیث کے منکر تھے، یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے

---

[1] مناقب الشافعی از امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی۔

تھے، ان کے شاگردوں نے خود ان سے سینکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں مؤطا امام محمد کتاب الآثار، کتاب الحج جو عام طور پر متداول ہیں، ان میں بھی امام صاحب سے بیسیوں حدیثیں مروی ہیں، البتہ اور محدثین کی نسبت ان کی احادیث مسلمہ کی تعداد کم ہے۔ اور اس کی وجہ وہی شروط روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں۔ کچھ ایسی ہیں، جن میں وہ منفرد ہیں یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین ان کے ہم زبان ہیں۔

ان میں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ "صرف وہ حدیث حجت ہے، جس کو راوی نے اپنے کان سے سنا ہو، اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو"۔ یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے، جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس کی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں۔ اور عام محدثین کو ان سے اتفاق نہیں ہے۔ محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ہم کو بھی انکار نہیں، لیکن اس کا فیصلہ ناظرین خود کر سکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے، یا روایت کی وسعت ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوگا۔ کہ امام ابو حنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقہ درس نہایت وسیع ہوتا تھا، یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے، اس وقت متعدد مستملی یعنی نائب جا بجا بٹھائے جاتے تھے، کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں، بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا۔ وہ صرف مستملی کے الفاظ سن کر حدیث روایت کرتے تھے، اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں، اکثر ارباب روایت کا مذہب ہے کہ کہہ سکتا ہے، امام ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں، ائمہ محدثین میں سے حافظ ابو نعیم، فضل بن دکین

زائدہ بن کدامہ امام صاحب کے ہم زبان ہیں[1]۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا کہ مقتضائے عقل یہی امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے، لیکن عام مذہب میں آسانی ہے۔

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا۔ وہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ تک روائت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے، جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے، اس لئے روایت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا، کم از کم یہ کہ ہر روایت پہلے واسطہ میں جس قدر قوی ہوتی ہے، دوسرے واسطہ میں اس کا وہ پایہ نہیں قائم رہ سکتا تھا، بے شبہ مستملی کے کام کرنے کا طریقہ قائم رکھنا ضروری تھا، کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چل سکتا تھا، لیکن ناانصافی تھی کہ جس شخص نے پہلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دیا جائے، مستملی کبھی کبھی نہایت غافل بے سمجھ ہوتے تھے، اس لئے غلطیوں کا احتمال اور بھی زیادہ ہو جاتا تھا۔

اس طرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوھریرہ حالانکہ وہ ابوہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے۔ انہوں نے اس کی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں وہ موجود تھے۔

"حدثنا" کا مفہوم اور اس کا استعمال

اسی طرح اور شیوخ و صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ ان کے شہر والوں نے ان شیوخ سے سنا تھا۔ محدث برازنے لکھا ہے کہ حسن بصری نے ان لوگوں سے روایت کی ہے، جن سے وہ کبھی نہیں ملے اور تاویل یہ کرتے تھے۔ کہ ان کی قوم نے وہ حدیث ان لوگوں سے سنی تھی۔ یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۸۷، ۱۱۸ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۸ [3] فتح المغیث صفحہ ۱۷۱

غلط بیانی تھی، حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دینا تھا، کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا۔ اور چونکہ راوی نے اس کا نام نہیں بتایا، اس لئے اس کے ثقہ وغیر ثقہ ہونے کا حال نہیں معلوم ہو سکتا، صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا۔ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا۔ وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور ان کے بعد اور ائمہ حدیث نے بھی ان کی متابعت کی۔

ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شخص سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کرلیں تو ان اجزا سے روایت کرنی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کو اس قدر وسعت دی گئی کہ راوی کو ان حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں، تاہم اس بنا پر کہ اجزا اس کے پاس موجود ہیں، ان کی روایت کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا، لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے الفاظ و مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں۔

یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا، تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے، امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اس کی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی، کیونکہ اس وقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا، لیکن امام ابو حنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں، اس لیے اگر راوی کو الفاظ حدیث، موقع حدیث، شان نزول وغیرہ یاد نہیں ہوتے تھے تو روایت کا بعینہا ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔

روایت بالمعنی

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے، اور اب بھی ہے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث معقد و صحابہ سے سنی جس کو سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا، لیکن مطلب

ایک تھا۔ انہوں نے کسی صحابی سے یہ حقیقت بیان کی، صحابی نے جواب دیا کہ جب مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں مگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا، تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے، بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ کو روایت باللفظ پر اصرار تھا۔

روایت بالمعنی میں صحابہ کی احتیاط

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ان کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ "وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی نہ کریں۔ عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے او مثلہ او نحوہ اور شبیہ بہ اَمَا فوق ذالک، واما دون ذالک واَما قریب من ذالک یعنی رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے قریب قریب فرمایا تھا۔ ابو الدرداء کا بھی یہی حال تھا۔ وہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے ھذا او نحوہ ھذا او شکلہ[1]۔ حضرت عمرؓ جو لوگوں کو روایت حدیث سے منع کیا کرتے تھے ان کا بھی غالباً یہی منشا تھا، وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔

صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یک سو نہ ہوا۔ تابعین کے دو گروہ تھے۔ اور خود امام ابو حنیفہ کے استاد الاستاد روایت بالمعنی کے متامل تھے۔ آگے چل کر تو گویا اس پر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔ چنانچہ اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے۔ مجتہدین میں سے صرف امام مالک اس کے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جن میں امام مسلم، قاسم بن محمد، محمد بن سیرین رجاء بن حیوۃ، ابو زرعہ، سام بن ابی

---

[1] فتح المغیث

الجعد، عبدالملک بن عمر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا، لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرتِ روایت کی طرف ہو جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں، اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جائے، تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا، لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا، کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے۔ زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی اور ادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے، صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ (صلعم) کے الفاظ و مطالب کا اندازہ دان نہیں ہو سکتا تھا، اول تو وہ زبان دان اور زبان کے حاکم تھے۔ اس کے ساتھ مشرفِ صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرزِ ادا، طریقہ گفتگو، اندازِ کلام، فحوائے سخن سے خوب واقف تھے تاہم کتب حدیث میں اس کی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہو گئی۔

ادائے مطالب میں صحابہ سے کمی یا زیادتی

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے آنحضرت (صلعم) سے روایت کی ان المیت یعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ وانا صرہ واجبلاہ یعنی "جب مردہ پر یہ الفاظ کہہ کر رویا جاتا ہے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے" کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے، حضرت عائشہؓ نے کہا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں، لیکن ان کو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مر گئی۔ اس کے گھر والے اس پر روتے تھے۔ آنحضرت (صلعم) نے

سنا تو فرمایا کہ اس کے گھر والے رو رہے ہیں۔ اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے، ایک اور روایت میں ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لا تزر وازرۃ وزر اخری جس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ گھر والے روتے ہیں تو ان کا قصور ہے، مردہ نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس پر عذاب کیا جائے؟ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے رونے کو اس کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کیے ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی "مردوں کو زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے"۔

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ھل وجدتم ما فعل ربکم حقا لوگوں نے عرض کی کہ "آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں"۔ ارشاد ہوا کہ "جو میں نے کہا ان لوگوں نے سن لیا"۔ لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ نے یہ نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموان ما دعوتھم حق[1]

یعنی ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی، وہ حق ہے، دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے سماع موتی کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔

غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور اور تیسرے دور کا ذکر کیا۔ لطف یہ ہے۔ کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں۔ انہوں نے چند الفاظ مثالاً بتائے ہیں کہ ان کو دوسرے لفظوں میں اس طرح ادا کرتے ہیں۔ اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا۔ حالانکہ غور سے دیکھیے تو ان لفظوں کے

---

[1] تاریخ کبیر علامہ ابو جعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۳۱

اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے۔ اقتلوا الاسودین الحیۃ (العقرب) اب بجائے اس کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلھا محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف نے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا، حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے۔ اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے۔ لیکن اس میں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو اَمَرَ میں ہے۔

روایت بالمعنی کے متعلق امام ابو حنیفہ کے اصول

امام ابو حنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کرکے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا، جو حدیثیں اُن کے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں۔

امام صاحب نے ان حدیثوں کو قبول کیا۔ لیکن یہ قید لگائی کہ رواۃ حدیث فقیہ ہوں، یعنی الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں" تعبیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے۔ لیکن احادیث کا مدار (جیسا کہ محدثین نے تصریح کر دی ہے) ظن غالب پر ہے اس لیے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو، روایت بالمعنیٰ قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے ان احادیث کو بھی قبول کیا، جن کے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہہ نہ ہوں لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا۔ اور ان میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی، امام صاحب کے ان اصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفقیہ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا۔ اس کو روایت باللفظ ضروری ہے البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ دان ہے، اس کی نسبت اختلاف ہے کثرت رائے اس طرف ہے کہ" وہ الفاظ کا پابند نہیں"۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کر دیا۔ اور لوگوں کے لئے روایت باللفاظ کی قید لگائی۔ اور امام طحاوی نے بسند متصل ان سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیے جو روایت

کرنے کے وقت یاد تھی[1] ملا علی قاری اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ "امام ابوحنیفہؒ روایت بالمعنی کو جائز رکھتے تھے۔

اس پابندی میں اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا فتح المغیث میں ہے۔ وقیل[2] لا تجوز الروایۃ بالمعنی مطلقاً قال لہ طائفۃ من المحدثین الفقہاء الاصولیین من الشافعیۃ وغیرھم قال القرطبی وھو الصحیح من مذھب مالک۔ لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے۔ چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایۃ ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے۔ کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا۔ خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر اللہ امرأ اسمع منا شیئاً فبلغہ کما سمعہ یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو شاداب کرے۔ جس نے ہم سے کچھ سنا اور اس کو اسی طرح پہنچایا۔ جیسا کہ ہم سے سنا تھا۔ اس سے زیادہ اس باب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے۔ صحابہ میں سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے۔ ممکن ہے۔ کہ یہ حدیث ان کو نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کو اس کی تکمیل سے کیا عذر ہو سکتا ہے۔

اصول درایت

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کئے اور ان کو احادیث کی تحقیق و تنقید

---

[1] شرح مسند امام اعظم از ملا علی قاری صفحہ ۳

[2] یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہا و اصولیین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے۔ اور قرطبی نے کہا کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے۔

میں برتا۔ فنِ حدیث کی شاخ یعنی روایت پر ہمارے علمار نے جس قدر توجہ کی۔ اس کی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ لیکن یہ افسوس ہے کہ اصولِ درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا۔ حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں۔ لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں۔ اصولِ حدیث ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور بڑی بڑی کتابیں جو اس میں لکھی گئیں۔ عموماً متداول ہیں۔ لیکن ان سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت ہوتی ہے۔ حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزاء ہیں۔ یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ اس فن کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ اس وقت ان کی نگاہ ان باریک نکتوں پر پہنچی، بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کے لئے دلیل راہ بنے، لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی گم اور ناپید تھیں کہ ان پر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی۔

روایات کی صحت وعدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار وعدم اعتبار پر نہیں ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی روایات جس سند سے بیان کی جاتی ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں۔ لیکن واقعہ صحیح نہیں، حدیث میں بھی اس کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصولِ روایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت انسانی کے اقتضا وزمانہ کی خصوصیتوں، منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے، اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہوگی، یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت کے تغیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے۔ اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق وتنقید میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں اور انہی

کا نام اصولِ روایت ہے، علامہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے۔ لکھتے ہیں[1] کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے، اس میں تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے۔ جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو۔ یا جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو، اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کیے ان میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو صحیح نہیں

۱۔ "جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[2]" یہ وہی قاعدہ ہے، جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے، اس وقت اسلامی علوم اوج کمال پر پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا، لیکن امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک مذہب

---

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں۔

کل حدیث رایتہ یخالفہ العقول او ینا قض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا تکلف اعتبارہ ای لا تعتبر روایتہ ولا تنظر فی جو ھم اریکو معاید نعہ الحس والمشاھدۃ او مبانا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شی من ذالک التاویل او تتضمن الافزاصھا لوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی احادیث القصاص والطرقیۃ۔

[2] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا، امام صاحب نے اول اول جب یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ امام صاحب کے سامنے پیش کی جاتی تھیں، تو وہ ان سے انکار کرتے تھے، یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا، اصول درایت سے غرض نہ تھی، زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں داخل کر لیا گیا، لیکن ارباب نے اس کو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبولِ عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

تلک الغرانیق العلی کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے (سورہ نجم کی تلاوت کے وقت) بتوں کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے "تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھم لترتجیٰ۔ یعنی یہ بت بہت معزز ہیں۔ اور ان کی شفاعت کی امید کی جا سکتی ہے" اور یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت صلعم کی زبان میں ڈال دیئے تھے، چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انہوں نے یہ شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھلائے تھے، آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے اصول کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض و ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا، لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گذرا، وہ بڑے زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اس لیے اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح رد الشمس کی حدیث کو جس میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی، اس لئے آنحضرت (صلعم) کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طالع ہوا، محدث ابن جوزی نے جرات کر کے موضوع کہا، لیکن حافظ

ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی، امام صاحب کے زمانہ میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں، جو آج کل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں جس کی رو سے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوئے جاتے ہیں۔

۱۲ر جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں ان کے متعلق رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں کو اکثر پیش آیا کرتے تھے ان کے متعلق جو کچھ آنحضرت (صلعم) کا ارشاد تھا، اس کی ضرورت تمام لوگوں سے متعلق رہتی تھی، اس لئے صرف ایک آدھ شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے

امام صاحب حدیث کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے تھے

امام ابوحنیفہ کی تصریحات سے ثابت ہے کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے۔ امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص رمضان میں کچھ بھول کر کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی، حدیث پر استدلال کرکے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے رائے کچھ چیز نہیں پھر امام ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ما جاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں۔ جب تک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہوں تو ان کے نزدیک پھر قیاس کوئی چیز نہیں

قیاس کے ایک اور معنی

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابو حنیفہ نے قیاس فقہی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں رکھا، لیکن ان کے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور بے شبہ ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے۔ مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے، ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام کسی مصلحت اور اقتضائے عقلی پر مبنی نہیں ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں، جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اس کے اشارے پائے جاتے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کی مصلحت ہم کو معلوم نہیں، لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں۔

اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کئے، بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے، تو صرف یہ دیکھ لیتے تھے۔ کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، یا نہیں اگر ان کے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر ان کو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی اور بے تکلف اس حدیث کو قبول کر لیتے تھے، دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا، کہ جو مسئلہ یا عقیدہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے، وہ عقل و مصلحت کے موافق یا نہیں، اگر نہیں ہوتا تھا، تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرح مائل ہوتے تھے، وہ دیکھتے تھے کہ راوی فہم و درایت کے لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں، روایت باللفظ ہے یا بالمعنی موقع حدیث کیا تھا کون لوگ مخاطب تھے، کیا حالت تھی، غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے، ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

طرز تحقیق و تشریح

صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ (صلعم) سے حدیث روایت کی تو ضوا ھما غیرت

النار یعنی "جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباسؓ موجود تھے، بولے کہ اتوضاء من الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے"۔ ابوہریرہؓ نے کہا اے برادرزادہ! جب رسول (صلعم) سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو"۔ لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے، حضرت عائشہؓ نے ابن عمرؓ کی اس حدیث ان المیت یعذب ببکاء اھلہ پر جو اعتراض کیا تھا، اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ اصحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، جن کا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں، اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے، شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی و وافی ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ضروری ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل کے جامع تھے۔ مثلاً امام غزالی، عزالدین عبدالسلام، شاہ ولی اللہ وغیرہ ان لوگوں کا یہی مسلک تھا، امام ابوحنیفہ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے، دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔ جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم کرنے میں تامل کیا، ان کی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے، جس کی یہ تعریف قرار دی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی"۔ اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے۔ اور وہ اس کو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں،

علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے ان کا قول ہے کہ ھٰذا الھام ولو قلت للقیم بالعلل این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ[۱] یعنی یہ الہام ہے۔ اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اس کو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتا"

محدث ابو حاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں، انہوں نے بعض کو مدرج، بعض کو باطل، بعض کو منکر، بعض کو صحیح بتایا، پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو کیونکر معلوم ہوا کیا آپ کو راوی نے ان باتوں کی اطلاع دی، ابو حاتم نے کہا نہیں، بلکہ مجھ کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں۔ ابو حاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو، اگر وہ میرے ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ میں نے بیجا نہیں کہا۔ سائل نے ابو زرعہ سے وہ حدیثیں جاکر دریافت کیں، انہوں نے ابو حاتم کی موافقت کی، تب سائل کو تسکین ہوئی۔

بعض محدثین کا قول ہے۔ اثر یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم یعنی وہ ایک امر ہے۔ جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے، اور وہ اس کو رد نہیں کرسکتے، اور نفسانی اثر ہے، جس سے گریز نہیں ہوسکتا۔ محدثین کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے، بلاشبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے خود تمیز ہوجاتی ہے۔ کہ یہ قول رسول اللہ (صلعم) کا ہوسکتا ہے۔ یا نہیں اسی طرح شریعت کے احکام اور مسائل اور ان کے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقرا سے ایسا ذوق حاصل ہوسکتا ہے، جس سے یہ تمیز ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ (صلعم) نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہیں، لیکن ان اسرار اور مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے۔ وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ نے بعض حدیثوں کو معلل قرار دیا تو ارباب ظاہر نے مخالفت کی اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام

صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہیں۔ لیکن انصاف پسند انصاف کر سکتا ہے کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقراء سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہو جاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں۔ رد کر سکتے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے دقتِ نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ احکام شریعت کے اسرار و مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم رہے۔ البتہ یہ نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہو سکتا ہے جو بہت ہی بڑا عالم، مجتہد، محدث، دقیقہ بیں مؤید بتائید الٰہی ہو۔ لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ کون ہو سکتا ہے

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابوحنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی، وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت ہے، احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے، جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہو سکتی، قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے۔ حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں، وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے اگر کوئی حدیث اسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جس طرح قرآن ثابت ہے تو اثباتِ احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے۔ لیکن حدیثوں کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انہی تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے، محدثین نے حدیث کی جو تقسیمیں کی ہیں یعنی صحیح، حسن، ضعیف، مشہور، عزیز، غریب وغیرہ ان کے اختلافِ مراتب سے احکام پر چنداں اثر نہیں پڑتا، چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو تقریباً یکساں قابل حجت قرار دیتے ہیں۔ محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباطِ احکام اور تصریح مسائل ان کا فرض نہ تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کی وجہ سے جس کے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق مراتب کی ضرورت پڑی انہوں نے نوعیت کے ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین

قسمیں قرار دیں۔

متواتر ۱۔ متواتر یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں جن کے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں ہو سکتا، یعنی رسول اللہ (صلعم) سے بے شمار لوگوں نے روایت کی ہو، اسی طرح ان لوگوں سے لے کر اخیر زمانہ تک بے شمار رواۃ روایت کرتے آتے ہوں۔

۲۔ مشہور یعنی وہ حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہ ہوں لیکن دوسرے طبقہ سے اخیر تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے لیے مشروط ہے۔

۳۔ احاد جو متواتر اور مشہور نہ ہو۔

اس تقسیم کا اثر ان کی رائے کے موافق احکام شرعیہ پر جو پڑتا ہے، وہ یہ ہے۔ کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہو سکتی ہے۔ مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے اس لیے فرضیت کا اثبات تو نہیں ہو سکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اس سے زیادت علی الکتاب ہو سکتی ہے۔ احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اس لیے وہ قرآن کے احکام منصوصہ پر کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتی، یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے۔ کہ امام شافعی اور بعض محدثین اس کے مخالف ہیں۔ امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں، جو امام شافعیؒ اور امام محمدؒ میں واقع ہوئے اور جن میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کو بند کر دیا۔ اگرچہ ہمارے نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں۔ جن کا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہو سکتا لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس مسئلہ کا انتساب امام ابو حنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔

قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ اس کے پابند نہ رہ سکے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا

کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپ کے نزدیک خبر واحد سے قرآن پر زیادتی نہیں ہوسکتی۔ امام محمد نے کہا ہاں، امام شافعی نے کہا کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم ہے۔ آپ اس حدیث کی بنا پر لا وصیۃ للوارث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہو۔

غالباً شاہ صاحب نے یہ روایت بیہقیؒ کی مناقب الشافعیؒ سے لی ہے، جس میں اور بھی بے سروپا روائتیں مذکور ہیں، لیکن ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریث کے احکام ہیں، یہ صرف حنفیوں ہی کی رائے نہیں ہے بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے۔ الا الشاذ النادر منھم۔

ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہوگئی ہیں، جن کی تفصیل ہم نہیں کر سکتے لیکن اخبار احاد کی بحث اور اس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اس کو ہم اس موقع پر تفصیل سے لکھتے ہیں، کیونکہ بعض محدثین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی حیثیت

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا بھی یہی مذہب ہے، کہ وہ ظنی الثبوت ہیں۔ لیکن ایک فرقہ اس کے خلاف بھی ہے جس کے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہیں، اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام حدیثوں کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے انہوں نے صحیح حدیث کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جس پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں (۲) بخاری منفرد ہوں (۳) مسلم منفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو۔ لیکن ان کی شرطوں کے موافق ہو (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہ ہو۔ لیکن اور محدثین نے اس کو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں

میں سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ وھذا القسم جمیعہ مقطوبصحۃ و العلم النظری واقع بہ مفرداتِ بخاری و مسلم کی نسبت اُن کی رائے ہے کہ اسی قبیل میں بجز ان چند حدیثوں کے جن پر دار قطنی وغیرہ نے جرح کی ہے' ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آج کل زیادہ رواج پا گیا ہے' لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ بالکل غلط اور بے دلیل خیال ہے۔ اور خود ائمہ حدیث اس کے مخالف ہیں علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کر کے لکھتے ہیں۔

وھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قالہ المحققون و الا کثرون فانھم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست لمتواترۃ انما تفید الظن فانھا احاد و الاحاد انما تفید الظن علی ما تقرر و لا فرق بین البخاری و مسلم و غیرہ ھما فی ذالک۔

یعنی "شیخ ابن الصلاح نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کی رائے کے خلاف ہے' کیونکہ محققین اور اکثروں کا قول ہے کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں' صرف ظن کی مفید ہیں' کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے۔ کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس بات میں بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں"۔ ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو لفظی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے' ہم کو خود غور کرنا چاہیے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا ظن۔

احادیث کے ظنی الثبوت ہونے کی تحقیق

کسی حدیث کو جب ایک محدث گروہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ درحقیقت چند ضمنی دعووں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ روایت متصل ہے اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ ضابط القلب ہیں' روایت میں شذوذ نہیں ہے کوئی علت قادحہ

نہیں ہے، یہ سب امور ظنی اور اجتہادی ہیں جن پر یقین کی بنیاد قائم ہو سکتی ہے جس طرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کر کے اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے۔ اور اس قسم کی صحت یقینی نہیں ہوتی، کیونکہ استنباط میں جن مقدمات سے اُس نے کام لیا ہے، اکثر اس کے ظنیات ہیں۔ اسی طرح حدیث کا حال ہے، کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے۔ ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے، اور دوسرا شخص اس کی صحت نہیں تسلیم کرتا، تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق، قواعد استنباط، طریق روایت غرض ان کے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے۔

حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں، اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے، سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین باہم اختلافِ عظیم رکھتے ہیں۔ ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے (نہ عقلی) لیکن جس شخص نے اصولِ حدیث پر غور کیا ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اس نکتہ کی طرف امام ابو حنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ ھذا الذی نحن فیہ رائٌ لا یجبر علیہ احدٌ؛ ولا نقول یجب علی احد قبولہ۔ بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا، لیکن ان کو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

صحت اور عدم صحت پر اختلاف

اصولِ حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونے کا یہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔ ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح، مستند، واجب العمل قرار دیتا ہے، دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے۔ محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے، جن کو دوسرے محدثین

صحیح اور احسن کہتے ہیں۔ ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع لکھ دیا، علامہ سخاوی لکھتے ہیں، بل ربما اورج فیھا الحسن و الصحیح مما ھو فی احد الصحیحین فضلا عن غیرھما یعنی" ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے۔ دوسری کتابوں کا ذکر کیا ہے" بے شبہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی، لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے، جس کا حاصل اسی قدر ہے۔ کہ انہوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اجتہاد کو غلط تقسیم کیا ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ (صلعم) تک ثابت ہو لیکن اتصال کے ثبوت کے جو طریقے تسلیم کیے گئے ہیں، ان میں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں۔ صحابہ کے ان الفاظ کو" یہ امر سنت ہے، ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا، ہم اس بات سے روکے گئے تھے، رسول اللہ (صلعم) کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے یا ہم اس کو برا نہیں سمجھتے تھے"۔ اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے، اور بعضوں نے یہاں تک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے ان کو لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول اللہ (صلعم) نے یہ فرمایا"۔ حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالہ نہیں ہیں۔ بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہیں۔ جس کی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے۔ فھم الصحابی لیس بحجۃ یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں"۔ اس بنا پر بعض علما نے اختلاف کیا اور کہا یہ الفاظ اتصال و رفع کے لیے کافی نہیں ہیں۔ امام شافعی ابن حزم ظاہری ابوبکر راضی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ یہ" فعل سنت ہے"۔ حدیث مرفوع نہیں قرار دیا، کتب سیر و احادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔ جن میں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کیے، وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود ان کا قیاس و اجتہاد تھا، لیکن

اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا اس خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اس کی بناء پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کر دی جس کی وجہ سے ایک عام شبہ پیدا ہو گیا۔

معنعن حدیثوں کے بارے میں

معنعن روائتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے، حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں، امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہم زماں اور کبھی ملے بھی تھے، تو وہ حدیث متصل سمجھی جائے گی، امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ تر انہی کے طریقے کے پیرو تھے، تاہم انہوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی ہم زماں ہونا کافی سمجھا[1]، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن میں لقا ثابت نہیں ہے مقطوع ہیں، حالانکہ امام مسلم ان کو متصل سمجھتے ہیں اور اس پر ان کو یہاں تک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی، لیکن امام بخاری کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے۔ یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہم زمان اور ہم لقا ہوں تو ان کی روائتیں ہمیشہ بالذات ہوں، جہاں حدثنا اور اخبرنا ہوگا وہاں ایسا ہونا البتہ ضرور ہے، لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے "عن" کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس غالب ہوگا۔ لیکن یقینی نہ ہوگا، حدیث و سیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں ملاقات بھی تھی، تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روائتیں بواسطہ کیں، روزمرہ کے تجربوں میں اس کی سینکڑوں شہادتیں ملتی ہیں۔

رجال کی تنقید

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے، اخبار احاد کا تمام تر مدار رجال پر ہے، لیکن رجال کی تنقید و توثیق ایسا

ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے، ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت ثقہ، نہایت متدین، نہایت راست باز سمجھتے ہیں۔ اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ غیر ثقہ، ناقابلِ اعتبار خیال کرتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوتے ہیں، جن کی عظمت و شان سے انکار نہیں کیا جا سکتا، امام بخاری و مسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں ہے، تاہم بہت سے رواۃ ہیں۔ جن کو ان دونوں اماموں میں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے اور دوسرا نہیں سمجھتا، علامہ نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں بعضوں کے نام بھی لکھے ہیں اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے۔ اور امام بخاری نے جامع صحیح میں ان سے حجت نہیں لی، ۶۲۵ ہے۔

راویوں کی جرح و تعدیل میں اختلاف

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جن کی جرح و تعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا، کسی شخص کے ان اوصاف و عادات پر مطلع ہونا جن کا اثر روایت کی قوت و ضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے، جو لوگ جرح و تعدیل کے کام میں مصروف تھے، سینکڑوں ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے، اسی مختلف قرائن، ظاہری آثار، عام شہرت، سمعی روایتوں سے کام لینا پڑتا ہے، اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا، اگرچہ محدثین نے معارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دیئے ہیں، لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے، جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے، لیکن بہت سے رواۃ ہیں جن کی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی۔ محمد بن بشار مصری احمد بن صالح مصری، عکرمہ مولیٰ ابن عباسؓ کی نسبت مفصل جرحیں موجود

ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

تعجب یہ ہے کہ جارحین و معدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور ان کی رایوں میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے جس سے سخت تعجب پیدا ہوتا ہے، جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہے جس کا دعوے تھا کہ مجھ کو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں، ان کی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کی یہ رائیں ہیں۔

سفیان کا قول ہے کہ میں نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جابر جب اخبرنا و حدثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے تو میں تم سے گفتگو نہ کروں گا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو، لیکن اس بات میں کچھ شک نہ کرو، کہ جابر جعفی ثقہ ہیں اس کے مقابلہ میں اور ائمہ فن کی رائیں ہیں، جن کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہیں، کذاب ہے، وضاع ہے، چنانچہ اخیر فیصلہ جو محدثوں نے کیا وہ یہی ہے۔ کہ جابر کی روایت قابل اعتنا نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح و تعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ جن وسائل اور طرق سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جاسکتے تھے، ان کا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہوسکتا۔ اس لئے اس پر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہوسکتی۔

ادائے مطلب

ان امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے، رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے۔ کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی؟ چونکہ یہ مسلم ہے۔ کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایات کی

گئی ہیں۔ اس لیے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہو جاتی ہے، صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا، تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور ان کی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال نہ تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہ مل سکا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو، عمارؓ موجود تھے، انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ (صلعم) سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ یا عمار یعنی "اے عمار خدا سے ڈرو"۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے چنانچہ عمارؓ نے کہا کہ "اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کروں اخبار احاد کی بحث کو ہم نے قصداً اس لئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر ردو قدح کرتے ہیں، حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقتِ نظر پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اجتہادات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں، متواتر اور مشہور ہیں ان بحثوں میں مساع نہیں، انہی وجوہ اور اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہو گئیں معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا۔ ان کے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا، صرف شرط یہ لگائی کہ رواۃ ثقہ ہوں، اور انقطاع و شذوذ و علت نہ ہو بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں، لیکن جزئیاتِ احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں رکھتے، امام ابوحنیفہؒ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا۔ وہ نہایت معتدل اور ان کی دقتِ نظر کی بڑی دلیل ہے۔ انہوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہر بینوں کی طرح خوش اعتقادی سے اس کی قطعیت تسلیم کی امام صاحب کی یہ رائے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے۔

خبر واحد قطعی نہیں

حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ بن مسعودؓ نے متعدد مواقع پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لا سکنی ولا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لا ترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا ندری صدقت امکذبت

یعنی ایک عورت کی روایت کی بنا پر جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اس نے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب الٰہی کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فقہی احکام میں اس قاعدہ کی متعدد تفریعیں ہیں مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا ثابت نہیں ہو سکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے۔ البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے وجوب، تسنن و استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر نماز میں قرأت فاتحہ کو امام شافعیؒ فرض سمجھتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ واجب اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

اس قاعدہ کا اثر علم کلام کے مسائل پر

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے۔ اور یہی چیز ہے جس نے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہؒ کا مخالف بنا دیا تھا۔ امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا۔ کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں۔ ان کے خلاف اخبار احاد قابل اعتبار نہیں۔ مثلاً انبیاء کی عصمت اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس کے برخلاف جن روایتوں سے انبیاء کا مرتکب کبائر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے اصول کے موافق وہ روائتیں قابل اعتبار نہیں۔ اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ الٹی اور مخالفت کی۔ علامہ ابن عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب الکنی میں لکھا ہے:۔

كان من مذهب الامام ابی حنیفة فی اخبار احاد ان لا یقبل عنها
المخالف لاصول المجمع علیها فانکر علیها اصحاب الحدیث فاطرظ[1]

یعنی اخبار احاد میں امام ابو حنیفہؒ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابلِ قبول نہیں، اس پر اصحاب حدیث نے ان کی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔

---

[1] اس عبارت کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں نقل کیا۔

فقہ اور اس کے خصوصیات و ممیزات

اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، مغازی ان کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جس وقت تک ان کو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی، وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے۔ دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے۔ چنانچہ بانیٔ فقہ کا لقب امام ابوحنیفہ کو ملا۔ جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار تھے۔ اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہؒ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے۔ اس لئے ہم اس پر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا۔ اور خاص کر یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے جب اس کو پایا تو اس کی کیا حالت تھی۔

فقہ کی مختصر تاریخ

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا التقاط ہمارے لیے کافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ (صلعم) کے زمانہ میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں آنحضرت (صلعم) صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے۔ اور کچھ نہ بتاتے تھے۔ کہ یہ رکن ہے، یہ واجب ہے، یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا۔ یعنی صحابہ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کرتے تھے جس طرح رسول اللہ (صلعم) کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ (صلعم) کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انہوں

نے رسول اللہ (صلعم) کی زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے۔ جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں"۔ البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے۔ ان میں لوگ آنحضرت (صلعم) سے استفتا کرتے اور آنحضرت (صلعم) جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگوں نے کوئی کام کیا۔ اور آپ نے اس پر تحسین کی یا اس سے نارضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کے فتوے اکثر عام مجمعوں میں ہوتے تھے اور لوگ آنحضرت (صلعم) کے اقوال کو ملحوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت (صلعم) کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ "نماز ہوئی یا نہیں"۔ اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا۔ کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کے لئے جو اصول قرار دیئے جا سکتے تھے۔ ان پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلاف آرا ہوا۔ اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ (صلعم) کے زمانہ میں ان کا عین واقعہ بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط، تفریع حمل، نظیر، قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے، اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہوئے۔

صحابہ میں جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہہ کہلائے۔ ان میں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے عمرؓ، علیؓ، عبداللہؓ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعودؓ زیادہ تر کوفہ میں رہے۔ اور وہیں ان کے مسائل و احکام کی زیادہ تر ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ کا دارالعلوم بن گیا جس طرح کہ حضرت عمرؓ و عبداللہ بن عباسؓ کے تعلق سے حرمین کو دارالعلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

حضرت علیؓ بچپن سے رسول اللہ (صلعم) کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ اور جس قدر ان کو آں حضرت (صلعم) کے اقوال و افعال سے مطلع ہونے کا موقع ملا تھا کسی کو نہیں ملا تھا، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایۃ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ "میں آنحضرت (صلعم) سے کچھ دریافت کرتا تھا۔ تو بتاتے تھے۔ اور چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے"۔ اس کے ساتھ ذہانت، قوت استنباط ملکۂ استخراج ایسا بڑھا ہوا تھا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کا عام قول تھا کہ خدا نہ کرے کہ کوئی مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہ ہوں"۔ عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے، مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہم کو علیؓ کا فتویٰ مل جائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

عبداللہ بن مسعود

عبداللہ بن مسعودؓ بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے رسول اللہ (صلعم) کے ساتھ جس قدر جلوت اور خلوت میں ہمدم و ہمراز رہے تھے، بہت کم لوگ رہے ہوں گے۔ صحیح مسلم میں ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک (مدینہ) میں رہے۔ ہم نے عبداللہ بن مسعودؓ کو رسول اللہ (صلعم) کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ ہم ان کو رسول اللہ (صلعم) کے اہل بیت سے گمان کرتے رہے"۔ عبداللہ بن مسعودؓ کو دعویٰ تھا کہ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے۔ جس کی نسبت میں یہ نہ جانتا ہوں۔ کہ کس باب میں اُتری ہے"۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ

عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا۔" صحیح مسلم میں ہے۔ کہ انہوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں۔ کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں، شقیق اس جلسہ میں موجود تھے، وہ کہتے ہیں۔ کہ اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا، مگر کسی کو عبداللہ بن مسعودؓ کے دعویٰ کا منکر نہیں پایا۔

عبداللہ بن مسعودؓ باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے، اور ان کی درسگاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا۔ جن میں سے چند شخص یعنی اسود، عبیدہ، حارث، علقمہ نہایت نامور ہوئے۔ علقمہ رسول اللہ (صلعم) کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عائشہؓ سعدؓ حذیفہؓ خالد بن الولیدؓ خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، خاص کر عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں اس التزام سے رہے اور ان کے طور و طریقہ کے اس قدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگوں کا قول تھا۔ کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبداللہ بن مسعودؓ کو دیکھ لیا۔" خود عبداللہ بن مسعودؓ کا قول تھا۔ کہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں۔ میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں"۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تھا تو اسود تھے۔

ابراہیم نخعی

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی، یہاں تک کہ ان کو فقیہ العراق کا لقب ملا علم حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا کہ صیرفی الحدیث" کہلاتے تھے، امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں، ان کی وفات کے وقت کہا" ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا، جو ان سے زیادہ عالم اور فقیہ ہو"۔ اس پر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کیا حسن بصری اور ابن سیرین بھی۔ شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین پر کیا ختم ہے۔ بصرہ، کوفہ، شام، حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں رہا۔

ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تھا۔ جس کا ماخذ

حدیثِ نبوی اور حضرت علی اور عبداللہ بن مسعودؓ کے فتاویٰ تھے۔ یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا، لیکن ان کے شاگردوں کو اس کے مسائل زبانی یاد تھے، سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تھا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے، چنانچہ ان کے مرنے کے بعد فقہ کی مسندِ خلافت بھی انہی کو ملی، حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابوحنیفہؒ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتد بہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی، دوسرے جو کچھ تھا فن کی حیثیت سے نہ تھا نہ استنباط واستدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے۔ نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تھا، نہ قیاس اور شبیہ النظیر کے قاعدے مقرر تھے، مختصر یہ کہ فقہ جزئیات کے مسائل کا نام اور اس کو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لئے بہت سے زینے باقی تھے۔

امام ابوحنیفہ کو فقہ کی تدوین کا خیال کیونکر پیدا ہوا؟

تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا، قلائد العقود العقیان کے مصنف نے انموذج القتال سے اس کا ایک قصہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھتے گئے، ایک ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی، اُس نے دے دی، یہ لے کر چلتا ہوا دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اس نے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی، اس نے عدالت میں استغاثہ کیا۔ قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے مل کر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھ کو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس

کرتا، حمامی گھبرایا ہوا امام صاحب ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ امام صاحب نے کہا کہ تم اس شخص سے کہو میں تمہاری امانت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن قاعدے کے موافق تنہا تم کو نہیں دے سکتا، شریک کو لاؤ تو لے جاؤ۔ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اس کی ترتیب شروع کی۔

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب دوسرے تھے، یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا یعنی جب اُن کے اُستاد حماد نے وفات پائی یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام میں تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا، عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے، اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعۂ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا، نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلّم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھی، ایسے وقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دے کر ایک فن بنا دیا جائے۔

امام ابوحنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقننانہ واقع ہوئی تھی، اس کے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے ان کو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا۔ اطراف و بلاد سے ہر روز جو سینکڑوں ضروری استفتاء آتے تھے، ان سے ان کو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے، قضاۃ اور حکام، فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے ان کو اس فن کی تدوین اور ترتیب پر آمادہ کیا، ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی ہو جس کے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک تھے امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا، وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا، اس لئے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا، اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور شخص منتخب کئے، جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے، اُستادِ زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے۔ مثلاً یحییٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حبان، مندل، حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے۔ امام زفر قوتِ استنباط میں مشہور تھے، قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا، امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی، امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی، چالیس تھے، جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد الطائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد التمیمی یحییٰ بن ابی زائدہ، امام طحاوی نے یہ بھی روایت لکھی ہے کہ:۔

لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی سنہ ۱۲۱ھ سے سنہ ۱۵۰ھ تک جو امام ابو حنیفہ کی وفات کا سال ہے، لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع سے اس کام میں شریک تھے، یحییٰ سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے، طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں، ان کے سوا عافیہ ازدی، ابو علی، عزمی، علی مسہر، قاسم بن معن، حبان مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

طریقۂ تدوین تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا مسئلہ پیش کیا جاتا تھا۔

اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا اور نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں، کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی، امام صاحب بہت غور اور تحمل کے ساتھ سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا چٹا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے، اس وقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے، اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہ ہو لیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

عافیہ

جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحٰق سے روایت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آ لینے دو، جب وہ آ لیتے اور اتفاق کرتے، تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا، اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا، امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری، وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کا رواج

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ ابو المحاسن نے بیان کی ہے۔ یہ تھی اول باب الطہارۃ، باب الصلوٰۃ، باب الصوم پھر عبادات کے اور ابواب، اس کے بعد معاملات، سب سے اخیر میں باب المیراث۔

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آسکتا ہے، جس قدر اس کے اجزاء تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اس کی اشاعت ہوتی جاتی تھی، امام صاحب کی درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا، جس کے طلبہ نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوئے اور ان کے آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا، تعجب ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے، زائدہ کا بیان

ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے ان سے اجازت مانگ کر میں اس کو دیکھنے لگا تو ابو حنیفہؒ کی کتاب الرہن نکلی، میں نے تعجب سے پوچھا کہ "آپ ابو حنیفہؒ کی کتابیں دیکھتے ہیں"۔ بولے "کاش ان کی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں"۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اس وقت بڑے بڑے مدعیانِ فن موجود تھے اور ان میں بعض امام ابو حنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے، تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی، امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں۔

ان اصحاب الرای اظہروا مذہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار ولم یقدر احد عنہم الطعن فی اقاویل اصحاب الرائے۔

یعنی اصحاب الرائے ابو حنیفہ اور اُن کے تلامذہ نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے۔ دنیا محدثین اور راویانِ اخبار سے بھری ہوئی تھی۔ تاہم کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ان کے اقوال پر اعتراض کرتا"۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے، لیکن ہم کو زیادہ استقصا سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثناء ہے۔ کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابو حنیفہ کی کتاب الیسر کا رد لکھا تھا، جس کا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا۔

غالباً یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا، اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا، قلائد عقود الجمان کے مصنف نے کتاب الصیافہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کئے ان کی تعداد بارہ لاکھ نوّے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھے"۔ یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی، امام محمدؒ کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مجموعہ فقہ مرتب ہوا تھا وہ معدوم ہوگیا اگرچہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہوسکتا کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہوگئے تھے، رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ جس کا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہوگیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلتا، امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ "ابوحنیفہؒ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی، امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوگئے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تصنیفات ناپید ہوچکیں، امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں، اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں، امام اوزاعی، ابن جریج، ابن عروبہ، حماد بن ابی سلیمان کی تالیفات عین اسی زمانہ میں شائع ہوئیں، جب امام ابوحنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا، تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہے، امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا، لیکن قاضی ابویوسف و امام محمد نے انہی مسائل کو اس توضیح و تفصیل سے لکھا، اور ہر مسئلہ پر استدلال و برہان کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انہی کا رواج عام ہوگیا، اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہوگئے، ٹھیک اسی طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فراء، کسائی، خلیل، اخفش، ابوعبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہوگئیں، حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔

امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابویوسف کی تالیفات ہیں۔ جن کے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتی ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ، زفر، قاضی ابویوسف، امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے، قاضی ابویوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے فقہائے حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ ہم نے جو اقوال امام ابوحنیفہ کے خلاف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال ہیں کیوں کہ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رایں ظاہر کی تھیں۔ یہ اُن فقہا کا حسن ظن ہے، قاضی ابویوسف اور امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے، اور ان کو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا۔ اسلام کی ترقیاں اسی وقت تک رہیں کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

یہ مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں، نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے، عرب میں تو چنداں ان مسائل کو رواج نہ ہوا، کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں اور ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے، لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی، عموماً ان ہی کا طریقہ جاری ہوگیا، ہندوستان، سندھ، کابل، بخارا وغیرہ میں تو ان کے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا رواج ہوا، لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا، البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہوگیا، اور اس کے خاص اسباب تھے، مثلاً افریقہ میں ۴۰۵ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے ۴۰۶ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت قائم کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دے دیا کہ آج تک قائم ہے۔[1]

سلاطین اکثر حنفی تھے

ایک خاص بات یہ ہے کہ عثمان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے۔

خلفائے عباسیہ اس بحث سے خارج ہیں کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی ان کا دعویٰ اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے۔ کہ ان کے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابو حنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا۔ اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا، حنفی المذہب تھا[1] عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا، اکثر حنفی تھے، خاندان سلجوقی جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جن کے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا، محمود غزنوی جس کے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا، فن فقہ میں اس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جس کا نام التفریدہ ہے اور جس میں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں۔

نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے، وہ ہمارے ہیرو زمیں داخل ہے بیت المقدس کی لڑائیوں میں اوّل اسی نے نام حاصل کیا، صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس اسی کے دربار میں ملازم تھا، دنیا میں پہلا دار الحدیث اسی نے قائم کیا، اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی عزت کرتا تھا، لیکن وہ خود اور اسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا، صلاح الدین خود شافعی تھا، لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے، الملک المعظم عیسیٰ بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا، علامہ ابن خلکان اس کے حالات میں لکھتے ہیں کہ "وہ نہایت، عالی ہمت، فاضل، ہوشمند، دلیر، پر رعب تھا، اور حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا" چراکسہ مصر نویں صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۱۴۸ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں خود حنفی تھے اور ان کے

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز

دربار میں اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا سلاطینِ ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم کے فرمانروا رہے اور صدیوں انہی کی سلطنت اسلام کی عزت و وقار کی امید گاہ رہی۔ عموماً حنفی تھے، خود ہمارے ہندوستان کے فرمانروا خوانین اور آلِ تیمور اسی مذہب کے پابند رہے۔ اور ان کی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ کو رواج نہ ہو سکا۔

حنفی مذہب کے حسنِ قبولیت کا سبب

بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا، ابن حزم جو اربابِ ظاہر کے مشہور امام ہیں ان کا قول ہے کہ "دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا، ایک ابوحنیفہ کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدۂ قضا پر مقرر کیا، دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں ——— کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ اصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی شخص بے ان کے مشورے کے عہدۂ قضا پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا، وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔"

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے، امام ابوحنیفہ سنہ ۱۲۰ھ میں مسندِ اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابو یوسف نے سنہ ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ ان کے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو سنہ ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا، قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا، جس میں امام ابوحنیفہ کے مذہب نے قبولِ عام حاصل کر لیا تھا اور ان کے سینکڑوں شاگرد قضا کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے، اس کامیابی کو کس طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابو یوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ

عروج ہوا لیکن مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا۔ امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ ثم انہ لما قوی مذھب اصحاب الرای و اشتھر و عظم وقعتہ فی القلوب ثم اتفق اتصال ابی یوسف و محمد بخدمۃ ھارون الرشید عظمت ملک القوۃ جدا لان العلم و السلطنۃ حصلا معاً یعنی اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہو گیا اور شہرت پکڑے گیا اور اس کی وقعت دلوں میں بہت ہی زیادہ بڑھ گئی کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔"

اس کے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محمد و دیعا دیر پا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟ یوں تو بعض اور ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت عروج حاصل کیا تھا، امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانہ بعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عموماً ان ہی کی تقلید کرتے تھے، لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا، ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

دوسرے مجتہدین کے رواج مذہب کے اسباب

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں، ابو حنیفہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل، مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی و عمدگی پر ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس امر میں واضع فقہ کے ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے، ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہ کے سوا اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر ان کی ذاتی خصوصیتیں تھیں، مثلاً امام مالک مدینہ کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دار الخلافہ رہ چکا تھا، اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی، ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا ان کے دادا مالک بن

ابی عامر نے بڑے بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھیں تھیں، ان کے چچا شیخ الحدیث تھے۔ امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا کیا تو یہ عارضی اوصاف ان کی ذاتی قابلیت کا طرۂ بن کر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف و دیار میں ان کی شہرت کا سکہ جم گیا۔

امام شافعی کو اور بھی زیادہ خصوصیتیں حاصل تھیں، مکہ معظمہ وطن تھا، باپ کی طرف سے قریشی اور مطلبی اور ماں کی طرف سے ہاشمی تھے، ان کا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا، ان کے پردادا، سائب جنگ بدر میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہو کر اسلام لائے تھے، مکہ معظمہ کی ولایت، خاندان کا اعزاز رسول اللہ (صلعم) کی ہم نسبی، ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھ کر حسن قبول اور مرجعیت کے لئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی، قریشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدر ہوتا، آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود بھی تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی کوفہ جو اُن کا مقام ولادت تھا گو دار العلم تھا لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر کیونکر ہو سکتا تھا، بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایات کا ایک گروہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ تھا، غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے، باوجود اس کے ان کی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اُن کا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے لیے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا۔ اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر ان کی فقہ کو مناسبت تھی۔ کسی کی فقہ کو نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انہی ملکوں میں رواج ہوا جہاں تہذیب و تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ بتاتے ہیں۔ کہ مغرب و اندلس میں امام مالک

مذہب کیوں زیادہ رائج ہوا' وہ دیکھتے ہیں کہ مغرب و اندلس میں ہدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالک کی فقہ کے سوا اور کسی نہ ہو سکا۔

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ ان کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں، اس زمانہ کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا، اور جزئیات کی تفریع کی جو حالت ہو سکتی ہے، وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی تھی۔ اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری' تعزیرات' لگان مال گذاری' شہادت معاہدہ اوراثت' وصیت اور بہت سے قوانین شامل تھے اس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی' انہی اصول پر قائم تھی۔ اور اس کے عہد کے تمام واقعات اور معاملات انہی قوانین کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

مسائل فقہ کی تفسیر

یہ قانون جس کو فقہ کہتے ہیں، دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اور اس لحاظ سے اس کی دو مختلف حیثیتیں ہیں

۱۔ وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہیں۔

۲۔ وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے، اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یا جن کا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اس اعتبار سے اس کے لئے جس قسم کی قابلیت درکار ہے۔ وہ مہارت زبان و لغت نصوص' قوت استنباط' توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے۔ لیکن تشریعی طور پر نہیں۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے۔

اور اس لحاظ سے اس کی قابلیت اس رتبہ کی ہونی چاہیئے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسری سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گذرے ہیں، جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسر یا شارح تھے۔ لیکن مقننانہ قابلیت سے معرا تھے۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی گذرے ہیں، جو مقنن اور واضع قانون تھے۔ لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جا سکتے تھے، جہاں تک کہ ہماری واقفیت ہے۔ اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہؒ میں جمع کر دی تھیں، کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں۔

علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام امام صاحب نے جو کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قائم کرنا تھا۔

تشریعی و غیر تشریعی احادیث کا فرق

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو مسئلہ روایت ہے منضبط کئے گئے۔ ان میں بہت سے ایسے امور تھے، جن کو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ لیکن بطور ایک اصطلاح کے ان سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا، اور اس خیال سے ان پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، کہ آنحضرت (صلعم) سے جو کچھ روایت کیا گیا ہے۔ اور کتب حدیث میں اس کی تدوین ہوئی ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔ جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اسی بارہ میں یہ آیت اتری ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ یعنی "پیغمبر جو تم کو دے اس کو اختیار کرو۔ اور جس چیز سے روکے اس سے باز آؤ"۔

۲۔ جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں، چنانچہ ان کی نسبت آنحضرت (صلعم) نے ارشاد فرمایا ہے۔ انما انا بشر اذا امرتکم بشی من دینکم فخذوہ واذا امرتکم بشی من رائی فانما انا بشر "یعنی میں ایک آدمی ہوں۔ جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اس کے پابند رہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں"۔ اس دوسری قسم میں وہ افعال داخل ہیں۔ جو آنحضرت (صلعم) سے جبلتاً صادر ہوئے نہ عبادۃً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں۔ جو آنحضرت صلعم نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خزانہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں۔ جو آنحضرت (صلعم) نے اس وقت مصلحت جزی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں۔ مثلاً فوجوں کی تیاری اور شعار کی تعیین، اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا۔ کہ اب رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس قوم کو دکھانے کے لئے ہم رمل کرتے تھے اس کو خدا نے ہلاک کر دیا"۔ اور آنحضرت (صلعم) کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اس کے ہتھیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا، یہ وہی نکتہ ہے۔ جس کی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا۔ اسی بناء پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ، خروج النساء الی العیدین، نفاذ طلاق، تعیین جزیہ، تشخیص خراج، تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں۔ ان کو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے۔ لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

حنفی فقہ کو مقابلہ اور فقہوں کے بہت بڑی خصوصیت جو حاصل ہے۔ وہ یہی ہے کہ اس کے مسائل عموماً اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس میں وہ وسعت

اور آزادی پائی جاتی ہے، جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی، یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اس پر لحاظ نہیں کیا، اور اگر خلفائے راشدین کی نظیریں موجود نہ ہوتیں تو شاید امام ابو حنیفہ کو بھی اس کے اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جن کو ان کے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا، اس عمدہ اصول کی پیروی نہ کی، اور اسی غلط خیال پر قائم رہے، لیکن اس میں کون شبہ کر سکتا ہے، کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

جو مسائل تشریعی مسائل نہیں ہیں

خلفائے راشدین سے بڑھ کر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہو سکتا ہے، انہوں نے کیا کیا! حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک، امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہو چکی ہو، عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت (صلعم) نے تبوک کے سفر میں غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا، حضرت عمرؓ نے ایران میں ۴۸، ۲۴، ۱۲ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آں حضرت (صلعم) مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگاتے تھے، خلفائے راشدین میں سے کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیوں کو کبھی حصہ نہیں دیا۔ آنحضرت (صلعم) کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں منادی کرا دی، کہ تین طلاق بائن سمجھی جائے گی۔ آنحضرت (صلعم) کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس کی حد چالیس درے قرار دیئے اور حضرت عمرؓ نے بسبب اس کے کہ ان کے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا، چالیس سے اسی درے کر دیئے، یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں اور جن کے

ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا، لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آن حضرت (صلعم) کا تشریعی حکم سمجھ کر اس کی مخالفت کرتے تھے۔ اگر نعوذ باللہ ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے، بلکہ عیاذاً باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حریف اور مقابل تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ رات دن آنحضرت (صلعم) کی خدمت میں حاضر رہتے تھے، اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے اداشناس ہوگئے تھے، ان کو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں، اور کون سے اس حد میں داخل ہیں، جن کی نسبت آں حضرت (صلعم) نے فرمایا تھا کہ انتم علم بامور دینا کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت (صلعم) کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت نہ دیتے۔ یہ صریح اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ کی اس اجازت کو تشریعی اور لازمی قرار نہیں قرار دیا، ورنہ زمانہ اور حالات کے اختلاف سے اس پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

امام ابو حنیفہ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا اور اس قسم کے مسائل میں ان کی رائے عموماً خلفائے کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابو حنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں، طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ "رسول اللہ کے مقابلے میں بے چارے عمرؓ کی کیا حقیقت ہے"۔ لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسولؐ کے مقابلہ میں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق امام ابو حنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط

تھا، جس کی وجہ سے فقہ (جواب تک جزئیات مسائل کا نام تھا۔ ایک مستقل فن بن گیا' امام ابوحنیفہؒ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر اور تعجب انگیز ہے۔ وہ ان قواعد کی تجدید اور انضباط ہے۔ ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت میں تھے یہاں تک کہ نقل و کتابت کا بھی رواج نہ تھا۔ ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالنی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا۔

عام خیال یہ ہے کہ یہ قواعد جن کو اب اصولِ فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کئے' یہ دعویٰ اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور سے حیز تحریر میں نہیں آئے تھے' لیکن اصل فن کی بنیاد امام شافعیؒ سے بہت پہلے پڑ چکی تھی' اور اگر تحریر کی قید اٹھا دی جائے تو امام ابوحنیفہ اس کے موجد کہے جا سکتے ہیں۔

استنباطِ احکام کی ابتدا

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی۔ لیکن استنباط اور استخراج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا۔ جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا اور کسی قسم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ ان کا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اس کے کیا شرائط اور قیود ہیں' اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کیے جاتے نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں۔ نہ کچھ اصول مضبط ہوئے تھے۔

واصل بن عطاء نے فقہ کے بعض قاعدے بیان کیے

بنی امیہ کے اخیر دور میں کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں' چنانچہ واصل بن عطا نے جو علمِ کلام کا موجد تھا' احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ "حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں۔ قرآنِ ناطق' حدیث متفق علیہ

اجماعِ اُمت، عقل و حجت (یعنی قیاس) واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں" نسخ صرف اوامر و نواہی میں ہو سکتا ہے اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں"۔

ان مسائل کے لحاظ سے اصولِ فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہو گی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کرنے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فنِ نحو کے موجد ہیں۔ بہرحال امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا، اُس سے زیادہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا اس لئے استنباط اور استخراجِ مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔

اصولِ فقہ کی کلیات

اگرچہ زمانہ مابعد میں اصولِ فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے ہیں جن کا امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جن پر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے اصول اربعہ کی توضیح، حدیث کے مراتب اور ان کے احکام، جرح و تعدیل کے اصول اجماع کے حدود و ضوابط، قیاس کے احکام و شرائط، احکام کی تشریح عموم و خصوص کی تحدید، رفع تعارض کے قواعد، فہم مراد کے طرق یہ ایسے مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں، ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیئے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیئے ان کو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں، ان کے علاوہ اور ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیئے تھے مثلاً۔

ما لم یثبت بالتواتر لیس بقرآن الزیادۃ نسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر واحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن لا یتخصص بالاحاد العام قطعی کالخاص ان کان متاخرا خصص العام وان کان مقدما فلا بل کان العام ناسخا للخاص وان کان جہل التاریخ تساقطا یطلب دلیل اخر مفہوم لا یحتج بہ لا تدل علی البطلان۔

امام صاحب کے یہ اقوال ان شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ وحنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جن کو اگر ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[1]۔ یہی اصول ہیں جن کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک خاص طریقہ اجتہاد کے بانی ہیں، انہی اصول کے اتحاد کی بنا پر امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ جزئیات مسائل میں لوگوں نے سینکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

ان اصولی مسائل پر بوجہ اس کے کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے ان سے مخالفت کی ہے، نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں، افسوس ہے کہ ہماری مختصر بحث میں ان کی گنجائش نہیں، اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں، جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں

---

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں، ان سب کی نسبت یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابو حنیفہؒ کے اقوال ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے۔ لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے۔ جو بروایت صحیح امام صاحب سے ثابت ہیں۔

فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مفسر اور مستنبط کی حیثیت ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اس باب میں امام نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔ دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جن کے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ ان کتابوں سے اخذِ احکام کرتے ہیں۔ لیکن کوئی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے استنباطِ مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اس کو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ حنفی تعزیرات و قوانین ملکی کی حیثیت سے

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے، پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جس میں امام ابو حنیفہؒ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ ہے۔ کہ اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گذرا ہے۔ تو وہ صرف امام ابو حنیفہ ہیں امام ابو حنیفہؒ اس وصف میں اپنے ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے، مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات ان کی نگاہ سے گذر چکے تھے ان کی مجلس افتا بہت بڑی عدالتِ عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی۔ اور ارکانِ سلطنت، مہمات امور میں ان سے مشورہ لیتے تھے، ان کے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سینکڑوں سے زیادہ تھی، عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور رہتے تھے، ان باتوں کے ساتھ خود ان کی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی، وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اس کے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعات سے ہو سکتا ہے، جن کا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے۔

اب ہم ان خصوصیتوں کا ذکر کرتے ہیں، جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

فقہ حنفی کا اصول عقلی کے موافق ہونا

(۱) سب سے مقدم اور قابلِ قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے

مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے۔ ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے۔ مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لئے ناپسندیدہ ہیں۔ کہ شریعت نے ان سے منع کیا ہے' اور خیرات و زکوٰۃ صرف اس لیے مستحسن ہیں کہ شارع نے اس کی تاکید کی ہے' ورنہ فی نفسہ یہ افعال برے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعیؒ کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں' علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے' لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں' یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اس کے کہ اس کے دونوں پہلو بڑے بڑے علماء نے اختیار کیے ہیں۔ ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا' تمام مہمات مسائل کی مصلحت اور غایت خود کلام الٰہی میں مذکور ہے۔ کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ روزہ کی فرضیت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ جہاد کی نسبت فرمایا حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جا بجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ ان کی غرض و غایت کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول ان کے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے۔ اسی کا اثر ہے۔ کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے۔ اور کوئی فقہ نہیں' امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں تھے' اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے۔ اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق خبر سے ثابت کیا جائے' محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے۔ اور

اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی ہے، لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے"۔ امام محمد نے بھی کتاب الحج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے، یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں، اور ہر جگہ ملتی ہیں، جس کو تفصیل مقصود ہو، ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

اس دعویٰ سے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے، شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے، ان کے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر ان کی خوبی ہے۔

امام رازی کا استدلال

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا ہے، کہ امام شافعی کا مذہب امام ابوحنیفہ سے زیادہ صحیح ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل وقیاس سے بعید ہے اور یہی اس کی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل ورائے کو دخل نہیں۔

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابوحنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا۔ دوسرے ائمہ جنہوں نے فقہ کی تدوین وترتیب کی ان کی علمی ابتدا افتی مسائل سے ہوئی تھی، بخلاف اس کے امام ابوحنیفہؒ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جس کی ممارست نے ان کی قوت فکر اور حدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ معتزلہ وغیرہ جن سے ان کے معرکے رہتے تھے، عقلی اصول کے پابند تھے اس لئے امام صاحب کو بھی ان کے مقابلہ میں انہی اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح واسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں۔ اس غور اور تدقیق، مشق ومہارت سے ان کو ثابت ہو گیا تھا۔ کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول

عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں بھی وہی جستجو رہی۔

حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات عبادات میں بھی جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو دخل نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کیے گئے ہیں، اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہوگا۔ جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصل غرض کیا ہے (یعنی خضوع، اظہار تعبد، اقرار عظمت الٰہی دعا) اور اس کے حاصل ہونے میں کن افعال کو کس نسبت سے دخل ہے؟ ان افعال کے مراتب مختلف ہیں، بعض لازمی اور ضروری ہیں، کیونکہ ان کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے۔ ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض افعال ایسے ہیں، جو طریقہ ادا میں صرف ایک حسن و خوبی پیدا کرتے ہیں۔ لیکن ان کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی، ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے اور ان کو سنت و مستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض و واجب و سنت کی تصریح نہیں فرمائی، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا تھا، کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے، اس لیے تمام مجتہدین نے ان کے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط و اجتہاد کی رو سے ان افعال کے مختلف مدارج قائم کیے

اور ان کے جدا جدا نام رکھے، امام ابوحنیفہؒ نے بھی ایسا ہی کیا، لیکن اس باب میں ان کو اور آئمہ پر جو ترجیح ہے، وہ یہ ہے کہ انہوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا۔ درحقیقت ان کا وہی رتبہ تھا۔ مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جن کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی، کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے۔ اس لیے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت، تکبیر، قرأت، رکوع، سجود وغیرہ جن سے بڑھ کر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا، فرض اور لازمی ہیں۔ اور خود شارع نے ان کے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کیے بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ ارکان کی ادا کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دے دیا، حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں۔ اس لئے امام ابوحنیفہؒ ان کی فرضیت کے قائل نہیں۔ مثلاً

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہُ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہو سکتی ہے، جو اس کے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اَعظَمُ اللہُ اَجَلُّ) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہو سکتی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرأت کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے، وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1]

---

[1] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر یہ سخت اعتراض کیا ہے۔ کہ وہ قرآن کی حقیقت و مفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے۔ یعنی ان کے نزدیک صرف قرآن کے معنی پر قرآن کا اطلاق ہو سکتا ہے"۔ بے شبہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہ حنیفہ نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہو سکتی۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہؒ یا کسی مجتہد نے صرف عقل و قیاس سے نماز کے ارکان متعین کیے ہیں۔ ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لیے عموماً احادیث کی تصریحات و اشارات سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بہ تفصیل مذکور ہیں، ہمارا یہ مطلب ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تصریحیں اور اشارے موجود ہیں اسی طرح عقلی وجوہ بھی ان کی صحت کے شاہد ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار و مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل اور فقہ حنفی

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے۔ زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع انسان کی ہمدردی اور اعانت ہے، اسی لیے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں، یعنی فقرا و مساکین، عمالِ زکوٰۃ مولفۃ القلوب، مقروض، مسافر، غازی، مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے۔ اسی لئے اس امر میں سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں لیکن تعیین نے ایک اختلاف پیدا کر دیا، امام شافعیؒ نے ان اقسام کے ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں۔ یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کی جائے، فرض ادا ہی نہیں ہو سکتا، بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے باقی یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا بعض کو، یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے۔ امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

حنفی فقہ کا آسان اور سہل ہونا

۲۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور سیر التعمیل ہے۔

قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ "خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا"۔ رسول اللہ (صلعم) کا قول ہے۔ کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہے"۔ بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اس میں عباداتِ شاقہ نہیں ہیں۔ اس کے مسائل آسان اور سیر التعمیل ہیں، حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں۔ جو شریعت سہلہ کی شان ہے۔ بخلاف اس کے اور ائمہ کے بہت سے احکام بہت سخت اور عسیر التعمیل ہیں۔ مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں اور قیدیں لگائی ہیں، جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی، ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کے جزئیات سے معلوم ہوگا۔ کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب کس قدر آسان اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ

امام ابو حنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
سامجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	کاٹا جائے گا۔
نادان بچہ کا قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے
کفن چور پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً چچا بھائی وغیرہ پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے
ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اس کا مالک ہو گیا تو قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی و امام مالک کے نزدیک ہے
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں۔ ان کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

Go to P 187

۳۔ فقہ کا بہت بڑا | فقہ حنفی کے قاعدے نہایت وسیع اور تمدن کے موافق ہیں

حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں، معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے، جہاں ہر مجتہد کی وقتِ نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

امام شافعی ہبہ کے لئے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے، شفعۂ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں، گواہان نکاح کے لیے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی ان کی شہادت جائز نہیں قرار دیتے، بے شبہ یہ باتیں ان ممالک میں آسانی سے چل سکتی ہیں، جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ اور نیچرل حالت میں ہیں، لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو۔ معاملات کی مختلف پیچ در پیچ صورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں، حقوق کی تحدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو، وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہؒ امام شافعی سے مخالف ہیں، مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے۔ کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پا سکا، جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی۔ اس کی وجہ یہی تھی۔ کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی۔

امام ابوحنیفہ نے جس وقت نظر اور نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے۔ اس کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہو سکتا ہے۔ کہ معاملات کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے، لیکن ایسی تفصیل کے لئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر صحبت میں اس کی گنجائش ہے۔

نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہیں۔ جو

عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کے مسائل

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے، ورنہ نکاح بوجہ اس کے کہ تمدن و معاشرت کے دور بڑے بڑے نتائج اس پر متفرع ہوتے ہیں، معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیے۔

۲۔ معاملۂ نکاح کس اعتبار سے ہونا چاہیے۔

۳۔ اس کی بقاء و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے

۴۔ فریقین کے بقاء و ثبات کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں۔

۵۔ نکاح کن دستورات اور رسومات کے ساتھ عمل میں آئے۔

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے، تھوڑے سے اختلافات کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ چند محرمات قریباً تمام مذہبوں میں مشترک ہیں، جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتم نے کتاب یوٹلٹی میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کیے ہیں، بالکل مشترک ہیں، چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں، اس سے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا، لیکن جو جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آئیں ان میں اختلاف پیدا ہو گیا، انہی میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابو حنیفہ اور اور امام شافعیؒ کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے امام شافعیؒ کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے، مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے

کا نکاح اس عورت سے ناجائز ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے' ان کی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے۔ اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کر سکتا امام ابوحنیفہ اس کے بالکل مخالف ہیں۔ ان کے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے

وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے۔ اس کو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں' اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو۔ اس کے ساتھ نکاح اور مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوءہ کا بھی یہی حال ہے' و علیٰ ہذا القیاس خود قرآن مجید میں اس کے اشارے موجود ہیں لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں' ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

معاملہ نکاح میں اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے۔ اور نکاح کے اثر کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعیؒ و امام احمد حنبلؒ کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہے۔ یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی' بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا' دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیئے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے' عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی' امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی مختار ہے۔ بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا تو بالغ ہو کر نکاح کو فسخ کر سکتی ہے۔

اس بحث پر امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے۔ لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہؒ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الا بولی پر استدلال

ہے، تو امام صاحب کی طرف الشیب احق بنفسھا من ولیھا و اکبر ستاذن فی نفسھا موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں ہے۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے۔ یہ اسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جائے، ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے، امام ابو حنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے، انہوں نے طریقہ انعقاد، تعین مہر، ایقاع طلاق، نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دیئے ہیں، ان سب میں اصول سے کام لیا ہے۔

اس باب میں سب سے مقدم ان کا یہ مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی "جب تک زوجین کی حالت استقامت پر ہے طلاق دینا حرام ہے، ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے تو اس کا طریقہ ایسا رکھا ہے، جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہ ہو یعنی یہ کہ تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے فیصل کے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے، اور مستحب یہی ہے، کہ باز آئے۔ اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہ ہو اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی برہمی کسی طرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے، طلاق کے بعد اس کو مہر ادا کرنا ہوگا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی، اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کرے گذر اور بسر اوقات کے لئے اس کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام معارف میں کام آئے، اس باب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں، ہم ان کو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں۔ جس سے اندازہ ہو

سکے گا۔ کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا اہتمام بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اس کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے۔

۱۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حرام نہیں۔

(۲) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے۔ اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔

(۲) امام شافعیؒ اور احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔

(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی، اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے ہے جس کو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے۔ جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا۔

(۳) امام شافعی و امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایک جبہ بھی مہر ہو سکتا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ مرد بے دریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے۔ اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہے گی۔ سخت تکالیف کا احتمال ہے۔

۴۔ خلوتِ صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔

۴۔ امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔

۵۔ جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔

۵۔ امام شافعیؒ و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔

۶۔ اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو جائے۔ تو عورت کو میراث ملے گی۔

۶۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ملے گی۔

۷۔ طلاقِ رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے۔ یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔

۷۔ امام شافعیؒ کے نزدیک حرام ہے، گویا وہ بائنہ ہو چکی۔

۸۔ رجعت کے لئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں، ہر فعل جس سے رضا مندی ظاہر ہو رجعت کے لئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی دی جائے۔ تاکہ رجعت بادنیٰ مصالحت ہو سکے۔

۸۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔

۹۔ رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں، ورنہ بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضاء ہے، تو طلاق بائن ہو جائے گی

۹۔ امام مالکؒ کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

Go to p192

نکاح کے قواعد مرتب ہونے کے لئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائیں، عورتوں کو مردوں کے ساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل نہ ہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہیئے نہ یہ کہ اس کے اصلی حقوق میں بھی زوال آئے۔ یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے۔ جس کی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں مل سکتی کہ اس نے معاملۂ نکاح میں عورتوں کے حقوق نہایت وسعت کے ساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس اصول کو تمام مسائل میں محفوظ رکھا ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ ان مسائل میں جہاں اور ائمہ نے ان سے

اختلاف کیا ہے، صریح غلطی کی ہے۔ مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

دستوراتِ نکاح

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے! ان رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں۔ اوّل یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعۂ عقد کا اشتہار ہو جائے ان اغراض کے لحاظ سے امام ابو حنیفہؒ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دیئے ہیں۔ یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں، جن سے ظاہر ہو کہ انہوں نے معاملۂ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقدِ نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے۔ یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں، جو ہر موقع پر استعمال کی جا سکتی ہیں، لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اس کے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں۔ جن کی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے۔ کہ گواہانِ نکاح عادل ہونے چاہئیں۔ ورنہ نکاح صحیح نہیں عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاص کر امام شافعی نے بیان کئے ہیں۔ اس کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے۔ اس لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جائے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈے سے نہ مل سکے۔ امام شافعی و امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں، لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں۔ اور یہی قرینِ عقل بھی ہے، امام شافعیؒ نے یہ بھی قید لگائی ہے۔ کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔ حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً ہبہ تملیک وغیرہ سب عقدِ نکاح کے لیے کافی ہیں۔

ذمیوں کے حقوق

ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ذمیوں یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں، لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں۔ نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور

یہی خصوصیت ہے، جس کی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی، اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں جابجا موجود ہے۔ لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہیں۔ اس کے علاوہ شارع کے بعض اقوال ظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تعبیر مطالب میں اختلاف پیدا ہوئے ہیں، تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابوحنیفہؒ نے کی ہے وہی صحیح ہے، اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہے اور اس کی حدودِ حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں، اس لیے اگر ان کے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کی جائے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں، دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے، یورپ جس کو اپنے قانون اور انصاف پر بڑا ناز ہے، بے شک زبانی دعوے کر سکتا ہے، لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا، حالانکہ امام ابوحنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے، اور خاص کر ہارون الرشید اعظم کی وسیع حکومت انہی احکام پر قائم تھی۔

سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے، یعنی اگر کوئی مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اس کے بدلے قتل کیا جائے گا، اور اگر غلطی سے قتل کیا ہے، تو جو خوں بہا مسلمانوں کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہے، وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئے گا۔

امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہے، کہ ان کے نزدیک ابوبکر صدیقؓ کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہے، یعنی اگر ابوبکر صدیقؓ بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کیے جانے کے مستحق تھے۔ حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعمیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہے، امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کر کے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی

ہے، لیکن ہم فخر کے ساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں، بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا، مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے، بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہے۔ کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا، اسلام کو اس انصاف پہ ناز ہو سکتا ہے اور اگر امام رازی کو عار آتی ہے تو آئے۔

خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا۔ حضرت علی کا قول ہے۔ من کانت لہ ذمینا فدمہ کدمائنا و دیتہ کدیتنا۔ یعنی "ذمی کا خون ہمارا خون ہے اور اس کی دیت ہماری دیت ہے"۔ "حضرت علیؓ" پر موقوف نہیں، تمام مہاجرین اور انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل درآمد تھا، عبید اللہ جو حضرت عمر فاروقؓ کے فرزند تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کے زخمی ہونے کے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جن پر ان کا شبہ تھا، قتل کر ڈالا، جب حضرت عثمانؓ مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارے میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیے۔

امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کے لئے جو قواعد مقرر کیے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کی طرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں اور ان سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائے گا، جس طرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہے۔ جزیہ جو ان کی محافظت کا ٹیکس ہے۔ اس کی شرح حسب حیثیت قائم کی جائے گی۔ مفلس شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مر جائے تو جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ ذمیوں کے معاملات انہی کی شریعت کے موافق فیصل کیے جائیں گے۔ یہاں تک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا۔ تو اسلامی گورنمنٹ اس نکاح کو اس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کرلے گی، ذمیوں کی شہادت ان کے باہمی مقدمات میں مقبول ہو گی۔ ذمیوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتے ہیں۔ تمام مسجدوں میں بغیر اجازت حاصل کرنے کے داخل ہو سکتے ہیں، بجز

ان خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کیے ہیں ہر جگہ وہ اپنی عبادت گاہ بنا سکتے ہیں۔ وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں۔ تو سپہ سالار ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اور ان سے ہر طرح اعانت لے سکتا ہے۔

اس قسم کے اور احکام ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر قرار دیئے ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انہوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی ہے۔ مثلاً اس امر میں کہ ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہو جاتا ہے۔ ان کا مذہب ہے۔ کہ بجز اس حالت کے کہ ان کے پاس جمعیت ہو اور وہ گورنمنٹ سے بمقابلہ پیش آئیں اور کسی صورت میں ان کے حقوق باطل نہیں ہوتے۔ مثلاً کوئی ذمی جزیہ ادا نہ کرے۔ یا مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو یا کافروں کی جاسوسی کرے۔ یا کسی مسلمان کو کفر کی ترغیب دے، یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو ان تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق ہوگا لیکن باغی نہ سمجھا جائے گا۔ اور اس کے حقوق باطل نہ ہوں گے۔

اب اس کے مقابلہ میں اور ائمہ کے مسائل دیکھو امام شافعیؒ کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بے جرم اور عمداً کسی ذمی کو قتل کیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہے گا صرف دیت دینی ہوگی یا مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ وہ بھی مسلمانوں کی دیت کا ایک ثلث اور امام مالک کے نزدیک نصف۔ تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جائے تو سال میں جتنی بار لے جائے ہر بار اس سے نیا ٹیکس لیا جائے گا۔

جزیہ کے متعلق امام شافعی کا مذہب ہے کہ کسی حال میں ایک اشرفی سے کم نہیں ہو سکتا، اور بوڑھے، اندھے، اپاہج، مفلس، تارک الدنیا تک اس سے معاف نہیں بلکہ امام شافعیؒ سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونے کی وجہ سے جزیہ نہیں ادا

کر سکتا، وہ اسلام کی عملداری میں نہ رہنے پائے۔ جزیہ جو ان پر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا۔ اس پر اضافہ ہو سکتا ہے، مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہو سکتی، ذمیوں کی شہادت گو فریقین مقدمہ ذمی ہوں، کسی حال میں مقبول نہیں، اس مسئلہ میں امام مالک و امام شافعی دونوں متفق الرائے ہیں۔

ذمی کبھی حرم میں داخل نہیں ہو سکتا، اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عام مسجدوں میں اجازت کے ساتھ داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اس کو بالکل اجازت نہیں مل سکتی، ذمی اسلامی حدود حکومت میں کہیں اپنی عبادت گاہ نہیں بنا سکتا۔

ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا اور وہ اسلامی فوج میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسی وقت اس کے تمام حقوق باطل ہو جائیں گے اور وہ کافر حربی سمجھا جائے گا۔ یہ احکام بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ خاص ہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک بت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں، جن کا تحمل ایک ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے۔ کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کے ساتھ نہ نبھ سکا، مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعیؒ تھا، لیکن اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے۔ کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں۔ جو نہایت سختی اور تنگ دلی پر مبنی ہیں، اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کیے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابو حنیفہ کے مسائل ہیں اس لئے غیر قوموں کو مذہب حنفی پر بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ ہدایہ میں

ہے کہ ذمیوں کو ضرور ہے کہ وہ وضع اور لباس میں مسلمانوں کی ہمسری نہ کریں، وہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں ہتھیار نہ لگائیں، زنار پہنیں، ان کے گھروں پر علامت بنا دی جائے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بے رحمانہ احکام ہیں۔ لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔ Note to p200

فقہ حنفی کا نصوص شرعی کے موافق ہونا

۵۔ ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں۔ اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے، ان میں امام ابوحنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتے ہے۔

نص کا لفظ قرآن، حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اور اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں۔ جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہم ان سے بحث نہیں کر سکتے۔ اور اس کے مختلف وجوہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت سے ہیں، جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا۔ اگر چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کیے جائیں تو بدگمانوں کو اس سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لئے اور ضعیف چھوڑ دیئے، دوسری بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہو سکتا۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم صحت کی پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی وہ چیز ہے۔ جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآراء کر دیا، ایک امام کے نزدیک ایک حدیث قابل حجت ہے اور دوسرے کے نزدیک نہیں، اس بحث کے تصفیہ کے لئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے۔ وہ بالکل ناکافی ہے، اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ

فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے۔ اس فن کی جو کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں، مثلاً تہذیب الکمال مزی، تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، طبقات الحفاظ، تہذیب الاسماء واللغات وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر ان کا سلسلہ سند مذکور نہیں، اس لئے محدثانہ حیثیت سے اس کے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہو سکتا، اس کے علاوہ اکثر جروح مبہم ہیں اور جن جرحوں کو مفسر قرار دیا ہے۔ وہ بھی ابہام سے خالی نہیں، قدمانے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں ان سے بلاشبہ یہ مباحث طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آئیں۔ علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں جس کو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا، اس لیے نزاع کا مدار صرف اس پر رہ جاتا ہے کہ جو مسئلہ اس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں۔ اس حالت میں بحث مختصر رہ جاتی ہے اور نہایت آسانی سے اس کا تصفیہ ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اور وہ فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں۔ تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائے گی، اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے، کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

اس بدگمانی کی تردید کہ فقہ حنفی کے مسائل حدیث کے مخالف ہیں | وجوہ

کی بنا پر اگرچہ ہم صرف ان مسائل پر اکتفا کرتے ہیں، جو قرآن سے ثابت ہیں۔ تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضرور ہے، جس سے بدگمانوں کو سوءظن کا موقع نہ ہو۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں۔ ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے۔ کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض الصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں۔ کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے بہت سی حدیثیں ان کو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے۔ امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں، لیکن جب جمع ہو چکیں، اس وقت بڑے بڑے محدثین ان کے مسائل کو کیوں صحیح تسلیم کرتے رہے، وکیع بن الجراح جن کی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جن کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ کہا کرتے تھے، کہ میں نے ان سے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا۔ وہ امام ابوحنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کے حال میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی۔

یحییٰ بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں۔ اکثر مسائل میں امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے۔ خود ان کا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ[1] امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے۔ اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے۔ پہلے شافعی تھے، پھر امام ابوحنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے۔ کہ میں ابوحنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھ کو ان سے توارد ہے، طحاوی، امام بخاری اور مسلم کے ہم زمان ہیں، اور یہ وہ زمانہ ہے۔ جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی حافظ زیلعی، ابن الہمام قاسم بن قطلو بغا وغیرہم کی نسبت تلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

---

[1] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح [2] التہذیب حافظ ابن حجرؒ ترجمہ امام ابوحنیفہ

اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کیے گئے ہیں، ان کے مسائل امام ابوحنیفہ سے کیوں موافق ہیں۔ طبقہ اولیٰ میں سب سے بڑے محدث امام احمد بن حنبل ہیں۔ جن کی شاگردی پر امام بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جن کی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ "جس حدیث کو احمد بن حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد بن حنبل بہت سے مسائل میں۔ امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ "فروع و جزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو پچیس مسئلوں میں ان کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ اتفاق ہے۔ اور امام شافعی سے اختلاف" ہم نے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے۔ جس سے خوارزمی کے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے۔ ان کے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابویوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان اکثر متابعۃ منی لابی حنیفہ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہؒ کی پیروی کرتے ہیں۔ صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں، جو زیادہ تر شافعیؒ کے مخالف اور ابوحنیفہؒ کے موافق ہیں۔

ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں

امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے، کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک و امام شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لئے نیا تیمم کرنا چاہیے امام صاحب کا استدلال ہے، کہ جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے۔ اور جب ہر نماز کے لئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی بھی تجدید کی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے، کہ ایک وضو سے کئی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں۔ لیکن وضو اور تیمم میں تفریق کرنی جیسا امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے

لہ اس قول کو حافظ ابوالمحاسن نے تلامذۃ العقیان میں نقل کیا ہے

تیمم کرنے والے کا اثنائے نماز میں پانی پر قادر ہونا

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں تیمم کرنے والے کو اگر پانی مل جائے تو تیمم جاتا رہے گا۔ امام مالک و احمد بن حنبل اس کے مخالف ہیں' امام صاحب کا استدلال یہ ہے۔ کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنی جب پانی نہ ملے صورت مذکورہ میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

باب الجنایات

جنایات کے باب میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں ان کی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی' زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے۔ اسلام نے نہایت خوبی سے اس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کیے جن سے بڑھ کر نہ کبھی ہوئے نہ ہو سکتے ہیں۔

جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول و قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا' جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے۔ کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کر اپنی عورت کے بدلے ان کے مرد کر اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کے دو مردوں کو قتل کرتے تھے۔ خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جس کا یہ مطلب ہے کہ:۔

قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائے گا۔ خواہ شریف ہو یا رذیل' مرد ہو یا عورت' غلام ہو یا آزاد' مسلم ہو یا ذمی' زیادہ توضیح کے لئے ان صورتوں کی خاص طور پر بھی نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثَى بِالْأُنْثَى

تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد کے بدلے آزاد غلام کے بدلے غلام۔ عورت عورت کے بدلے

زمانۂ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بدلے میں مالی معاوضہ دے دینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور اس کو دیت کہتے تھے۔ اسلام نے اس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے۔ صرف شبہ عمد اور قتل خطا کی حالت میں جائز رکھا۔ اور اس کی مقدار مسلمان و ذمی کے لئے یکساں مقرر کی۔ چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا:۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ۔

اور مسلمان کی شان نہیں ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے قتل کرے، تو اس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔ اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ مگر یہ کہ معاف کر دیں پھر اگر مقتول ان لوگوں میں سے ہو جو تم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اور وہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرنا ہوگا۔ اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان میثاق ہے، تو مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

نساء ۱۳

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور امام

ابو حنیفہؒ انہی احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جس کی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً ان کی غلطی ہے۔

✓ پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ و امام احمد بن حنبلؒ قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا۔ غلام اور آزاد میں ایسا بے رحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحُرُّ بالحُرِّ کی تخصیص سے استدلال ہے۔ تو الأُنثیٰ بالأُنثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جائے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے۔ کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں، حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی ان لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے۔ جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں۔ بے شبہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے۔ کہ اس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا۔ لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔

× تیسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے۔ دیت کی کہیں اجازت نہیں، اور یہی اقتضائے عقل ہے جاہلیت میں قتل، مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اس وجہ سے مالی معاوضہ اس کا بدل ہو سکتا تھا، لیکن اسلام ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

+ چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیتِ قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں، یعنی اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ بھی آگ سے جلا کر مارا جائے لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے۔ کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا، امام شافعی قصاص و کفارہ دونوں لازمی قرار دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کے ساتھ مخصوص ہے۔ قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں۔

وراثت وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی میں اختلاف ہے، ان مسائل میں امام ابو حنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور سے قرآن سے ثابت ہے، وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کیے ہیں وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں۔ اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں۔ جو علانیہ اس بات کی دلیل ہیں۔ کہ خدا کے سوا اور کوئی ان احکام کا واضع نہیں ہو سکتا وراثت کا اصلی اصول یہ ہے۔ کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دے جاتا تو اسی کو ملتی لیکن جب اس نے کوئی ہدایت نہیں کی تو اس پر لحاظ ہوگا کہ اس کے فطری تعلقات کن کن لوگوں کے ساتھ کس کس تفاوت کے ساتھ تھے، جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں۔ وہ اسی تفاوت درجات کے ساتھ اس کی جائداد کے مالک ہوں گے، گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے۔ جس نسبت سے میرے تعلقات ان کے ساتھ تھے دوسرا اصول جو پولیٹیکل اکانومی کا عام اصول ہے یہ کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم اس سے اچھا ہے۔ کہ وہ ایک شخص تک محدود ہے یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے اور اس وجہ سے ان کا قانون وراثت بھی ناتمام اور محدود رہ گیا، عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیوں کو کچھ دست برداشتہ ملتا ہے، ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن اسلام نے نہایت دقت نظر سے ان تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کے ساتھ ہیں اور اسی نسبت سے تین درجے قرار دیئے ہیں، ذوی الفروض، عصبات، ذوالارحام ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے اور خاص کر ذوالارحام کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ

امام ابوحنیفہؒ نے توریث کے احکام میں یہ تینوں مراتب قائم رکھے لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوالارحام کو سرے سے خارج کر دیا، چنانچہ ان کے نزدیک نانا بھتیجا، بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پا سکتے، ان بزرگوں نے ذوی الارحام عام سمجھا ہے، اور ذوی الفروض وعصبات اس کے افراد قرار دیے ہیں، جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے، لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے۔

امام صاحب کے شاگردان رشید

امام صاحب کے بے شمار شاگردوں میں سے ہم ان چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے ہیں، جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے۔ لیکن۔ افسوس ہے کہ ہم ان میں سے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کر سکے، یعنی

۱۔ قاضی ابو یوسف

۲۔ زفر

۳۔ اسد بن عمر

۴۔ عافیۃ الازدی

۵۔ داؤد الطائی

۶۔ قاسم بن معن

۷۔ علی بن مسہر

۸۔ یحیی بن زکریا

۹۔ حبان

۱۰۔ مندل

۱۱۔ امام محمد

چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض ان شاگردوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے۔ چنانچہ ہم انہی سے شروع کرتے ہیں۔

امام صاحب کے وہ شاگرد جو محدّث وقت تھے

یحییٰ بن سعید القطان

فنِ رجال کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا' علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے۔ کہ فن رجال میں اوّل جس شخص نے لکھا۔ وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں' پھر ان کے بعد ان کے شاگردوں میں یحییٰ بن معین' علی بن المدینی' امام احمد بن حنبل' عمرو بن علی' الفلاس' ابوخیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی اور ان کے بعد شاگردوں یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے۔

حدیث میں ان کا یہ پایہ تھا' کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد بن حنبل' علی ابن المدینی وغیرہ مؤدب کھڑے ہو کر ان سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر سے جو ان کے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے[1] رہتے۔ راویوں کی تحقیق و تنقید میں یہ کمال پیدا کیا تھا' کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جس کو چھوڑ دیں گے' ہم بھی اس کو چھوڑ دیں گے[2]۔ امام احمد بن حنبل کا مشہور قول ہے کہ مَا رأیت بعینی مثل یحییٰ بن سعید القطان یعنی "میں نے اپنی آنکھوں سے یحییٰ کا مثل نہیں دیکھا"۔ اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے' اس زمانہ تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا۔ تاہم اکثر مسائل میں وہ امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے۔ خود ان کا قول ہے۔ قد اخذنا بالکثر اقوالہ[3] یعنی ہم نے امام ابوحنیفہؒ کے اکثر اقوال اخذ کئے" علامہ ذہبی نے

---

[1] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحییٰ بن القطان [2] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی
[3] خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن المبارک۔
[3] فتح المغیث

تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن الجراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے۔ یفتی بقول ابی حنیفۃ و کان یحییٰ القطان یفتی بقولہ ایضاً یعنی وکیع امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ سنہ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۸ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔

عبداللہ بن المبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں ان کا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے، وہ امام جس کی امامت و جلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے۔ جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے، جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جاسکتی ہے"۔

حدیث میں جو ان کا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ محدثین ان کو "امیر المومنین فی الحدیث" کے لقب سے پکارتے تھے، ایک موقع پر ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ان سے خطاب کیا کہ یا عالم المشرق" امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ "کیا غضب ہے۔ عالم مشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق والمغرب ہے۔ امام احمد حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی"۔ خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ "میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی"۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فن روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں۔ حدیث و فقہ میں ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج ان کا پتہ نہیں۔

ان کے فضل و کمال اور زہد و تقوے نے اس قدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے اُمرا اور سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا، ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا اسی

لہ تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی۔

لہ خلاصہ تہذیب الکمال

زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں۔ ہزاروں آدمی ساتھ ہوئے اور ہر طرف گرد چھا گئی۔ ہارون رشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی، حیرت زدہ ہو کر پوچھا یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے بتایا خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے"۔ بولی کہ حقیقت میں سلطنت اس کا نام ہے ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا"۔[1]

یہ امام ابوحنیفہؒ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں اور امام صاحب کے ساتھ ان کو خاص خلوص تھا۔ ان کو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھ کو حاصل ہوا امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا، ان کا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ و سفیان کنت کسائر الناس یعنی" اگر اللہ تعالےٰ نے ابوحنیفہؒ و سفیان ثوری کے ذریعہ سے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا" امام ابوحنیفہؒ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں چند اشعار نقل کیے ہیں۔ جن میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

رائیت اباحنیف حین تولی ویطلب علمہ بحرا غزیرا"[2]

مرو کے رہنے والے تھے، ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت میں وفات پائی۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی مائدہ مشہور محدث تھے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے۔ چنانچہ یحییٰ کو بھی انہی لوگوں میں داخل کیا ہے، اور ان کے طبقہ میں سب سے

---

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک

[2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہؒ

پہلے انہی کا نام لکھا ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور اُستاد ہیں۔ کہا کرتے تھے۔ کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا۔" صحاح ستہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں، وہ محدث اور فقیہ دونوں تھے۔ اور ان دونوں فنوں میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے۔ احد الفقہاء الکبار و المحدثین الاثبات۔

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک ان کے ساتھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابوحنیفہؒ کا لقب دیا ہے۔ یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے، امام طحاوی نے لکھا ہے کہ وہ تیس برس تک شریک رہے۔" اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ بہت دنوں تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاص کر تصنیف و تحریر کی خدمت انہی سے متعلق تھی[1]۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے۔ کہ کوفہ میں اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں۔" معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا، اس لئے لوگوں نے انہی کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مدائن میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہاں ۱۸۳ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کیے جاتے ہیں، امام احمد بن حنبل کو ان کی شاگردی پر فخر تھا، چنانچہ جب وہ ان کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے، تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے۔" یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے ان کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔" یحییٰ بن معین جو فن

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن جراح۔

[2] تہذیب الاسماء واللغات۔

رجال کے ایک رکن خیال کیے جاتے ہیں ان کا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کو وکیع پر ترجیح دوں[1]" اکثر ائمہ حدیث نے ان کی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اکثر ان کی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں، فن حدیث و رجال کے متعلق ان کی روائتیں نہایت مستند خیال کی جاتی ہیں۔

یہ امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد خاص تھے اور ان سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں، اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور انہی کے قول کے موافق فتویٰ دیتے تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کان یفتی بقول ابی حنیفہ وکان قد سمع منہ شیئا کثیرا۔ علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اس کی تصدیق کی ہے۔

۱۹۷ھ میں وفات پائی۔

داؤد الطائی

خدا نے عجیب حسن قبول دیا تھا، صوفیہ ان کو بڑا مرشد کامل مانتے ہیں، تذکرۃ الاولیاء میں ان کے مقامات عالیہ مذکور ہیں، فقہا اور خصوصاً فقہائے حنفیہ ان کے تفقہ اور اجتہاد کے قائل ہیں۔ محدثین کا قول ہے کہ ثقہ بلا نزاع[2] اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے، محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں ان کا قصہ بیان کرتا[3]

ابتداء میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی، پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے، ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری اس نے کہا" داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے" ان پر عجیب اثر ہوا، بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا، تاہم تحصیل علم کا مشغلہ جاری تھا، برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں، اور تمام چیزوں سے قطع تعلق کر لیا، امام محمد کا بیان ہے، کہ میں داؤد سے

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن جراح [2] تہذیب الاسماء واللغات
[3] میزان الاعتدال ذہبی [4] تاریخ ابن خلکان۔

اکثر مسئلے پوچھنے جاتا، اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ" بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں۔

یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں۔ خطیب بغدادی، ابن خلکان، علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں ان کے حالات لکھے ہیں۔ امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا ہے، تدوین فقہ میں بھی امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے۔

۱۹۰ھ میں وفات پائی۔

ان بزرگوں کے سوا اور بھی بہت سے نامور محدثین ہیں، مثلاً فضل بن دکیع، حمزہ ابن حبیب الزیات، ابراہیم بن طہمان سعید بن اوس، عمرو بن میمون، افضل ابن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں، لیکن ہم نے صرف ان لوگوں کا ذکر کیا ہے، جو تلامذۂ خاص کہے جاسکتے ہیں۔ اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

امام صاحب کے شاگردوں میں جو فقہ کے امام بنے

قاضی ابو یوسف ۱۱۳ - ۱۸۲ھ

ان کی منزلت اور عظمت و شان اس قابل تھی کہ ان کا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی ان کے علمی کمالات کا اندازہ بھی ہو سکتا تھا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں، خدا کسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہے، کہ ان کی مختصر تاریخ لکھ دوں، جس سے ان کی لائق اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے۔

نسب اور ولادت

ان کا نسب انصار سے ملتا ہے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ سعد بن حبتہ رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے تھے، ان کے باپ ایک غریب آدمی تھے، اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔ یہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے، ان کو اگرچہ بچپن سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، لیکن باپ کی مرضی نہ تھی، وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں، تاہم جب قاضی صاحب موقع اور فرصت پاتے علماء کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہؒ کے حلقہ درس میں حاضر تھے کہ باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اُٹھا لائے، گھر پہ آکر سمجھایا کہ "بیٹا" ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے۔ تم ان کی ریس کیوں کرتے ہو"۔ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ "یعقوب اب نہیں آتے"۔ ان کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی، امام صاحب نے

چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی، گھر پر آکر دیکھا تو اس میں سو درہم تھے، امام صاحب نے ان سے یہ بھی کہہ دیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا، اس طرح برابر ان کو مدد دیتے رہے، یہاں تک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا، اور اُستاد وقت بن گئے۔

قاضی صاحب نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی، اعمش، ہشام بن عروہ سلیمان تیمی، ابو اسحٰق شیبانی، یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں، محمد بن اسحٰق سے مغازی وسیر پڑھی، محمد بن ابی لیلےٰ سے مسائل سیکھے، خدا نے ذہن وحافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے، حافظ ابن عبدالبر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ "ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے"۔

امام صاحب جب تک زندہ رہے، قاضی صاحب ان کے حلقہ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا، چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں ان کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اس کے جانشین ہادی نے بھی ان کو اسی عہدہ پر بحال رکھا، لیکن ہارون الرشید نے اُن کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا، بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن ابی داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں ان کی تفصیل خود ان کی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی، محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ ان کی زبان پر تھے۔ اے خدا تو

جانتا ہے، کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا، میری ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبرؐ کے طریقہ کے موافق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابوحنیفہ کو واسطہ بناتا تھا۔ اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہے، ابوحنیفہؒ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نہ جاتے تھے، قاضی صاحب بہت بڑے دولت مند تھے، لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا، مرتے وقت وصیت کی چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بغداد کے محتاجوں کو دیئے جائیں۔

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے، اگرچہ ان کی شہرت زیادہ تر ترتیب فقہ میں ہوئی، لیکن اور علوم میں بھی وہ اپنے آپ ہی نظیر تھے، مورخ ابن خلکان نے ہلال ابن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابویوسف تفسیر، مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ ان کا ادنیٰ مسائل تھا" حدیث میں ان کا یہ پایا تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کیے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے، یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرائے میں ابویوسف سے بڑھ کر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں"۔ امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ کان منصفا فی الحدیث" مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں، کہا کرتے تھے۔ ابویوسف اتبع القوم للحدیث[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اول جب مجھ کو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابویوسف کی خدمت میں حاضر ہوا، یحییٰ بن معین و امام احمد بن حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب[2] سے حدیثیں روایت کیں، اس سے زیادہ عظمت و شان کی کیا دلیل ہو گی۔

فقہ میں جو ان کا پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے، امام ابوحنیفہ کو خود ان

---

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیے ہیں۔

[2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں، مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں، کیونکہ یا تو وہ مبہم جرحیں ہیں یا ان کا منشاء اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے۔

کے کمال کا اعتراف تھا' ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے' امام صاحب عیادت کو گئے' واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ اگر خدانخواستہ یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا عالم ہلاک ہوا"۔ اور ائمہ بھی ان کے جدتِ ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے' امام اعمش اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے۔ انہوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب بتایا' امام اعمش نے کہا" کہ اس پر کوئی سند بھی ہے"۔ قاضی صاحب نے فرمایا" ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی"۔ امام اعمش نے کہا کہ" یعقوب یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے، جب تمہارے والد کا عقد بھی نہیں ہوا تھا' لیکن اس کا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا"[1]

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں' مختلف علوم میں ان کی تصنیفات بہت ہیں' اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے۔ لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گذری ہے اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج وجزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں' قاضی صاحب نے اس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں' یہ کتاب انہی تحریروں کا مجموعہ ہے' اگرچہ اس میں بہت سے مضامین ہیں۔ لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں۔ اور اس لئے اس کو اس زمانہ کا قانون مالگذاری کہہ سکتے ہیں' اس کتاب میں زمین کے اقسام حیثیت اور تنوع' لگان کی مختلف شرحیں' کاشتکاروں کی حیثیتوں کا اختلاف' پیداوار کی قسمیں' اس قسم کی اور مراتب کو اس خوبی سے اور دقتِ نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور ان کے متعلق قواعد قرار دیئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔ طرزِ تحریر میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ نہایت آزادانہ ہے۔ قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ جابجا ان ابتریوں کا ذکر ہے۔ جو

---

[1] ابن خلکان ترجمہ قاضی ابو یوسف

انتظاماتِ سلطنت میں موجود تھیں، اور ان پر نہایت بے باکی کے ساتھ خلیفۂ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل ذکر ہے، وہ یہ ہے، کہ ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے۔ جس کی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے، کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ "اے امیر المومنین، اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لئے "مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں اُمید کرتا ہوں کہ تیرا دشمن ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں، اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عُمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس میں ایک دفعہ انصاف کے لئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے"۔

قاضی صاحب کے سوا کس کی جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا۔

امام محمدؒ 135-189

یہ فقہ حنفی کے دوسرے بازو ہیں۔ ان کا اصلی وطن دمشق کے متصل ایک گاؤں تھا، جس کو حرستا کہتے ہیں۔ ان کے والد وطن چھوڑ کر واسط چلے آئے، اور وہیں سکونت اختیار کر لی، امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔

سن رشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا، یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین و فقہا کی صحبت اُٹھائی، مسعر بن کدام، امام سفیان ثوری، مالک بن دینار امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں، کم و بیش دو برس تک امام ابوحنیفہ کی خدمت میں رہے امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی، پھر مدینہ گئے، اور تین سال تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے آغاز شباب ہی میں ان کے

فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن میں مسندِ درس پر بیٹھے اور لوگوں نے ان سے استفادہ شروع کیا۔ ہارون رشید نے ان کے فضل و کمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں رے گیا تو ان کو بھی ساتھ لے گیا۔ رے کے قریب رہنویہ ایک گاؤں ہے۔ وہاں پہنچکر قضا کی اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گذرا ہے۔ وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا۔ اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا۔ اور کہا آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے۔" علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے۔ نہایت جانگداز مرثیہ لکھا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذ اما اشکل المخطب من لنا

با بضاحہ لوما وانت نقید!

ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کو حل کرنے والا کہاں سے آئے گا۔

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ دربار ہی کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ۱۷۵ھ میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون رشید ان کا سروسامان دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔ اور دب کر صلح اختیار کی۔ معاہدہ قلمبند ہوا۔ اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علماء، فضلا، فقہا اور محدثین نے اس پر دستخط کیے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقضِ عہد کرنا چاہا۔ تمام علماء نے ہارون الرشید کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ صورتِ موجودہ میں نقضِ عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے۔ اس کا اندازہ ائمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو۔

سکتا ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ "امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے۔ انہی کا قول ہے کہ "میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔" امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ "دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوئے؟ فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے۔

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ بہت سے علماء تعلیم پاکر نکلے۔ لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاسکتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا۔ اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا۔ لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے۔ تاریخ و رجال کی آج سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ وہ کیا شہادت دے رہی ہیں، بے شبہ امام شافعی کو امام محمد کے فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اس کا خود ان کو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں۔ کان محمد بن الحسن جید المنزلۃ عند الخلیفہ فاختلفت الیہ وقلت ھوا ولی من جھۃ الفقہ فلزمتہ وکتبت عنہ[1] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے۔ اس لئے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں۔ اس لئے میں نے ان کی صحبت لازم پکڑی۔ اور ان کا درس قلمبند کرتا تھا۔"

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور شاگردوں کی نسبت ان کے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں جا رہے تھے۔ راہ میں امام شافعی ملے جو ان کی ملاقات کو آرہے تھے۔ اسی وقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ

---

[1] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں

[2] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹

میں اس وقت حاضر نہیں ہو سکتا۔" امام شافعی نے کہا "میں اور کسی وقت حاضر ہوں گا۔ آپ دربار تشریف لے جائیں"۔ امام محمد نے کہا "نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں"۔ امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے۔ اور اسی بنا پر بعضوں کو ان کی شاگردی سے انکار ہے۔ لیکن اس زمانہ کی استادی و شاگردی میں یہ امر معیوب نہ تھے اور دراصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے۔ اور ان کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے، کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھ کر نہیں دیکھا[1]۔" ادب و عربیت میں اگرچہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔ لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں۔ اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں۔ اور ان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس فن میں ان کا کیا پایہ تھا، چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں ان کی کتاب موطا مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحج جو امام مالک کے رد میں لکھی ہے۔ اس میں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور معقد و مسائل میں جوش ادعا کے ساتھ کہا ہے۔ کہ مدینہ والوں کو دعویٰ ہے۔ کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں، حالانکہ ان مسائل میں صریح ان کے خلاف حدیث موجود ہے"۔

امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار ان ہی کتابوں پر ہے۔ ہم ذیل میں ان کتابوں کی فہرست لکھتے ہیں۔ جن میں امام ابو حنیفہؒ کے مسائل روایۃً مذکور ہیں اور اس لیے وہ فقہ حنفی کے اصل خیال کیے جاتے ہیں۔

---

[1] تراجم التاسیس صفحہ ۶۹

مبسوط ۔ اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے۔ ان ہی مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور خوبی سے لکھا' یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے ۔

جامع صغیر مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی' اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام ابو حنیفہؒ کے تمام اقوال لکھے ہیں ۔ کل ۵۳۳ مسئلے ہیں جن میں سے ایک سو ستر مسئلوں کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے ۔ اس کتاب میں تین قسم کے مسائل ہیں ۔

۱۔ جن کا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا ۔

۲۔ اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں ۔ لیکن ان کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خیال ابو حنیفہ کے مسائل ہیں' اس کتاب میں تصریح کر دی ہے ۔

۳۔ اور کتابوں میں مذکور تھے' لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے اس سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں' اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں' جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں ۔

جامع کبیر ۔ جامع صغیر کے بعد لکھی گئی' ضخیم کتاب ہے ۔ اس میں امام ابو حنیفہ کے اقوال کے ساتھ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے ۔ متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں ۔ زیادہ تر اسی کتاب کے طرز استدلال اور طریق استنباط سے کئے ہیں ۔ بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحیں لکھیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے ۔

زیادات ۔ جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اس میں درج کیے اور اسی لیے زیادات نام رکھا ۔

کتاب الحج ۔ امام محمد امام ابو حنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں رہ کر امام مالک سے موطا پڑھی' اہل مدینہ کا طریقہ جدا تھا ۔ بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابو حنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے ۔ امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی' اس میں اول

وہ ابوحنیفہؒ کا قول نقل کرتے ہیں، پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کرکے حدیث، اثر قیاس سے ثابت کرتے ہیں، کہ ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب چھپ گئی ہے۔ اور ہر جگہ ملتی ہے، میں نے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر وکبیر:۔ یہ سب سے اخیر تصنیف ہے، اول سیر صغیر لکھی اس کا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا انہوں نے طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت"۔ امام محمد نے سنا تو سیر لکھنا شروع کی، تیار ہو چکی تو ساٹھ جزوں میں آئی امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے، ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی، اس نے قدر دانی کے لحاظ سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جاکر امام محمد سے اس کی سند لیں۔

ان کتابوں کے علاوہ امام محمد کی اور تصانیف بھی فقہ میں موجود ہیں، مثلاً کیانیات جرجانیات، رقیات، ہارونیات۔ لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں، بلکہ کتاب الحج جس کا ذکر اوپر ہو چکا وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہے۔

امام زفر فقہ میں اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔ اور ان کے حالات بھی بہت کم معلوم ہوئے، اس لیے صاحبین سے ان کو مؤخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے، شروع زمانہ میں ان کو حدیث کا شغل رہا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات میں تصریح کی ہے۔ صاحب الحدیث کہلاتے تھے، پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین جو فن جرح وتعدیل کے امام ہیں ان کا قول ہے کہ زفر صاحب الرائی ثقہ مامون[1] بعض لوگوں نے ان کی تصنیف بھی بتائی لیکن وہ مبہم ہے

اور قابل اعتبار نہیں۔

ان کو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا' امام ابو حنیفہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع بن الجراح جن کا ذکر اوپر گذر چکا' ان سے استفادہ کرتے تھے۔ قضا کا عہدہ بھی ان کو ملا تھا۔

سنہ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۵۸ھ میں وفات کی۔

امام مالک

ولادت سنہ ۹۳ھ

وفات سنہ ۱۷۹ھ

خصوصیات

- مدینۃ الرسولؐ کے سب سے بڑے محدث، عالم اور فقیہ تھے۔
- زہد میں یکتا، حبِ رسولؐ میں فرد، سنتِ نبوی پر عمل کرنے میں بے مثال تھے۔
- موطا امام مالکؒ اہل علم کے حلقہ میں اصح الکتاب بعد کتاب اللہ مانی جاتی ہے۔
- کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے، مدینہ میں ان کی درسگاہ علوم نبوی کی سب سے بڑی یونیورسٹی تھی۔
- جلال علم کا یہ عالم تھا۔ کہ خلیفۂ وقت بھی حلقۂ درس میں ایک معمولی شخص کی طرح شریک ہوا۔
- طلاق جبری کے خلاف فتویٰ دیا، جس سے نتیجۃً بیعتِ جبری کی مخالفت بھی نکلتی تھی۔ حکومت مخالف ہوگئی، گرفتار ہوئے، تشہیر کی گئی، کوڑے لگے مگر کوڑے کی ہر ضرب پر جب تک زبان چلتی رہی یہی کہتے رہے میں، مالک بن انس فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری حرام ہے!
- مالکی مذہب، ساحلی مقامات اور اندلس میں خوب پھلا پھولا۔

ولادت، طفولیت، خاندان

مالک نام، ابو عبداللہ کنیت، امام دارالہجرۃ لقب، باپ کا نام انس تھا، سلسلہ نسب یہ ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر بن حارث بن غیمان بن جثیل بن عمرو ابن حارث ذی اصبح[1]۔

امام مالک ایک خالص عرب خاندان سے تھے۔ جو جاہلیت و اسلام دونوں میں معزز تھا۔ بزرگوں کا وطن یمن تھا مگر اسلام کے بعد مدینۃ النبیؐ میں سکونت اختیار کی۔ امام یمن کے اخیر خاندان شاہی یعنی حمیر کی شاخ "اصبح" سے تعلق رکھتے تھے۔ امام کے مورث اعلیٰ حارث اس خاندان کے شیخ تھے۔ اسی لئے ذی اصبح کے لقب سے وہ مشہور ہیں۔

آپ کے خاندان میں سب سے پہلے آپ کے پردادا ابو عامر عہد نبوی میں مشرف باسلام ہوئے۔ غالباً اس شرف اندوزی کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ یعنی سنہ ۲ھ۔

امام مالک کا سال ولادت

امام کی ولادت کا سنہ مختلف فیہ ہے مورخ یافعی نے طبقات الفقہا میں سنہ ۹۴ھ لکھا ہے۔ ابن خلکان نے سنہ ۹۵ھ بتایا ہے لیکن صحیح تاریخ ولادت سنہ ۹۳ھ ہے جیسا کہ محدث ذہبی نے تذکرہ میں تصریح کی ہے۔ اور سمعانی نے انساب میں اس کو اختیار کیا ہے۔

اس وقت بنی اُمیہ کی حکومت کا اوج شباب تھا۔ ولید بن عبدالملک جو اموی

---

[1] کتاب الانساب للسمعانی طبع فوتوغرافی یورپ لفظ

مروانی حکومت کا تیسرا تاجدار تھا، سریر آرائے خلافتِ دمشق تھا۔ فتوحات اسلامیہ کا سیلاب مشرق میں ترکستان، کابل اور سندھ کو عبور کر چکا تھا۔ اور مغرب میں افریقہ اور اسپین کی سرزمینوں میں موجیں لے رہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس عہد میں امام پیدا ہوئے۔ اس کا تاجدار جس سرزمین کو تلوار سے فتح کر رہا تھا۔ امام کے قلم نے سب سے زیادہ وہیں قبضہ حاصل کیا۔ یعنی طرابلس۔ ٹیونس۔ الجزائر۔ مراکش اور اسپین میں۔

تعلیم، تربیت تفقہ، تکمیل حدیث

امام نے ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم کے آغوش میں پایا خود گھر اور گھر سے باہر تمام شہر علماء فضلا کا مخزن تھا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد سینکڑوں صحابہ دور دراز مقامات میں نکل گئے تھے۔ لیکن معدن سونا نکلنے کے بعد بھی معدن ہے۔ تمام اکابر صحابہ جو علوم شریعت کے امین اور قرآن وسنت کے خزینہ دار تھے اسی شہر اقدس میں سکونت پذیر تھے۔ عہد نبوی کے بعد بھی ۲۴، ۲۵ برس تک حکومت اسلامیہ کا یہ مرکز تھا۔ یہیں سے احکام وفتاوی فقہائے صحابہ کی مجلس میں طے ہو کر تمام دنیائے اسلام میں پھیلتے تھے۔

مدینہ کے فقہائے صحابہ

حضرت ابوبکرؓ صدیق، عمر فاروقؓ اور حضرت عائشہؓ جو اسرار شریعت کے رازداں تھے حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن سے بڑھ کر آنحضرت صلعم کے اعمال وسنن کا متبع اور واقف کار کوئی دوسرا نہ تھا، حضرت ابن عباسؓ جو حبر الامۃ تھے، حضرت ابوہریرہؓ جن سے بڑھ کر حدیث کا کوئی دوسرا راوی نہیں، حضرت زیدؓ بن ثابت جو کاتب وحی تھے، ان سب کی درسگاہیں اسی شہر میں آباد تھیں جن سے ہزاروں اشخاص وحی وسنت کے علوم کے وارث بن کر نکلے۔

صحابہ کے تلامذہ

بیت صدیق کی وارث ان کی صاحبزادی عائشہ صدیقہؓ کے تلامذہ کبار، ان کے بھتیجے قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ ان کے بھانجے عروہ بن زبیرؓ تھے۔ مسند فاروقؓ کے جانشین عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ

بن عمرؓ تھے۔ حضرت ابن عمرؓ کے شاگردان با اخلاص نافع اور عبداللہ بن دینارؒ ان کے دو غلام اور سالم بن عبداللہ ان کے فرزند رشید تھے۔ حضرت زید بن ثابت نے اپنی وراثت اپنے گھر میں چھوڑی۔ یعنی ان کے بیٹے خارجہ بن زید اس کے مالک ہوئے۔ ابوہریرہؓ نے اپنی امانت اپنے داماد سعید بن مسیبؒ کے سپرد کی۔ حبر الامۃ (عبداللہ) بن عباس نے گو اپنی دولت زیادہ تر مدینہ کے باہر مکہ، کوفہ اور بصرہ میں لٹائی۔ لیکن جو مدینہ میں رہی وہ سعید بن مسیب کے حصہ میں آئی۔

تلامذۂ صحابہ جن کو اصطلاح میں تابعین کہتے ہیں۔ تمام ملک میں پھیلے تھے۔ لیکن ہم کو صرف مدینہ سے بحث ہے۔ ان میں سے ممتاز و مشہور لوگوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں چند اور ممتاز مشاہیر تھے۔ مثلاً ہشام بن عروہ محمد بن منکدر، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری، عامر بن عبداللہ جعفر صادق۔ ربیعہ رائی، ابوسہیل نافع بن مالک۔ سلیمان بن یسار وغیرہ یہ وہ بزرگان اسلام ہیں۔ جن کے فضل و کمال کے آغوش میں اسلام کے علم دین نے نشو و نما پائی ہے۔

فقہائے سبعہ ان میں ابوبکر بن حارث (سنہ ۹۴ھ) خارجہ بن زید (سنہ ۹۹ھ) قاسم بن محمد (سنہ ۱۰۱ھ سعید بن مسیب) (سنہ ۱۰۱ھ) عبید اللہ بن عتبہ (سنہ ۱۰۲ھ)، سالم بن عبداللہ سنہ ۱۰۶ھ سلیمان بن یسار (سنہ ۱۰۷ھ) مدینہ کے فقہائے سبعہ کہلاتے ہیں۔ صحابہ کے بعد تمام فتاوے، مسائل اور مقدمات و قضایا انہی کے فیصلے سے طے پاتے تھے، ان کی مجلس اجتماعی یعنی جہاں یہ ساتوں مل کر بیٹھتے تھے۔ اس عہد کی سب سے بڑی عدالت العالیہ تھی۔ فقہ مدینہ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ انہی فقہائے سبعہ کی علمی مجلسوں کے نتائج بحث ہیں۔

شیوخ مالک امام صاحب نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ باغ و بہار تھا۔ باستثنائے

چند یہ تمام بزرگوار درس و افتاء میں مشغول تھے۔ امام نے ان میں سے اکثر سے استفادہ کیا۔ اور اس طرح مدینہ کا جو علم متفرق سینوں میں پراگندہ تھا، وہ اب صرف ایک سینہ میں مجتمع ہو گیا۔ اور اس لئے امام دار الہجرت آپ کا لقب ہوا۔ امام کے شیوخ کی یوں تعداد تو بہت ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے کہ روی عن خلق کثیر یعنی انہوں نے بہت سے لوگوں سے روائتیں کی ہیں۔ لیکن موطا میں جن شیوخ سے انہوں نے روایت کی ہے۔ چند کے علاوہ کل کے کل مدینہ کے باشندے ہیں اس سے اور نیز اس واقعہ سے کہ امام کا طلب علم کے لئے دوسرے شہروں کا سفر ثابت نہیں۔ یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ نے طلب علم کے لئے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا اور اس کا سبب ظاہر ہے۔ کہ جس کا گھر اور وطن خود زر و جواہر کی کان ہو۔ اس کو باہر دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلانے کی حاجت کیا ہے؟ دوسری بات یہ ہے۔ کہ مدینہ خود مرکز تھا۔ تمام ملک کے اساتذہ اور شیوخ خود یہاں کھنچ کھنچ کے چلے آتے تھے۔ سال میں ایک دفعہ (حج کے موقع پر) مدینہ کی زیارت کا شوق لوگوں کو کشاں کشاں لے آتا تھا۔

امام کے شیوخ و اعزہ

گھر میں امام کے دادا، چچا اور والد خود محدث تھے امام نے طلب حدیث کی تو اپنے گھر کو ان علوم کا مرجع پایا، امام کے دادا جو ثقات رواۃ میں ہیں امام صاحب کے ہوش تک زندہ تھے، امام کی عمر دس برس کی تھی جب انہوں نے وفات پائی، لیکن شاید اپنے بچپن یا دادا کے بڑھاپے کی وجہ سے کہ محدثین اور عوام دونوں کے نزدیک یہ دونوں زمانے برابر ہیں۔ اس فیض سے بلا واسطہ آپ نے تتبع حاصل نہیں کیا۔ ابو سہیل نافع امام کے ایک چچا روایت و حدیث کے شیخ تھے۔ امام زہری وغیرہ کے استاد ہیں۔ امام نے بھی ان سے حدیثیں سیکھی ہیں، ان کے والد انس اور دوسرے چچا ربیع

دونوں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، لیکن ان سے کوئی روایت امام نے موطا میں نہیں نقل کی ہے۔

امام نے قرآن مجید کی قرأت و سند مدینہ کے امام القراء ابو رویم نافع بن عبدالرحمٰن المتوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی۔ جن کی قرأت پر آج تمام دنیائے اسلام کی بنیاد ہے۔ نافع بن عبدالرحمٰن سے اخذ قرأت کی روایت خود امام صاحب کی زبانی منقول ہے۔ لیکن زمانہ نہیں مذکور۔ اس بنا پر کہ قرآن مجید کی تعلیم ہمیشہ مسلمانوں میں لڑکپن میں ہوتی ہے۔ عجب نہیں کہ اس کا یہی زمانہ ہو۔

علم الحدیث

علم حدیث کی تعلیم بھی بچپن ہی سے شروع ہوئی جیسا کہ گذشتہ روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کے سب سے پہلے شیخ الحدیث حضرت نافع ہیں۔ یا ممکن ہے کہ آپ کے چچا ابو سہیل ہوں کہ وہ خود گھر کے اندر رہتے۔ لیکن یہ قیاس ہے، کوئی اس کی تصریح نہیں۔

نافع

حضرت عبداللہ بن عمر کے جن کی جلالت شان ظاہر ہے، آزاد کردہ غلام تھے۔ اسلام کی روایات میں غلام کا وہ مفہوم نہیں جو یورپ کی ڈکشنری میں تم کو نظر آتا ہے۔ یورپ میں غلام مظلومیت، بیکسی، ذلت، خواری اور جہالت کا مجموعہ ہے۔ لیکن اسلام میں عزت، احسان، وفا، تربیت، علم اور جانشینی آقا کو کہتے ہیں حضرت ابن عباسؓ کا غلام عکرمہ وہ ہے جس پر علم تفسیر کا مدار ہے اور یہ حضرت ابن عمرؓ کے غلام نافع ہیں۔ جو حدیث و روایت کے استاد و شیخ تھے۔

نافع نے کامل ۳۰ برس حضرت ابن عمرؓ کی خدمت کی ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کے علاوہ اور متعدد صحابہ حضرت عائشہؓ حضرت ام سلمہؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابوسعید خدریؓ وغیرہم سے روایت کی ہے۔ امام اوزاعی، امام زہری، ایوب سختیانی، ابن جریج، امام مالک جیسے ائمۃ الحدیث ان سے شرف تلمذ رکھتے ہیں۔ نافع کی جلالت قدر

کا اس سے اندازہ ہوگا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جو خود ایک مجتہد و ناقدِ فن تھے۔ نافع کو اہل مصر کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا' ۱۱۷ھ میں نافع نے وفات پائی۔

نافع جب تک زندہ رہے امام مالک ان کے حلقہ درس میں موجود رہے مجلس میں پہنچ کر ان سے پوچھتے تھے کہ اُن مسائل میں حضرت ابن عمرؓ نے کیا فرمایا ہے"۔ نافع ان کے اقوال بیان کرتے تھے[1] شاگرد کو استاد کے علم و فضل پر اتنا غرور تھا کہ فرماتے ہیں۔ جب میں ابن عمرؓ کی حدیث نافع کی زبان سے سن لیتا ہوں تو پھر اس کی پروا نہیں کرتا کہ کسی اور سے بھی اس کی تائید سنوں" شاگرد و استاد کے شرف و قبول کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ روایت مالک عن نافع عن ابن عمر کو دنیا سلسلۃ الذہب یعنی "طلائی زنجیر" کہہ کر پکارتی ہے۔

نافع کے علاوہ امام نے مدینہ کے دیگر شیوخ کبار سے بھی حدیث سیکھی' جن میں ممتاز لوگ یہ ہیں' محمد بن شہاب الزہری' جعفر صادق بن محمد' محمد بن منکدر' محمد بن یحییٰ الانصاری' ابوحازم' یحییٰ بن سعد۔

محمد بن شہاب الزہری

ان کا نام اصل میں محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری القرشی ہے۔ لیکن مشہور صرف ابن شہاب زہری کے نام سے ہیں' صحابہ کے بعد تابعین میں جو لوگ روایت و حدیث کے اساطین ہیں۔ ان میں امام زہری کا رتبہ حضرت سعید بن مسیب کے سوا سب سے بلند ہے' صحاح ستہ جو اسلام کا کارنامۂ فخر ہے' ابن شہاب زہری کی روایات سے مالا مال ہے۔ ابوبکر بن حزم کے بعد علم حدیث کے یہ دوسرے مدوّن ہیں صحابہ کرام میں سے حضرت انسؓ و جابرؓ و ابن عمرو و سہل بن سعد وغیرہ ہم متعدد صحابہ کے دیدار کا اور ان سے روایت کا ان کو شرف حاصل تھا۔ فقہائے سبعہ

---

[1] طبقات ابن سعد جزء تابعین مدینہ ترجمہ مالک

اور دیگر شیوخ مدینہ کے سینوں میں جو علم منتشر و پراگندہ تھا۔ امام زہری کے بعد امام مالک کے سینہ میں منتقل ہوا' امام مالک کے زبانی مروی ہے کہ ابن شہاب زہری جب مدینہ آتے تو ہم طلبائے علم کا ان کے دروازے پر اژدحام ہو جاتا امام زہری نے مدینہ چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی لیکن امام مالک کو یہ بُعد گوارا نہ تھا۔ ایک بار شاگرد نے استاد سے شکایت کی کہ مدینہ میں رہ کر آپ نے طلب علم کی اور جب کامل ہو گئے تو مدینہ چھوڑ کر اوام (واقع شام) جا کر آپ بس گئے"۔ استاد نے جواب دیا "مدینہ کے آدمی جب آدمی تھے تو میں مدینہ میں رہا اور جب بدل گئے۔ تو میں بھی نکل گیا"۔[1]

امام لیث مصری اعتراف کرتے تھے کہ زہری سے بڑھ کر جامع علم کوئی دوسرا نہیں" خود امام زہری کا بیان ہے کہ جو چیز میں نے اپنے دل کو سپرد کی وہ کبھی گم نہ ہوئی"۔ ناقدین حدیث کہتے ہیں۔ کہ امام زہری سے بڑھ کر متن و سند کا کوئی حافظ نہ تھا۔ امام مالک کے علاوہ امام لیث مصری' امام ابو حنیفہ' امام اوزاعی' عطا بن ابی رباح (شیخ زہری) عمرو بن دینار' سفیان بن عیینہ' ابن جریج اور اس طبقہ کے عام محدثین امام زہری کے شاگرد تھے' لیکن ان میں سب سے زیادہ جس نے ان کے نام کو روشن کیا وہ امام مالک تھے۔ حضرت احمد بن حنبل سے زیادہ رجال کا ناقد اور کون ہو سکتا ہے۔ ایک دن ان سے ان کے بیٹے نے پوچھا کہ زہری کے شاگردوں میں سب سے زیادہ وثوق کے قابل کون ہے"۔ تو امام احمد بن حنبل نے جواب دیا کہ مالک سب سے بڑھ کر ہیں۔ اس زمانہ کی انصاف پسندی دیکھو کہ امام زہری نے باایں ہمہ علم و فضل خود اپنے شاگرد (مالک) سے بھی استفادہ میں عار نہیں کیا ہے اور بعض شیوخ میں استاد و شاگرد دونوں مشترک ہیں امام زہری

[1] جامع بیان العلم ابن عبدالبر صفحہ ۳۲۴

نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

علی بن

جعفر صادق ۱۴۸ھ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن ابی طالب معروف بہ امام جعفر نے اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقر اور عروہ بن زبیر، عطاء اور محمد بن منکدر سے روایتِ حدیث کی امام ابو حنیفہ امام مالک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، شعبہ ابو عاصم، یحییٰ انصاری آپ کے تلامذہ ہیں، ابو حاتم جو ناقدین رجال میں ہیں فرماتے ہیں کہ "امام جعفر صادق جیسے بزرگوں کی نسبت یہ پوچھنا کہ وہ کیسے تھے ان کی کسر شان ہے"۔ ابن حبان کا قول ہے "امام سادات اہل بیت، عباد تبع تابعین اور علمائے مدینہ میں سے تھے"۔ یحییٰ بن معین نے ان کو موثق و مامون کہا ہے امام موصوف کبھی کبھی اپنے شاگردوں کا امتحان بھی لیا کرتے تھے، ایک بار ابو حنیفہ سے پوچھا کہ اگر بحالتِ احرام کوئی ہرن کے رباعیہ (چار اگلے بڑے دانت) توڑ دے تو کیا لازم آئے گا۔ امام ابو حنیفہ نے عرض کیا کہ۔ اے فرزند رسول اللہ مجھے نہیں معلوم" امام جعفر نے فرمایا" ابو حنیفہ تم بڑے عقلمند بنتے ہو، یہ نہیں جانتے کہ ہرن کے رباعیہ نہیں ہوتا ہمیشہ ثنی (دو بڑے دانت)[1] ہوتا ہے۔

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں مصعب بن عبداللہ سے دو روایتیں نقل کی ہیں کہ امام مالک نے بنی اُمیہ کے عہد تک امام جعفر صادق سے روایت نہیں کی۔ جب عباسیوں کا زمانہ آیا تو ان سے روایت شروع کی ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو۔ لیکن جس خوف سے عہد اموی میں وہ ان سے احتراز کر سکتے تھے، وہ خوف تو عباسیوں کے عہد میں بھی موجود تھا، پھر یہ سیاسی خوف صرف امام مالک ہی کو کیوں ہوتا۔ اس جرم کے مجرم تو اور بھی تھے، اور سب سے اخیر یہ کہ اگر ان کو اس کا ڈر تھا۔ تو اسی عہد اموی میں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے کیوں نہ ڈرے، دوسری روایت

---

[1] ابن خلکان ترجمہ جعفر صادق

یہ ہے، کہ امام مالک امام جعفر صادق کے ساتھ جب تک تائیداً دوسرے راوی کو نہیں ملا لیتے تنہا ان سے روایت حدیث نہیں کرتے، یعنی امام مالک، امام جعفر صادق کو ضعیف فی الراویہ سمجھتے ہیں، یہ روایت قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے موطا خود ہمارے سامنے موجود ہے، اکثر روایتیں تنہا امام جعفر سے بغیر ضم راوی آخر موجود ہیں تعجب ہے کہ علامہ ذہبی نے اس پر کوئی تنقید نہیں کی۔

148ھ امام جعفر صادق کا سال وفات ہے بعض روایات میں ہے کہ حضرت جعفر صادق نے وفات کے وقت امام مالک کو اپنا جانشین[1] بنایا، لیکن ثقات مورخین کے ہاں مجھ کو یہ روایت نہیں ملی۔

محمد بن المنکدر المدنی کبار تابعین میں ہیں، اپنے باپ منکدر بن عبداللہ اور حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہم صحابہ عظام سے روایت کرتے ہیں، امام زہری، امام ابوحنیفہ، امام مالک، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری اور دیگر ائمہ حدیث کے شیخ الروایات ہیں، ابن عیینہ کا قول ہے، کہ محمد بن منکدر صدق وراستی کے معدن تھے، صلحائے مدینہ کا ان کے پاس مجمع رہتا تھا، ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن یحییٰ محمد بن یحییٰ انصاری بلند پایہ تابعی تھی، اپنے باپ یحییٰ بن حبان اور اپنے چچا واسع بن حبان کے علاوہ کبار صحابہ میں سے انسؓ رافع خدیج وغیرہم سے روایت کرتے ہیں، امام لیث بن اسحٰق کو ان سے تلمذ ہے، مسجد نبوی میں درس دیتے تھے اور ان کا ایک مستقل حلقہ ہوتا تھا، مدینہ میں فتویٰ بھی دیتے تھے، نسائی، ابن معین، ابوحاتم نے ان کی توثیق کی ہے، ۱۲۱ھ ۷۴ برس کے سن میں وفات پائی۔

---

[1] مالک عیسیٰ الزراوی۔ ص، امعہ، ذیل تزئین،

ابو حازم

ابو حازم سلمہ بن دینار کو سہل بن سعدؓ سے جو مدینہ کے آخری صحابی تھے اور جنہوں نے ۸۸ھ میں سو برس کی عمر میں وفات پائی تھا روایت کا شرف حاصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و بن عاص اور ابن عمرؓ سے بھی روایت کرتے ہیں لیکن سماع ثابت نہیں۔ تابعین میں سے محمد بن منکدر، سعید بن مسیب، امام الدرداء الصغریٰ، ابو ادریس خولانی سے تلمذ ہے۔ امام زہری گو عمر و فضل دونوں میں ان سے بڑے تھے۔ تاہم ان سے حدیث سیکھتے تھے۔ امام مالک ابن عیینہ، ثوری، حماد وغیرہم ان کے شاگرد تھے۔

محدثین میں یہ ثقہ اور کثیر الحدیث مشہور ہیں کبھی کبھی مسجد نبوی میں وعظ بھی کہا کرتے تھے ان کے حلقہ درس میں نہایت کثرت سے لوگ بیٹھتے تھے۔ کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ دیر میں آنے والوں کو جگہ ملنی مشکل ہوتی تھی۔ ایسے ہی موقع پر امام مالک پہنچے جگہ بھر چکی تھی۔ بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ امام صاحب واپس چلے آئے لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے پسند نہ کیا کہ میں حدیث نبوی کھڑے کھڑے سیکھوں"۔ امام کا مقصد اس سے یہ تھا کہ بے اطمینانی اور بُعد کے سبب صحت سماع مشکل تھی۔

ابو حازم نے ۱۴۰ھ کے بعد انتقال کیا۔

یحیی بن سعید

ابو سعید یحیی بن سعید انصاری، حضرت انس، عدی بن ثابت علی بن زین العابدین بن حسین سے تلمذ ہے۔ امام مالک شعبہ، ثوری، ابن عیینہ، حماد بن زید، حماد بن سلمہ لیث وغیرہم نے ان کی روایت کی ہے، مدینہ کے عہد قضا پر مامور تھے۔ ابن مدینی کی تحقیق ہے کہ ان کی روایت سے ۴۰۰ حدیثیں ہیں ابن اسعد نے ان کی نسبت لکھا ہے۔ ثقہ کثیر الحدیث حجۃ ثبت سفیان ثوری و سفیان عیینہ نے ان کو "حفاظ" میں شمار کیا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں سعید اثبت الناس ۱۴۳ھ سال وفات ہے۔

شیوخ کی تعداد

دیگر شیوخ مدینہ اور بعض شیوخ مکہ و بصرہ و خراسان و جزیرہ سے بھی امام مالک نے روایت کی ہے، موطا میں جن شیوخ سے روایت ہے ان کی مجموعی تعداد شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی کے مقدمہ میں پچھتر بتائی ہے۔ لیکن اسعاف ببطا برجال الموطا کے تصفح سے ان کے شیوخ موطا کی تعداد ۹۴ ہے۔ لیکن یہ تعداد موطا کی ۱۷۲۰ احادیث و آثار کی ہے، ورنہ اصل میں مالک کی احادیث صحیحہ و غیر صحیحہ کی تعداد دس ہزار تھی، تنقید و بحث کے بعد تقریباً ۸۰۰۰ خارج کر دی گئیں۔

علم الفقہ

یہاں تک امام کے شیوخ حدیث کی تفصیل تھی۔ ایک شیخ یا محدث کے فرائض، احادیث کے جمع و روایت، روایات کی تصحیح و تضعیف اتصال و انقطاع، رفع و ارسال، رجال کی توثیق و تضعیف وغیرہ مباحث میں من حیث الروایہ تک محدود ہیں۔ اس کے بعد ایک فقیہ کے حدود حکومت کی ابتدا ہوتی ہے۔ احادیث کا تضاد و تطابق، نسخ و تطبیق اور ان سے احکام کا استنباط و تفریع، ان کے فرض و سنت و استحباب کی تقسیم، غیر مصرح بالنص احکام کا قیاس صحیح ایک فقیہ کے فرائض و خدمات ہیں۔

اس تقریر سے یہ ظاہر ہوا ہوگا۔ کہ فقیہ کا درجہ محدث سے کتنا بلند ہے اور یہ بھی ثابت ہوا ہوگا کہ ہر فقیہ کے لیے محدث ہونا ضروری ہے۔ کہ اگر وہ نفس حدیث کی صحت و ضعف، رفع و ارسال، اتصال و انقطاع اور رجال کی ثقاہت و عدل و قوت اور دیگر اسباب جرح و تعدیل سے ناواقف ہے تو وہ استنباط و تفریع و تطبیق و نسخ و دیگر احکام معنوی کی بنیاد کس سطح پر قائم کرے گا! اس بنا پر یہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ کسی غیر محدث فقیہ کا تخیل کس درجہ مستعد ہے۔

شیخ الفقہ ربیعہ الرائیؒ

امام مالک نے فقہ کی تعلیم گو ناخ وغیرہ دیگر شیوخ سے بھی پائی، لیکن اس کی تحصیل ابو عثمان ربیعہ الرائیؒ سے خاص طور سے کی ربیعہ مدینہ کے کبار تابعین میں تھے۔ حضرت انسؓ وغیرہ صحابہ کے دامن تربیت میں تعلیم پائی تھی۔ امام مالک، یحییٰ الانصاری، شعبہ، اوزاعی، لیث وغیرہم جو اس طبقہ کے اکابر رجال و اعیان علم ہیں، ان کے شاگرد ہیں، ربیعہ کے ساتھ امام کا اختصاص اس درجہ تھا۔ کہ تاریخ و رجال میں شیخ مالک ان کے نام کا جزو ہو گیا ہے۔ اجتہاد و استنباط، تفریع و رائے میں اس قدر معروف و ممتاز تھے کہ رائیؒ ان کا لقب ہو گیا، امام احمد بن حنبل ان کو "ثقہ" کہتے ہیں۔ ابن شیبہ کا قول ہے کہ وہ ثقہ اثبت اور مدینہ کے مفتیوں میں سے ایک تھے۔" خطیب نے لکھا ہے "کان فقیھاً عالماً حافظاً الفقہ و الحدیث" یعنی وہ فقیہ، عالم اور فقہ و حدیث دونوں کے حافظ تھے۔"

ربیعہ رائیؒ خاص مسجد نبوی میں درس دیتے تھے۔ امام مالک، حسن بصری، شعبہ، اوزاعی، لیث مصری، یحییٰ انصاری جیسے علمائے فاضل حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے، قرون اوّل کا مدینہ جو سینکڑوں محدثین و فقہا کا مخزن تھا اس میں فتویٰ دینا ایک خاص لیاقت و قابلیت کا کام تھا، ربیعہ رائیؒ اس خاص لیاقت اور قابلیت کے ساتھ متصف تھے اور منجملہ ان اکابر فقہائے محدثین کے تھے جن کو مدینۃ الرسول کے مفتی ہونے کی سعادت حاصل تھی۔ سفاح جو دولتِ عباسیہ کا پہلا فرمانروا تھا جب اس نے عہدہ داران حکومت کا انتخاب کرنا چاہا تو قاضی دار الخلافہ کا عہدہ انہی کے سپرد کیا۔ حکومتِ عباسیہ کا پہلا پایہ تخت انبار تھا۔ یہیں ۱۳۶ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

ربیعہ رائیؒ کے مسائل و اجتہادات لوگوں میں نہایت مقبول اور پسندیدہ تھے

امام مالک جواب ایک مستقل مجلس درس کے مالک تھے۔ ایک بار اپنی مجلس درس میں ربیعہ رائی کی احادیث و اجتہادات کا ذکر فرما رہے تھے۔ لوگوں کو اتنی دلچسپی ہوئی کہ امام صاحب جب کہہ کر خاموش ہوئے تو عرض کی کہ کچھ اور ان کے اجتہادات و احادیث بیان فرمایئے امام نے کچھ اور بیان کیا۔ لوگوں کی تشنگی اب بھی کم نہ ہوئی خواہش کی کہ کچھ اور ان کے مسائل بیان فرمایئے۔ امام نے فرمایا کہ تم ربیعہ رائی کو کیا کروگے، دیکھو وہاں سوتے ہیں۔ لوگوں کو تسلی نہ ہوئی اور وہاں پہنچے امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ جب سے ربیعہ نے انتقال کیا فقہ کا مزہ جاتا رہا۔

ان کی زندگی کا ایک عجیب واقعہ ہے، یہ ابھی حمل میں تھے کہ ان کے باپ فرخ خراسان کی جنگ میں سپاہی بن کر گئے اور بیوی کو ۳۰ ہزار دینار سپرد کر گئے، وہاں سے ۲۰ برس کے بعد ان کو لوٹنا نصیب ہوا۔ اس اثنا میں ربیعہ جوان ہو کر صاحب کمال ہو چکے تھے۔ مسجد نبوی میں ان کی مجلس درس منعقد ہوتی تھی، ماں نے تمام دولت بیٹے کی تعلیم پر صرف کر دی، فرخ گھر پہنچے تو اپنا گھر سمجھ کر بلا تردد گھر کے اندر قدم رکھا۔ ربیعہ نے دیکھا کہ ایک غیر شخص اس بے باکی سے اندر گھسا چلا آتا ہے ڈانٹا کہ خبردار جو اندر قدم رکھا۔ فرخ نے جب ایک اجنبی مرد کو گھر کے اندر پایا تو وہ غصہ سے بیتاب ہو گئے، باپ بیٹے نے آستینیں چڑھالیں۔ محلہ والوں میں شور ہو گیا۔ امام مالک کو خبر ہوئی تو وہ دوڑے آئے لوگوں نے امام مالک کو دیکھا تو خاموش ہو گئے، امام مالک نے فرمایا۔ بڑے میاں اور بھی مکانات ہیں وہاں چل کر ٹھہرو" فرخ نے کہا "یہ میرا مکان ہے۔ اور میرا نام فرخ ہے بیوی نے نام سنا تو آواز پہچانی۔ باہر نکل آئی اور باپ بیٹے دونوں کو گلے ملایا۔

جب سکون ہوا تو فرخ نے بیوی سے روپیہ کا حساب پوچھا۔ بیوی نے جواب دیا کہ بحفاظت دفن ہے۔ فرخ جب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے گئے تو بیٹے کو فضل و کمال کی مسند پر متمکن دیکھا، شاداں و فرحاں گھر آئے اور بیوی نے ذکر کیا کہ تم کو اپنے بیٹے

کی یہ جاہ و منزلت عزیز ہے یا وہ ۳۰ ہزار دینار؟ فرخ نے کہا "اپنے بیٹے کی یہ جاہ و منزلت عزیز ہے"۔ بیوی نے جواب دیا کہ اسی خاک میں میں نے وہ خزانہ دفن کیا ہے[1]

امام مالک کا انتخابِ شیوخ

امام مالک کے شیوخ و اساتذہ کی یہ تعداد اس زمانہ کی کثرتِ شیوخ کے مذاق کے لحاظ سے نہایت کم ہے۔ اور عجب نہیں کہ اس پر ان لوگوں کو تعجب آئے جو تعداد کو افضلیت کا معیار جانتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اس میں بھی امام مالک کے لئے ایک مزیت خاص مضمر ہے

صحابہ کے بعد تابعین کا دور شروع ہوا یہ دورِ ثانی یا قرنِ ثانی گو عمومیت اور اکثریت کے لحاظ سے خیر و برکت کا عہد اور صدق و طہارت کا وقت تھا۔ تاہم زمانہ کا کوئی دور کبھی ایسا نہیں گزرا اور نہ گزر سکتا ہے۔ جب مجمع انسانی غیر سعادتمندانہ عنصر کے شائبہ سے خالی ہو۔ زمانہ کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ صرف نسبتاً ہو سکتا ہے صحابہ کا قرنِ اوّل اپنے ماقبل و مابعد کی نسبت سے خیر القرون تھا۔ تاہم وہ فاجر[2] اور زن مخزومیہ و امثالہا کے وجود سے خالی نہ تھا۔ گو یہ ہستیاں بھی قرونِ مابعد کے اخیار و ابرار سے شرفِ صحبت، قوتِ ایمان، اعترافِ قصور، خشیتِ الٰہی اور توبہ و ندامت میں بدرجہا بہتر تھیں رضی اللہ عنہم۔

صحابہ کے بعد تابعین کا زمانہ بھی اپنے مابعد کے لحاظ سے برکات کا مجمع اور کمالات کا منبع تھا تاہم مادی آبادی طوائفِ انسانی کے جو اقسام ہیں۔ ان سے یکسر پاک نہ تھا۔ بیسیوں آدمی قصداً جھوٹ بولتے تھے۔ بیسیوں آدمی اپنی غایت زہد و سادہ دلی سے ہر بولنے والے کو سچا سمجھ کر بلا تامل اس کی بات نقل کرتے تھے۔ اور اس طرح نادانستہ کذب بیانی میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ سینکڑوں غیر فقیہ راوی ایسے تھے جو اپنے

---

[1] ربیعہ کے یہ تمام حالات ابن خلکان و اسعاف المبطاء ترجمۂ ربیعہ سے ماخوذ ہیں۔

روایات کا خود محل و مفہوم نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ اس زمانہ کی آب و ہوا میں روایت حدیث اور اشاعت قول نبوی کا مذاق پھیلا تھا اور یہ ہی اس وقت عزو شرف کا ذریعہ تھا۔ اس لئے اہل فضل اور متحقین علم کے پہلو بہ پہلو نااہل اور غیر متحقین بھی اپنی مسند بچھائے پھرتے تھے۔ باہر کے ناواقف آفاقی جن میں زیادہ تر عراقی تھے، ہر سپید کو سیم خالص سمجھ کر ہر ڈھیر سے بلا تمیز ایک خروارہ اٹھائے پھرتے تھے اور اس بارگراں کے ساتھ جب گھر لوٹتے تھے تو اپنے کو سب سے بڑے ڈھیر کا مالک سمجھ کر خوش ہوتے تھے

امام مالک کا مدینہ وطن تھا۔ بچپن سے علما دیں میں تربیت پائی ایک ایک صاحب حدیث سے برسوں ملاقاتیں رہیں، ہر ایک سرمایہ دار کی جنس متاع کے ایک ایک ذرہ سے واقف تھے اور درحقیقت یہ غیر ممکن ہے کہ غیر متحقین کی نااہلیت خود اپنے ارباب وطن سے مخفی رہے۔

خصوصیات شیوخ امام امام مالک نے صرف انہی اساتذہ فن سے اخذ کیا جو اہلیت و استحقاق کے مسند نشین تھے اور صرف ان شیوخ کے حلقہ درس میں بیٹھے جو صدق و طہارت میں معروف اور حفظ و فقہ میں ممتاز تھے۔ امام ممدوح ہمیشہ تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ میں کبھی کسی غیر فقیہ (سفیہ) کی مجلس میں نہیں بیٹھا۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ مخصوص نعمت تھی جو صرف حضرت امام مالک کے حصہ میں آئی۔ امام صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس صحن مسجد (نبوی) میں ان ستونوں کے پاس میں نے ستر شیوخ کو پایا۔ جو "قَالَ رسولُ اللّٰہ قَالَ رسول اللّٰہ" کہا کرتے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک کے پاس بھی میں نہیں بیٹھا" کبھی فرماتے مدینہ میں بیسیوں اشخاص تھے، جن سے لوگ حدیث سیکھتے تھے لیکن میں نے کبھی ان سے اخذ علم نہیں کیا، یہ چند قسم کے لوگ تھے۔ بعض لوگ نادانستہ جھوٹ بولتے تھے۔ بعض مغز سخن سے ناواقف تھے

بعض پورے جاہل تھے۔

ابن وہب جو امام صاحب کے نامور شاگرد ہیں ذکر کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا کہ مدینہ میں ایسے کتنے مقدس لوگ تھے کہ اگر بارش کی دعا مانگی جاتی تو ان کی برکت سے آسمان سے پانی برس پڑتا۔ اور بہت سے احادیث اور مسائل کی ان کو سماعت بھی حاصل تھی۔ لیکن میں نے ان سے استفادہ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ صرف متقی و زاہد تھے۔ اور یہ حدور روایت اور فتویٰ کا کام صرف زہد و اتقاء اور سادگی سے نہیں چل سکتا۔ اس کے لئے اتقاد و پرہیزگاری کے ساتھ علم و فہم اور پختگی کی حاجت ہے وہ یہ جانتا ہو کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے' اور قیامت کے دن یہ معاملہ کہاں تک پہنچے گا۔ جس زہد کے ساتھ پختگی اور دانائی نہ ہو۔ وہ اس راہ میں مفید نہیں۔ اور نہ وہ حجت ہے اور نہ ایسوں سے اخذ علم کرنا چاہیئے۔"

امام مالک کے بھانجے اسمٰعیل بن ابی اویس روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں مالک کو کہتے سنا ہے۔ کہ "یہ علم حدیث دین ہے۔ ذرا دیکھو کہ کس سے حاصل کرتے ہو۔ میں نے ان ستونوں کے پاس ستر آدمیوں کو قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہتے سنا۔ لیکن میں نے ان سے ایک حرف نہیں سیکھا' حالانکہ ان میں سے ہر شخص اس لائق تھا کہ اگر ایک خزانہ بھی ان کے سپرد کر دیا جاتا تو ان کی ایمانداری اور دیانت کے شیشہ میں بال نہ آتا۔ لیکن وہ اس فن کے آدمی نہ تھے۔

مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام کی زبان سے ان کا قول سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ "میں نے اس شہر میں بہت سے نیک و صالح لوگوں کو پایا۔ لیکن ان سے میں نے حدیث نہیں سنی۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا" جو وہ کہتے تھے وہ سمجھتے نہ تھے۔"

امام صاحب نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی | امام کے

شیوخ میں کوئی عراقی نہیں ہے ابو مصعب جو امام صاحب کے شاگرد اور مشہور محدث ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ کہ امام صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے اہل عراق سے کیوں روایت نہیں کی۔ جواب میں فرمایا کہ "میں کیا ان سے روایت کروں؟ میں نے ان کو دیکھا ہے کہ وہ یہاں آکر ان لوگوں سے حدیث سیکھتے ہیں جن پر وثوق نہیں کیا جاسکتا ابو مصعب کا بیان ہے کہ" میں نے کہا کہ وہ اپنے شہر میں بھی ایسے ہی لوگوں سے روایت کرتے ہیں"۔ اسی قسم کا سوال ایک بار امام مالک سے شعیب بن حرب نے کیا کہ آپ لوگ اہل عراق سے کیوں نہیں روایت کرتے؟ امام صاحب نے کیا معقول جواب دیا۔ فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے ان کے بزرگوں سے روایت نہیں کی۔ اس لئے ہمارے پچھلوں نے بھی ان کے پچھلوں سے روایت نہیں کی"۔

امام مالک جب کسی غیر مدنی شیخ سے اخذ کرنا چاہتے تھے۔ تو ہمیشہ ان کا تجربہ و نقد کر لیتے تھے۔ امام کا کوئی شیخ اگر عراقی کہا جاتا ہے تو وہ بصرہ کے ایوب سختیانی مشہور تابعی المتوفی سنہ ۱۳۱ھ ہیں۔ جن کی نسبت ابن سعد کہتے ہیں۔ کان حجۃ ثقۃ ثبتاً فی الحدیث جامعاً کثیر العلم اور جن کو شعبہ نے سید الفقہاء کا خطاب دیا ہے۔ اور جن کا نام رجال میں احد الائمۃ الاعلام کے وصف کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ مکہ میں حج کے موقعہ پر ان کو دو سال میں نے دیکھا۔ لیکن ان سے کوئی حدیث نہیں لکھی۔ تیسرے سال دیکھا کہ وہ صحن زمزم میں بیٹھے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لیا جاتا تو وہ اتنا روتے کہ مجھ کو رحم آتا تھا۔ جب یہ حال دیکھا تو ان کی حدیث لکھی۔

اپنے دادا اور فقہائے سبعہ سے کیوں نہیں روایت کی

تعجب ہوتا ہے کہ امام جب سن رشد کو پہنچے، تو اس وقت آپ کے دادا مالک بن ابی عامر زندہ تھے۔ ان کی وفات

کے وقت امام کی عمر ۱۲ ۱۳ برس کی تھی رفقہائے سبعہ میں سے سالم بن عبداللہ نے ۱۰۶ھ میں وفات پائی جب کہ امام کی عمر ۱۶ برس کی تھی سلیمان بن یسار نے ۱۰۷ھ میں انتقال کیا۔ اور اس وقت امام ۱۷ سال کے تھے "تاہم ان بزرگوں سے بلا واسطہ کوئی روایت نہیں کی۔ اس کا سبب خود امام صاحب نے بیان فرمادیا ہے۔ کہ مدینہ میں بعض لوگوں کا زمانہ میں نے پایہ ہے۔ کہ وہ ۱۰۰ برس ۱۰۵ برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے لیکن ایسے بوڑھوں کی روایت نہیں لی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی لے تو عیب شمار کیا جائے گا" اور یہ بالکل سچ ہے۔ کیونکہ عمر کے ضعف کا حفظ و عقل کے ضعف پر جو اثر پڑتا ہے۔ اس کا کون انکار کرسکتا ہے؟

امام مالک کے اس احتیاط و تمیز کا نقد کا یہ اثر ہوا کہ امام مالک جس شیخ سے روایت کرتے تھے۔ وہ ثقاہت و عدالت و حفظ میں نشان سمجھا جاتا تھا یحییٰ بن معین جو مبصرین فن حدیث کے امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ امام کے آگے کیا ہیں؟ ہم لوگ تو امام مالک کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ جب کسی شیخ کا نام آتا ہے تو دیکھتے ہیں کہ امام مالک نے اس سے لیا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں لیا ہے۔ تو چھوڑ دیتے ہیں۔ احمد بن حنبل سے کسی نے ایک راوی کی نسبت پوچھا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ میرے نزدیک وہ اچھا ہے۔ کیونکہ امام مالک نے اس سے روایت کی ہے[1]"۔

امام مالک فطرۃً قوی الحافظہ تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ کوئی چیز میرے خزانۂ دماغ میں آکر پھر نہ نکلی[2] اور خود دوسروں کو اس کا اعتراف تھا۔ ابو قلابہ کہتے ہیں کان مالک احفظ اھل زمانہ[3] ایک بار جب استاد ربیعہ کی معیت میں امام زہری کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ امام زہری نے اس دن چالیس سے زیادہ حدیثوں کا املا کیا دوسرے

---

[1] ان تمام اقوال کے لئے دیکھو مقدمۂ اسعاف [2] تذکرۂ ذہبی ترجمۂ مالک

[3] تزئین الممالک صفحہ ۹ مصر

دن پھر مجلس منعقد ہوئی تو امام مالک اپنے استاد کے ساتھ پھر حاضر ہوئے امام زہری نے کہا، کتاب لاؤ میں اس سے بیان کروں۔ کل جو میں نے بیان کیا اس سے تم کو کیا فائدہ ہوا؟ ربیعہ نے کہا اس مجلس میں ایک شخص ہے، جو کل کی تمام حدیثیں زبانی سنا دے گا۔ زہری نے پوچھا کہ وہ کون ہے؟ ربیعہ نے کہا ابن ابی عامر! زہری نے اشارہ کیا کہ سناؤ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چالیس حدیثیں میں نے سنائیں، زہری نے تعجب سے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میرے سوا کسی کو یاد نہیں ہیں[1]

شوق علم اور فراغ قلب بہت کم مجتمع ہوئے ہیں، امام بخاری پر ایک وقت تین دن ایسے گزرے ہیں، جن میں انہوں نے جنگل کی بوٹیوں پر قناعت کی ہے، اور یہ ان کی زندگی کا مشہور واقعہ شمار ہوتا ہے، امام مالک بھی اس راہ میں پیچھے نہیں ہیں، فقر سے نوبت یہاں تک پہنچی تھی کہ چھت کی کڑیاں فروخت کر کے ضرورتیں پوری کیں لیکن دستِ طلب علم کوتاہ نہیں کیا[2]۔ اسی لیے امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ لا یبلغ احد یدعی هذا العلم حتی یفتقر به الفقر و آثره علی کل حال" یعنی اس علم میں کمال اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک وہ مبتلائے فقر نہ ہو اور اس پر بھی وہ بہر حال طلبِ علم کو ترجیح نہ دے[3]۔ امام مالک طلب علم کے لیے بجز موسم حج کے مدینہ سے باہر نہیں نکلے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے، کہ ان کو طلب علم کے لیے محنت نہیں اٹھانا پڑی ابن سعد نے امام مالک سے بیک واسطہ روایت کی ہے کہ نافع سے حدیث سیکھنے کا وقت ٹھیک دوپہر کو مقرر تھا۔ دوپہر کی دھوپ میں بلا سایہ شہر سے باہر بقیع میں جاتا تھا۔ جہاں ان کا مسکن تھا، مدینہ کے ایک فقیہ ابن ہرمز تھے ان کے گھر صبح کو آتا تھا تو رات کو جاتا تھا۔

---

[1] تزئین الممالک صفحہ ۱۱۴ مصر [2] تذکرہ ذہبی [3] تزئین نقلا عن الحلیۃ لابی نعیم ص ۱۵ مصر [4] طبقات

شغل درس وتدریس شان و رفعت

گذشتہ باب میں معلوم ہو چکا ہے کہ امام صاحب کی لیاقت و استحقاق کا اعتراف عام طور سے کیا جاتا رہا ہے اور اس بنا پر خود امام کے شیوخ کی موجودگی میں مستفیدین کا الگ حلقہ قائم ہو چکا تھا[1]۔ شیخ الفقہ ربیعہ المتوفی ۱۳۶ھ زندہ ہی تھے کہ امام مالک فقہ و فتوی کے مرجع بن گئے۔ اور ربیعہ کی وفات کے بعد تو فقہ رائی و اجتہاد کے مجمع علیہ امام تسلیم کر لیے گئے۔ ابن لہیعہ جو مصر کے ایک شیخ حدیث ہیں انہوں نے شیخ مدینہ ابو الاسود نعیم بن عروہ بن زبیر سے پوچھا کہ "ربیعہ کے بعد مدینہ میں فقہ و اجتہاد کا امام کون ہے"؟ انہوں نے جواب دیا کہ "نوجوان اصبحی[2]" (مالک بن انس اصبحی)۔

مجلس حضرت ابن عمرؓ

فن حدیث میں امام صاحب کے خاص شیخ حضرت نافع مولی ابن عمر رضی اللہ عنہما تھے، حضرت عبداللہ بن عمر صحابہ میں آنحضرت صلعم کے اعمال و سنن کے سب سے زیادہ عالم تھے۔ امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے مناقشات کے موقع پر بعض صحابہ کی رائے تھی کہ حضرت ابن عمر خلیفہ اسلام ہوں، آپ نے فرمایا کہ ایسی خلافت جس میں کسی مسلمان کا ایک قطرہ بھی خون کا گرے مجھے منظور نہیں"۔ اکثر صحابہ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ابن عمرؓ کے سوا ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا۔ حضرت ابن عمرؓ آنحضرت صلعم کے بعد ساٹھ برس تک حدیث و فقہ و ارشاد کے مرکز رہے۔

---

[1] تزئین الممالک صفحہ ۱۰ عن ابی نعیم فی الحلیہ

[2] ابن خلکان ترجمۂ مالک۔ [3] تزئین الممالک صفحہ ۹ عن الخافقی

مجلس نافع

حضرت نافع کامل ۳۰ برس تک سفر و حضر، قیام و قعود، لیل و نہار خلوت و جلوت میں ہمیشہ حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ رہے اور ان کے بعد ان کی مجلس درس میں ان کے جانشین رہے، ۱۱۷ھ میں وفات پائی، امام مالک کم از کم بارہ برس حضرت نافع کے درس میں رہے۔

مجلس مالک

حضرت نافع کی وفات کے بعد امام مالک ان کے جانشین ہوئے، شعبہ جو کوفہ کے راس المحدثین تھے، وہ بیان کرتے ہیں، کہ نافع کی وفات کے ایک سال بعد مدینہ آیا تو دیکھا کہ مالک ایک حلقہ کے صدر نشین ہیں۔ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ امام صاحب نے ۱۱۷ھ میں اپنی مجلس درس قائم کی۔

امام صاحب کی مجلس درس ہمیشہ پُر تکلف فرش اور بیش قیمت قالینوں سے آراستہ رہتی تھی، وسط مجلس میں شہ نشین تھی، جس پر امام صاحب صرف املائے حدیث کے موقع پر رونق افروز ہوتے تھے، جا بجا شرکائے مجلس کے لئے پنکھے پڑے رہتے تھے، جب حدیث کا درس ہوتا، مجمر میں عود و لوبان جلایا جاتا، صفائی و نزافت کا یہ عالم تھا کہ فرش پر ایک تنکا بھی بار خاطر ہوتا تھا، جب حدیث نبوی کے املا کا وقت آتا، پہلے وضو یا غسل کرکے عمدہ اور بیش قیمت پوشاک زیب تن فرماتے بالوں میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے اور اس اہتمام کے بعد مجلس علمی کی صدارت کے لیے باہر تشریف لاتے۔

تمام لوگ سرنگوں خاموش مؤدب بیٹھتے تھے۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہ بھی جب امام کی مجلس درس میں آکر شریک ہوئے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہو کر بیٹھے، اس وقت امام صاحب کی ادا سے شکوہ اور وقار کا اظہار ہوتا تھا، تمام مجلس پر ایک

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ مالک۔

[2] تزئین الممالک نقلاً عن ابی نعیم و الغافقی صفحہ ۱۳، ۱۶ و بستان المحدثین ترجمہ مالک

[3] تذکرہ ذہبی ترجمہ مالک۔

مقدس سکوت طاری رہتا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کے ورق بھی اس ڈر سے نہیں اُلٹتے تھے کہ کھڑکھڑاہٹ کی آواز نہ ہو، جاہ وجلال اور شان و شکوہ سے کاشانۂ امامت پر بارگاہِ شاہی کا دھوکا ہوتا تھا، طلبہ کا ہجوم مستفیدوں کا اژدحام، امرا کا ورود، علما کی تشریف آوری، سیاحوں کا گذر، حاضرین کی مؤدب نشست درخانہ پر سواریوں کا انبوہ دیکھنے والوں پر رعب و وقار طاری کر دیتا تھا، اسی موقع پر ایک شاعر کا گذر ہوا تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ دو شعر نکل گئے[1]

یدع الجواب فما یراجع ھیبۃ والسائلون نواکس الاذقان

(ترجمہ) اگر امام جواب نہیں دیتے تو ہیبت سے پھر پوچھا نہیں جا سکتا۔ پوچھنے والے سر نیچے کیے رہتے ہیں۔

ادب الوقار وعز سلطان التُقیٰ فھو المھاب ولیس را سلطان

(ترجمہ) وقار کا ادب اور سلطان تقویٰ کا جاہ وجلال ہے۔ لوگ اس سے ڈرتے ہیں ہیں۔ حالانکہ یہ صاحب حکومت نہیں ہے۔

ہاں امام صاحب حکومت نہ تھے لیکن صاحب حکومت اس آستانہ پر آکر جھکتے تھے امام شافعی نے اپنی تعلیم کے لیے والیٔ مدینہ کو بغرض سفارش، جب در امامت پر لانا چاہا تو اس نے کہا میرا کہاں وہاں گذر" ہارون رشید جب مدینہ آیا تو امام صاحب سے موطا کی سماعت کی خواہش ظاہر کی، امام صاحب نے فرمایا کہ "کل کا دن اس کے لیے ہے۔ ہارون رشید اس کا منتظر رہا کہ امام صاحب دربار میں خود آئیں گے کل کا دن آیا تو امام صاحب اپنی مجلس درس میں تشریف فرما رہے۔ ہارون رشید نے پوچھا تو فرمایا کہ العلم یزار ولا یزور" علم کے پاس لوگ آتے ہیں، لوگوں کے پاس علم نہیں جاتا۔ آخر ہارون الرشید کو با ایں ہمہ جاہ وجلال خود امام کی مجلس میں حاضر ہونا پڑا۔

---

[1] ثوالی التاسیس بمناقب ابن ادریس ابن حجر [2] تزئین نقلاً عن الخطیب صفحہ ۱۷

مجلس میں عام وخاص کی تمیز نہ تھی۔ ہارون نے جب درس کی شرکت کا ارادہ کیا تو کہا کہ عام لوگوں کو باہر کر دیجیے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ شخصی منفعت کے لیے عام افادہ کا خون نہیں کیا جا سکتا۔[1] اللہ اکبر کیا پاک روحیں تھیں۔

مجلس درس

حدیث کا املا مسجد نبوی یا مجلس درس سے باہر نہیں کرتے تھے مہدی اور ہارون دونوں نے خیمہ خلافت میں املا کی خواہش کی لیکن امام نے انکار کر دیا۔ جلدی میں یا کسی کام میں مصروفیت میں، یا راہ چلتے ہوئے حدیث نہیں بیان فرماتے تھے، کہ خلاف ادب ہے۔ اور اصل یہ ہے کہ سماع وفہم حدیث کے لیے اطمینان اور حضور قلب چاہیے، جو ان موقعوں پر عموماً مفقود ہوتے ہیں، اس لیے احتراز فرماتے تھے، مجلس میں زور زور بولنا بھی خلاف ادب تھا۔ ایک بار حنیفہ منصور امام سے مسجد میں مناظرہ کر رہا تھا۔ آواز نہایت بلند ہو رہی تھی۔ امام نے ڈانٹ کر یہ آیت پڑھی۔

لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ' پیغمبر کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔

عادت شریف یہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع صبح تک مصلی پر درود وظائف میں مشغول رہتے۔ طلوع صبح کے بعد لوگ آنا شروع ہوتے، امام صاحب لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ایک دو آدمیوں سے خیریت پوچھتے، مجلس کی یہ ترتیب تھی کہ قریب ترجید و مستعد و صاحب فہم طلبہ کو جگہ دیتے پھر علی قدر المراتب لوگ آ آ کر بیٹھتے جاتے ابتدائے درس سے پہلے فرما دیتے کہ مستعد و صاحب فہم لوگ قریب بیٹھیں" املا آہستہ اور سکون کے ساتھ کرتے، ایک حدیث ختم ہو جاتی تو دوسری حدیث شروع کرتے۔

مختلف شیوخ کی مجالس میں درس کا طرز مختلف تھا۔ اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا، کہ وہ خود کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے، طلبہ بہ ترتیب پس وپیش قلم دوات

---

[1] مناقب مالک لابن مسعود الزوادی صفحہ ۲۹ مصر

لے کر بیٹھ جاتے۔ شیخ زبانی یا اپنا جزو حدیث ہاتھ میں لے کر اس سے املا کرتا، طلبہ لکھتے جاتے تھے۔ مجلس درس میں اگر غیر معمولی اجتماع ہوتا تو تھوڑی تھوڑی دور پر مستملی کھڑے ہوتے، جو شیخ کے الفاظ بعینہٖ آگے کو پہنچاتے۔ امام مالک بھی کبھی کبھی اس طریقہ سے درس دیتے تھے۔ ابن علیہ جو ایک جید شاگرد تھے۔ امام کے مستملی تھے۔

لیکن مدینہ کے اکثر شیوخ کا دستور یہ تھا۔ کہ وہ اپنی احادیث و فتاوی و تعلیقات کو پہلے قلمبند کر لیتے یا کسی مستعد و صاحب فہم شاگرد کو لکھنے پر مامور کرتے، لکھے ہوئے اجزا کاتب کے ہاتھ میں ہوتے اور وہ مجلس میں اس کو پڑھتا، شیخ جا بجا اس کے مطالب کی تشریح کرتا جاتا کاتب سے غلطی ہوتی اس کی تصحیح کر دیتا۔ امام صاحب کے کاتب کا نام ابن جبیب تھا۔ جن کا شمار محدثین کبار میں ہے۔ اور کبھی معن بن عیسیٰ یا اور دیگر تلامذہ پڑھتے۔ یہی سبب ہے کہ امام کے بعض تلامذہ مثلاً یحییٰ جن کی روایت بخاری میں ہے۔ حدثنا مالک و اخبرنا مالک کے قرأت علی مالک کہتے ہیں۔

امام صاحب اس اصول کی اکثر بشدت پابندی کرتے تھے یحییٰ بن سلام اسی بات پر ناراض ہو کر مجلس سے اُٹھ گئے کہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں۔ یحییٰ بن سلام تو خیر ادنےٰ شاگرد تھے، خود خلیفہ وقت ہارون نے امین و مامون کے لیے کہا کہ آپ پڑھیئے تو شیوخ مدینہ کا نام گنا کر فرمایا کہ "ہمارے شہر کے شیوخ کا یہی دستور تھا" اور کیا عجب بات ہے۔ کہ جس امر پر لوگوں کو اس قدر اصرار تھا۔ وہی آج ایک مدت سے تمام مدارس اسلامیہ کا دستور عام ہے۔

اس طریقہ کی خوبی شیوخ مدینہ کا یہ طریقہ متعدد وجوہ سے افضل و احوط ہے مجمع عام میں جب کوئی شخص بولنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو عموماً عجلت، کثرت اژدحام اور کبھی مرعوبیت کے سبب سے اس میں سماعت ممکن ہے

لے تزئین اقتفاً عن فضائل مالک لابن عبد۔

بخلاف اس کے اگر پہلے سے لکھ لیا جائے تو فراغ خاطر، اطمینان قلب اور فرصت فکر و مراجعت کے سبب سے صحت و حفظ و وثوق کے ذرائع زیادہ ہیں۔ محدث کا خود قرأت نہ کرنا اس لئے زیادہ مناسب ہے کہ وہ دوبارہ سن کر اپنے مسودہ کو تصحیح کر سکے کیوں کہ خود پڑھنے میں اکثر دیکھا گیا کہ زبان و نظر اپنی یاد کی بناء پر غلط لکھے ہوئے کو بھی صحیح پڑھتی ہے، دوسرا اجنبی شخص ہر سطر پر بار بار ٹھہرتا ہے۔ اور اس طرح معلم کو ہر مرتبہ غلطی پر تنبیہ ہوتی ہے۔ لیکن اس سے بھی بہتر مصلحت اس میں یہ ہے کہ اکثر فقہاے احادیث احادیث و آثار کے ساتھ اپنی ذاتی تحقیق و رائے یا کسی لغت کی شرح بھی بیان کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ امام زہری کا یہی طرز تھا۔ لیکن اس طرز میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اکثر طلبا اصل اور اضافہ میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ متن حدیث اور شیخ کے کلام میں ان کو اشتباہ ہوتا تھا۔ امام مالک کا جو طرز تھا وہ نہایت محفوظ تھا۔ اصل تو کاتب پڑھتا تھا۔ اور اضافہ خود اپنی زبانِ مبارک سے ادا کرتے تھے۔ اسی طرح ہر طالب علم کو اصل و اضافہ و اوراج میں فرق معلوم ہو جاتا تھا۔

ایک تو مدینہ خود اسلام کا گہوارہ اور نسلاً بعد نسلٍ علم دین کا مرکز تھا۔ دوسرے یہ کہ امام ہمام کا خاندان ابتدا سے علم کے ساتھ ایک خاص نسبت رکھتا تھا۔ ان اضافی اوصاف کے ساتھ خود ذاتی جوہر نے وہ پر و بال نکالے کہ دنیائے اسلام مشرق سے مغرب تک امام کے آوازۂ شہرت سے معمور ہوئی اور امام کی درسگاہ اختلاف مرد و بوم کی بوقلموں زار بن گئی ایک طرف سیستان دوسری صدی کی مملکت اسلام کا مشرقی گوشہ اور دوسری طرف قرطبہ دنیائے اسلام کا مغربی گوشہ دونوں کے ڈانڈے مدینۃ الرسول کی سرحد میں آکر مل گئے۔ (ممالک عرب) مدینہ۔ مکہ۔ صنعاء۔ ایلہ۔ سیراف عدن۔ طائف۔ یمامہ۔ ہجر۔ حضرموت۔ زبید۔ ہ مذک۔ بلقا (ممالک شام) دمشق عسقلان۔ خلاط۔ مصیصہ۔ بیروت۔ حمص۔ طرسوس۔ رملہ۔ نصیبین۔ حلب۔ بیت

المقدس۔ اردن۔ صور۔ انطاکیہ (ممالک عراق) بغداد۔ بصرہ۔ کوفہ۔ حران۔ موصل جزیرہ۔ واسطہ۔ انبار۔ رقہ۔ رہا (ممالک عجم) جرجان۔ کرمان۔ ہمدان۔ رے طالقان۔ نیشاپور۔ طبرستان۔ طوس۔ مدائن۔ قزوین۔ قومستان۔ صغان۔ آمد کردستان۔ دینور۔ سجستان (ممالک ترکستان) ہراۃ۔ بخارا۔ سمرقند۔ خوارزم۔ مرو۔ سرخس۔ ترمذ۔ بلخ۔ فسا (ممالک مصر) مصر۔ اسکندریہ۔ اسوان۔ تنیس (ممالک افریقہ) فریقیہ۔ تونس۔ قیروان۔ برقہ۔ طرابلس۔ مغرب۔ مراکش (ممالک اندلس) طلیطلہ، بسطہ، باجہ۔ قرطبہ۔ سرقسطہ (اٹلی) سسلی (ایشیائے کوچک) ازمیر یعنی سمرنا۔ الغرض ایشیا۔ قرطبہ۔ سرقسطہ ہر سہ معلوم براعظم سے مسافران علم کے کاروان بلا انقطاع مدینہ کا رُخ کرنے لگے اور اس طرح پیغمبر مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

عن ابی هريرة عند الترمذی وابن حبان والطبرانی، وعن ابی موسیٰ الاشعری عند الحاکم عن النبی صلی الله علیه وسلم یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون احدا اعلم من عالم المدینة وللفظ للقری قال الترمذی هذا حدیث حسن

ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب لوگ طلب علم کے لیے اونٹ ہنکائیں گے لیکن مدینہ کے عالم سے زیادہ بڑا عالم وہ کسی کو نہ پائیں گے۔

جغرافی وسعت سے قطع نظر کر کے اگر مستفیدین و تلامذہ کے حلقہ پر نظر کی جائے تو ہماری حیرت میں متعدد وجوہ سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ کہ ایک شخصیت ایک یونیورسٹی کا کام کیونکر انجام دیتی تھی۔

لہ خطیب نے رواۃ عن مالک میں جن لوگوں کے نام لکھے ہیں ہم نے سیوطی کی تزئین الممالک کے حوالہ سے ان شہروں کے نام دیکھ کر جمع کر لیے ہیں۔

امام صاحب کے شاگرد اور حلقۂ مستفیدین

اس حلقۂ درس نے کس قسم کے اشخاص پیدا کیے؟ اور اس فیض عام کا اثر کہاں تک پھیلا؟ اس کا جواب امام کے مسترشدین و مستفیدین و تلامذہ کی فہرست سے ظاہر ہوگا۔ محدث ذہبی لکھتے ہیں "وحدث عنہ (سما لا یکادون یحصرون" امام مالک سے اتنے لوگوں نے روایت کی ہے کہ جن کا شمار تقریباً ناممکن ہے" تلامذہ میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اور علماء کی مجلس سے فضل و کمال کی سند حاصل کر چکے تھے۔ بلکہ امام کے شیوخ بھی امام کے احسان علمی سے سبکدوش نہ تھے۔ خود امام مالک فرماتے تھے۔ کہ بہت کم ایسے لوگ ہیں۔ جن سے میں نے سیکھا ہے۔ اور آخر ان کو خود مجھ سے پوچھنے کی حاجت نہ پڑی[۲]۔

تلامذہ کی خصوصیات امام کو اپنے تلامذہ و مستفیدین کی حیثیت سے بھی متعدد خصوصیات حاصل ہیں۔ جس کثرت، جس رتبہ اور جس طبقہ کے لوگ امام کے حلقۂ فیض میں داخل ہیں، تمام محدثین میں فقہاء میں کسی کو نصیب نہیں ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو فضل عظیم۔

کثرت عدد ۱۔ کثرت تعداد کے لحاظ سے امام مالک کے مستفیدین و تلامذہ کی تعداد ۱۳۰۰ سے زیادہ ہے۔ ہم کو معلوم ہے کہ امام بخاری کے شاگرد فربری کی روایت کے مطابق بخاری کے شاگردوں کی تعداد ۹۰۰۰ ہے، لیکن اگر عوام و خواص کی کثرت و قلت کوئی قابل امتیاز شے ہے تو نوے ہزار عام انسانوں کی بھیڑ ان تیرہ سو

[۱] تذکرۂ ذہبی ج ۱ ص ۱۰۱ حیدرآباد دکن [۲] تقریب التہذیب، مالک بن انس ۳۲ ترجمہ فضائل مالک بن محمد الزمرانی ص ۲

منتخب روزگار کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جن میں باستثنائے چند (۴ یا ۵) ہر ایک اس فن کا نکتہ دان اور بلند پایہ محدث ہے۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ یکے مرد جنگی بہ از صد ہزار۔

شہرت و معرفت

۲۔ امام بخاری کے نوے ہزار عام رواۃ کے حالات بجز ایک تعداد مخصوص (شاید ۴ یا ۵) مجہول و مستور اور نام بنام غیر معلوم ہیں۔ لیکن امام مالک کے رواۃ و تلامذہ نام بنام ایک ایک حالاً و جرحاً و تعدیلاً معلوم و مشہور ہیں۔ ابو بکر خطیب بغدادی، ابن بشکوال۔ اندلسی، قاضی عیاض شمس الدین دمشقی۔ حافظ سیوطی نے ایک ایک کو گن دیا ہے۔ ان کو حدوداً و ترتیباً بترتیب ہجا رسائل میں جمع کر دیا ہے۔ فشتان بینهما۔

۳۔ عموماً عام محدثین کے تلامذہ کی جغرافی حیثیت اس قدر وسیع نہیں جس قدر امام مالک کی۔ ہم اس سے پہلے باب میں بہ تفصیل ایک ایک ملک و شہر کا نام لکھ چکے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے تلامذہ تمام عجم و عرب میں پھیلے تھے۔ لیکن افریقہ و اندلس ان سے بے نیاز رہا۔ امام اوزاعی کا علم اندلس میں پھیلا لیکن ممالک عجم ان سے مستفید نہ ہوئے۔ لیکن امام مالک کے علم و معارف نے دنیائے اسلام کے ایک گوشہ کو بھی اپنی غلامی سے آزاد نہ چھوڑا۔

دردیر و حرم کیست کہ آزاد بماند ست

فضل و کمال

لیکن ہمارے نزدیک تلامذہ کی کثرت اور جغرافی وسعت اس قدر مایہ فخر نہیں ہے جس قدر ان کا علوے مرتبہ، رفعتِ کمال اور کثرتِ فضل۔ امام مالک اپنے ہمسروں میں جس قدر اس حیثیت خاص میں ممتاز ہیں۔ اس کو محض عطیہ الٰہی سمجھنا چاہئے جو صرف عالم مدینہ کے لیے مقدر تھا۔ امام المحدثین زہری شیخ مالک، امام الحدیث جعفر بن محمد شیخ مالک امام الحدیث یحییٰ بن سعید انصاری تابعی شیخ مالک، امام القراء نافع بن ابی نعیم شیخ مالک ہشام بن عروہ فقیہ مدینہ، امام ابو حنیفہ،[1]

---

[1] رواۃ مالک للخطیب البغدادی، ابن عساکر، مسند امام ابو حنیفہ ابن خسرو، دار قطنی کتاب الضعفاء

امام شافعی، ناقد الحدیث یحییٰ بن سعید القطان، سفیان ثوری امام کوفہ اوزاعی فقیہ کوفہ، امام محمد، قاضی ابو یوسف وکیع بن الجراح، ابن ابی ذہب فقیہ مدینہ، عبداللہ بن دینار تابعی شیخ مالک، سفیان بن عیینہ امام المحدیث، حجۃ الحدیث شعبہ بن الحجاج، امام الیسر موسیٰ بن عقبہ شیخ مالک، ناقد الحدیث، عبدالرحمٰن بن مہدی امام المحدیث ابن جریج وغیرہم ائمہ کبار و ارباب فن امام مالک کے حلقہ مستفیدین و تلامذہ میں داخل ہیں، حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی اقلیم کا مستقل فرمانروا ہے۔

تنوع طبقات

۵۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک عجیب شے یہ ہے، کہ امام کا حلقہ افادہ اتنے مختلف الانواع طبقوں کو مشتمل ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ یہ مختلف سمت و جہت کے خطوط کیونکر ایک ہی مرکز کی طرف رجوع ہوئے۔

خلفائے اسلام

ابو جعفر منصور، مہدی، موسیٰ، ہادی، ہارون رشید، محمد امین، عبداللہ مامون۔

امرائے بلاد

حسن بن ہلب شیبانی امیر خراسان، عبداللہ بن سعید، عبدالملک بن مروان اموی، ہاشم بن عبداللہ التجیبی امیر برقہ (افریقیہ)

تابعین و شیوخ امام

ابن شہاب زہری یحییٰ بن سعید انصاری۔ محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود، شعبہ، نافع القاری ابوحنیفہ، ہشام بن عروہ۔ ربیعہ رائی، ابوسہیل نافع۔ سفیان ثوری، حماد، ایوب سختیانی

۵۔ بدر الدین زرکشی فی اثنات۔ علی ابن الصلاح، مسند ابوحنیفہ لابی الضیاء الکمال بالکمال قلمی کتب خانہ بانکی پور فن حدیث نمبر ۴۲۲، شرح زرقانی جلد اصفحہ ۳ مصر تزئین الممالک سیوطی میں ۱۵۸ محلی شرح موطا مولانا عبدالسلام حنفی مقدمہ ان تمام کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کے استفادہ کا تذکرہ ہے۔

محمد بن مطرف، ابو غسان، عبداللہ بن دینار، یزید بن عبداللہ وغیرہم۔

ائمہ محدثین

محمد بن عجلان، حیات بن شریح، سلام التیمی، یحیٰی بن بکیر، یحیٰی مصمودی، زید بن اسلم ادہیب بن خالد، ابن ابی ذئب، وکیع بن جراح، ولید بن مسلم الدمشقی، خالد امام خراسان مسلم بن خالد الزنجی، سلیمان اعمش، زبیر بن بکار، ابراہیم امام مصیصہ، عبدالرحمٰن بن مسلمہ تعینی، ابن لہیعہ، عبدالرحمٰن بن مہدی، عبدالعزیز بن محمد الدراوردی ابو نعیم فضل بن دکین عبدالملک بن جریج، عبدالرزاق بن ہمام، لیث بن سعد، شیخ الاسلام محمد بن مبارک، ہیثم بن جمیل محدث انطاکیہ قتیبہ بن محمد محدث خراسان، حافظ الحدیث ابو محمد زہرانی، سلیمان بن داؤد طیالسی معن بن عیسٰی، ابو مصعب زبیری، ابو حذافہ سہمی وغیرہم۔

ائمہ مجتہدین

امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام محمد، امام ابی یوسف، امام ابن قاسم مالکی۔

فقہاء

حسن بن زیاد لولوی صاحب ابی حنیفہ، عبداللہ بن وہب مفتی مصر، ابو عمر اشہب فقیہ مصر، اسد بن فرات فقیہ افریقہ۔

قضاۃ

ابراہیم بن اسحٰق قاضی مصر، ایوب بن سوید قاضی سرد، اسد بن عمر قاضی، احرم بن حوشب قاضی ہمدان داؤد بن منصور قاضی مصیصہ، شریک بن عبداللہ قاضی، افریقیہ یحیٰی بن بکیر قاضی کرمان ابن اشرس العمری قاضی طرسوس، محمد بن عبداللہ الکنانی قاضی افریقہ، اسد بن فرات قاضی سسلی (اُلمی) زیاد بن لبیط قاضی طلیطلہ، (اسپین) محمد بن قاضی باجہ (اسپین)۔

زہاد و صوفیائے کرام

ابراہیم بن ادھم، ابو نصر بشر بن حارث الزاہد، ثابت بن محمد الزاہد الکوفی حسن بن حسین بن عطیۃ العوفی، ذوالنون مصری، کارخ بن رحمہ زاہد، محمد بن فضیل بن عیاض زاہد۔

ادباؤ شعراء

ابو العتاہیہ شاعر، دعبل شاعر، محمد بن عبدالملک الزیبنی شاعر، عبدالملک اصمعی لغوی عمر بن سہل المازنی البصری نحوی۔

مورخین

احمد بن محمد بن ولید الازرقی صاحب تاریخ مکہ، موسیٰ بن عقبیٰ صاحب سیرت نبوی، محمد بن عمر الواقدی صاحب تصانیف کثیرہ، علی بن محمد مدائنی صاحب انساب و تصانیف کثیرہ۔

مفسر

مقاتل بن سلیمان صاحب التفسیر

فلسفی

احمد بن محمد صاحب بیت الحکمہ بغداد

اس عہد کے بعد تمام محدثین کبار بلا استثنا امام مالک کے بیک واسطہ یا بدو واسطہ تلمذ سے مشرف ہیں امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، ابو داؤد نسائی، مسانید و صحاح کے یہ تمام مصنفین عرف ایک واسطہ سے امام کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہیں اور اس پر ناز و فخر ہے۔ یہ ناز و فخر آٹھویں صدی تک باقی ہے۔ جب کہ محدث کبیر شمس الدین ذہبی فخریہ لکھتے ہیں کہ سات واسطوں سے امام کا شاگرد ہوں۔ امام نووی کو بھی ساتویں صدی میں امام سے قریب نسبت پر ناز ہے۔ مقدمہ شرح مسلم

میں اپنے اسناد کے حال میں لکھتے ہیں۔

قد وقع لنا اعلیٰ من هذا الکتب وان کانت عالیة موطا الامام مالک بن انس وهو شیخ الشیوخ المذکورین کلهم۔

ایک کتاب کی سند مجھ کو کتب بخاری مسلم ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی سب سے بہتر ملی، اور وہ امام مالک کی مؤطا ہے۔ جو ان تمام محدثین کے شیخ تھے۔

امام مالکؒ ایک فقیہ اور مفتی کی حیثیت سے

فقیہ و محدث کا فرق

ایک مفتی اور فقیہ کا فرض ایک محدث سے زیادہ ہے محدث صرف ایک سرمایہ دار ہے۔ فقیہ اس سرمایہ کو لے کر عالم کاروبار میں آتا ہے۔ کھرے کھوٹے کی تمیز، احکام کی تفریع عموم کی تخصیص، خصوص کی تعمیم، مطلق کی تقلید، مقید کا اطلاق، ناسخ و منسوخ کی تفریق، اوامر و سنن کی ترتیب، احکام غیر منصوصہ کا قیاس، احکام کے علل و مصالح کی تلاش، ضروریات انسانی کے مطابق احکام شرعیہ کا اعلان، رعایا و حکومت کے لئے قوانین کی تدوین یہ ایک فقیہ و مفتی کے عام فرائض ہیں۔ جو ایک محدث محض کے رتبہ سے بلند تر ہیں۔

عہدِ نبوی

حیات نبوی میں مسلمانوں کی تعداد کم و بیش ۶۰ ہزار سے ایک لاکھ تک تھی ان میں سے ۳۰ ہزار خاص مدینہ میں متوطن تھے۔ اور باقی ادھر اُدھر بحرین و یمن، مکہ و طائف وغیرہ بلاد عرب میں پھیلے تھے۔

اصحابِ صفہ

مدینہ سے باہر دوسرے شہروں اور قبیلوں کے لیے یا فقہائے صحابہ جن کا اس زمانہ میں قرار نام تھا، جو اکثر اصحاب صفہ ہوتے تھے۔ بھیجے جاتے تھے۔ یا ان میں سے ایک دو کو چند روز آنحضرت صلعم اپنی صحبت میں رکھ کر احکام و سنن کی تعلیم دے کر ان کو ان کے شہر و قبیلہ میں واپس فرما دیتے تھے، مدینہ کے اندر خود شارع علیہ السلام کا وجود اقدس کار فرما تھا۔ خود عہد نبوت میں ۳۰ ہزار صحابہ مدینہ میں سے ۱۰۰ آدمی مسجد مدینہ کے صفہ (چبوترہ) پر شب و روز طلب علم میں مصروف تھے، آنحضرت صلعم کے بعد ۲۴، ۲۵ برس مدینہ تمام دنیائے اسلام کا مرکز رہا۔ ہر

قسم کے احکام و فتاوی کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا۔ تمام اکابر صحابہ یہیں تشریف فرما رہتے۔

طبقات فقہائے صحابہ

فقیہ ترین صحابہ جن کے فقہ و فتاوی و احکام اگر الگ الگ ترتیب دیئے جائیں، تو ایک ایک مستقل جلد تیار ہو جائے، چھ شخص تھے، عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہؓ بن مسعود ام المومنین عائشہؓ زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن عباسؓ عبداللہ بن عمر۔

ان کے بعد وہ اشخاص ہیں جن کے فتاوی و احکام و قضایا ایک ایک رسالہ کے بقدر ہیں۔ اس جماعت میں تقریباً ۲۰۔ اشخاص ہیں۔ ابوبکر صدیق ام المومنین ام سلمہ انس بن مالکؓ ابوسعید خدری، ابوہریرہؓ عثمان عفان عبداللہؓ بن عمرو بن العاص عبداللہ ابوموسیٰ اشعری سعد بن ابی وقاص سلمان فارسی جابر بن عبداللہ۔ معاذ بن جبل۔ طلحہ زبیرؓ بن العوام عبدالرحمن بن عوف، عمران بن حصین۔ ابوبکرہؓ، عبادہ بن صامت معاویہ بن ابی سفیان۔

تیسرا طبقہ ان صحابہ کا ہے، جن کے مجموعی قضایا و فتاوے صرف ایک مختصر رسالہ کی حیثیت رکھتے ہیں[1]۔ ان میں عام صحابہ داخل ہیں۔

صحابہ مدینہ و غیر مدینہ

حضرت علی نے ۴ برس اپنی خلافت کے کوفہ میں بسر کیے ان کے ساتھ سلمان فارسی بھی تھے، اسی طرح فتنہ کے بعد حضرت انسؓ اور ابن مسعودؓ بھی آخر عمر میں کوفہ چلے گئے، حضرت عبداللہ حضرت علیؓ کے عہد میں بصرہ کے والی ہوئے، حضرت ابن زبیرؓ کی خلافت کے زمانہ میں مکہ و طائف میں رہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص اخیر زمانہ میں مصر میں رہتے تھے، امیر معاویہؓ تمام تر شام میں رہے، ان کے علاوہ یہ تمام بزرگوار جن کے نام ہم نے اوپر پہلے اور دوسرے طبقہ میں گنائے ہیں، مدینۃ الرسول ہی میں اپنی تمام عمر بسر کرتے رہے۔

---

[1] یہ تفصیل مقدمہ اعلام الموقعین ابن القیم میں ہے ص ۳ مصر

فقہائے تابعین مدینہ

صحابہ کے دور کے بعد تابعین کا طبقہ ہے۔ تابعین میں محدثین تو سینکڑوں ہیں، جن میں سے اکثر کے نام شیوخ مالک کی فہرست میں گذرے، لیکن فقہاء میں مشہور ترین اشخاص خارجہ بن زید بن ثابت، سالمؒ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، قاسم بن ابی بکر صدیق، عروہ بن زبیر عبیداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن حارث، سلیمان بن یسار، ابوسلمہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن ابوبکر بن عمرو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز، سعید بن المسیب ہیں۔ ان بزرگوں کا مدینہ میں بیک وقت اجتماع تھا۔ ہر قسم کے قضیئے، احکام اور فتوے ان ہی بزرگوں کی مخصوص مجلس میں طے پاتے تھے[1] حضرت عمر بن عبدالعزیز جب مدینہ کے والی مقرر ہوئے تو انہوں نے اس مجلس کو اور باقاعدہ کر دیا، عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان بن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ کو بلا کر اپنی مجلس کے ارکان شوریٰ مقرر کیئے[2] تمام احکام و مقدمات ان حجوں کی بحث و مذاکرہ کے بعد طے ہوتے تھے، اور وہ مدینہ کی عدالت کا حکم فقہی تسلیم ہوتا تھا۔ جس میں زیادہ مدد حضرت عمر کے قضایا و احکام سے لی جاتی تھی۔ کہ ان کے عہد حکومت میں وسعت فتوحات نے بہت سی نئی ضرورتیں پیدا کر دی تھیں۔ حضرت عمر ان کا فیصلہ فقہائے صحابہ کی مجلس میں اور ان کے نواسہ عمر بن عبدالعزیز کی زیر صدارت تابعین کی مجلس میں مرتب ہو چکا تھا۔

فقہ مالک

امام مالک کے فقہ و فتاویٰ کی بنیاد اسی فقہ مدینہ پر ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی کے مقدمہ میں لکھا ہے "امام مالک بنائے فقہ را بر حدیث آنحضرت صلعم نہادہ است کہ مسند باشد یا مرسل ثقاۃ، بعد ازاں بر قضایائے عمر و بن عبدالعزیز" موطا کے طرز استدلال اور احادیث و آثار کا جس نے بغور و دقت نظر مطالعہ کیا ہے وہ یقیناً اس کی تائید کرے گا۔ کہ امام مالک کی فقہ و فتاویٰ کی یہی بنیاد و اصول

[1] فتح الغیث صفحہ ۱۲۹ ہند [2] اخبار الطعال ابوحنیفہ دنیوری صفحہ ۱۳۳ مصر

ہیں اور انہی اصول پر امام مالک فتاوئے فقیہہ کا جواب دیتے تھے۔

امام مالک کے فضل و کمال کا تمام شیوخ مدینہ کو اعتراف تھا۔ تاہم مالک نے اس قدر احتیاط کی کہ جب تک ستر علمائے عظام نے امام صاحب کی قابلیت و استحقاق کا فتویٰ نہ دیا، امام صاحب نے اس مرتبہ عالی پر قدم رکھنے کی ہمت نہ کی عادت مبارک ہمیشہ یہ جاری رہی کہ جب کسی فتوے کا جواب ارشاد فرماتے تو پہلے ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہتے۔

حکومت کا اعلان نہ صرف مدینہ و حجاز بلکہ اطراف ملک سے سائلین کا اژدحام رہتا تھا، موسم حج جبکہ تمام دنیائے اسلام کو ایک عرصہ عرفات میں جمع کر دیتا تھا، اور تمام علماء دین، کوفہ، بصرہ، خراسان وغیرہ سے سمٹ سمٹ کر ایک حرم مکہ میں جمع ہو جاتے تھے، تو حکومت کی طرف سے اعلان ہوتا تھا امام مالک اور ابن ابی ذئب کے سوا اور کوئی فتویٰ نہ دے

حکومت کے مقابلہ میں آزادی فتویٰ اطلاق مکرہ حکومت کی اس تعظیم و تکریم کا نتیجہ شاید دوسروں پر یہ ہوتا کہ وہ کم از کم مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے کے خلاف، حکومت کے مشورہ کی تعمیل کرتے، لیکن امام صاحب اپنی حریت رائے اور اعلانِ حق میں اس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص زبردستی مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس نے ڈر کر بجبر و اکراہ دے دی تو امام ابو حنیفہ اور بعض دیگر ائمہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن امام مالک اور اکثر اصحاب حدیث اس کے قائل ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی۔ والی مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی جو خلیفہ منصور کا چچا زاد بھائی بھی تھا، اس نے امام کو حکم دیا کہ وہ یہ فتویٰ نہ دیں، لیکن امام صاحب نے

لہ تزئین الممالک عن نعیم صفحہ ۱۰ سہ ابن خلکان ترجمہ مالک

علی الاعلان اپنی رائے کا اظہار کیا اور آخر اس کے لیے کوڑوں کی سزا تک گوارا کی۔

لاادری

یہ اعلانِ اور حریت رائے تو حکومت کے مقابلہ میں ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ شدید موقع اعلانِ حق کا اپنے نفس کے مقابلہ میں ہے، مفتی کے لیے جس قدر پہلی قسم کی حریت کی حاجت ہے، اس سے زیادہ دوسری قسم کی حریت کی ضرورت ہے۔ لیکن امام صاحب جس طرح پہلی منزل میں مستقیم تھے۔ دوسری منزل میں بھی درماندہ نہ تھے۔ امام صاحب سے جب کوئی فتویٰ پوچھا جاتا اور اس وقت اس جزئیہ پر اطلاع نہ ہوتی، تو نہایت متانت وکشادہ پیشانی کے ساتھ فرماتے کہ لاادری میں نہیں جانتا، امام کے شاگرد ابن وہب کہتے ہیں کہ اگر میں امام مالک کی لاادری لکھا کرتا تو کتنی تختیاں بھر جاتیں[1]۔

ممالک بعیدہ کے استفتا سے احتراز

اکثر دور کے شہروں سے جو مستفتی آتے تھے۔ امام صاحب حتی الوسع ان کو جواب دینے سے احتراز کرتے۔ ابن عبداللہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نہایت دور و دراز مسافت سے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے ایک مسئلہ پوچھا، امام صاحب نے فرمایا کہ میں اس کو اچھی طرح نہیں جانتا۔" سائل نے کہا کہ میں چھ مہینے کی راہ طے کر کے صرف اس مسئلہ کی خاطر حاضر ہوا ہوں، جن لوگوں نے مجھ کو بھیجا ہے۔ میں ان کو جا کر کیا جواب دوں گا۔" امام صاحب نے فرمایا کہ کہہ دینا کہ مالک نے کہا کہ میں نہیں جواب دے سکتا۔" اسی قسم کا ایک واقعہ ابونعیم نے حلیہ میں بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے فتویٰ پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا" اس نے کہا کہ میں اتنے دور دراز راستہ سے اسی لیے آیا ہوں"۔ امام

---

[1] تزیین الممالک ص ۱۴ عن ابی نعیم

صاحب نے فرمایا کہ "جب اپنے گھر پہنچو تو کہہ دینا کہ مالک کہتے ہیں کہ میں اچھی طرح نہیں بتا سکتا"۔

ایک اور واقعہ ابو نعیم نے امام کے شاگرد عبد الرحمٰن بن مہدی کی زبانی نقل کیا ہے کہ ایک شخص چند روز تک ایک فتوے کے جواب کے لیے حاضر خدمت ہوا کیا۔ ایک دن اس نے عرض کیا کہ میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا، جو کچھ جواب ہو ارشاد فرمایئے یہ سن کر آپ نے سر جھکا لیا، تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر فرمایا کہ میں اسی مسئلہ کا جواب دیتا ہوں، جس میں کچھ بہتری جانتا ہوں۔ تمہارے اس مسئلہ کو میں اچھی طرح نہیں جانتا

امام صاحب کا یہ احتراز درحقیقت شدت تقویٰ اور ایک نہایت دقیق نکتہ پر مبنی تھا مفتی کی حالت یہ ہے کہ آج وہ ایک مسئلہ کی نسبت ایک رائے رکھتا ہے۔ دوسرے دن اس سے صحیح تر اسی کے خیال میں آتی ہے۔ ایسے موقع پر شہر اور اس کے قرب و جوار میں مستفتی کو اپنی غلطی سے اطلاع دے سکتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں جب وسائل سفر و خبر آسان نہ تھے، ممالک بعید میں تصحیح و تغلیط کی اطلاع مشکل تھی امام صاحب کے ایک مصری دوست نے حیرت سے امام صاحب سے پوچھا کہ۔ آپ ان بیچاروں کو جو کوسوں سے مصائب سفر و مصارف راہ برداشت کر کے آتے ہیں۔ کیوں واپس کر دیتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ مصری مصر سے شامی شام سے، عراقی عراق سے آتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں۔ شاید جو جواب میں نے آج دیا ہے، اس کی بجائے کل مجھ کو کچھ اور جواب معلوم ہو"۔ حضرت لیث مصری نے جب امام کا یہ قول سُنا تو رو پڑے کہ مالک لیث سے قوی تر ہے۔ اور لیث ان سے کم زور تر فتووں کے جواب میں اکثر یہ فرماتے تھے کہ قال رسول اللہ کذا آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا ہے۔ سائل نے کہا کہ آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ نے جواب میں یہ آیت پڑھی فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ

لَيُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيمٌ[1] جب کسی مسئلہ قیاسی کو بیان فرماتے تو پہلے یہ آیت پڑھ دیتے اَنْ نَظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِينَ[2]

جواب میں کاوش و فکر

مسائل و فتاویٰ کا جواب ہمیشہ دقتِ نظر اور کاوش فکر سے دیتے تھے۔ ابن ابی اویس کہتے ہیں کہ ایک بار امام صاحب نے فرمایا کہ کبھی کبھی ایسا مسئلہ پیش آجاتا ہے کہ خواب و خور حرام ہو جاتا ہے۔ ابن ابی اویس نے کہا آپ کی بات تو لوگوں کو نقش فی الحجر کی طرح تسلیم ہوتی ہے، پھر آپ یہ کیوں مشقت برداشت کرتے ہیں۔ امام کس نکتہ سنجی کے ساتھ جواب دیتے ہیں کہ ابن ابی اویس اس حال میں تو مجھ کو اور بھی کاوش کرنی چاہیئے[3]۔

انصاف پسندی

اگر کسی مسئلہ میں غلطی ہوتی اور کوئی اصلاح کر دیتا تو فوراً تسلیم کر لیتے تھے، ایک شخص نے پوچھا، کیا وضو میں پاؤں کی انگلیوں میں تخلیل کرنی چاہیئے؟ امام نے فرمایا لیس ذالك علی الناس ابن وہب امام کے شاگرد بیٹھے تھے، مجلس کے بعد انہوں نے کہا کہ تخلیل کی حدیث ایک میرے پاس ہے۔ امام نے سن کر کہا کہ "حدیث حسن" اور اس کے بعد پھر ہمیشہ فتویٰ اسی کے موافق دیا[4]۔ امام مالک تقریباً ۶۰ برس متصل فقہ و فتاویٰ میں مصروف

---

[1] تزیین الممالک عن ابی نعیم صفحہ ۱۴۔

[2] مناقب مالک الزواوی صفحہ ۱۳۹ عن سعید بن سلیمان۔

[3] الزواوی عن الرحمن بن عبد العزیز العمری صفحہ ۱۳۱۔

[4] الزواوی عن ابن وہب صفحہ ۱۳۰۔

رہے امام کے تلامذہ نے امام کے مسائل فقیہ و فتاوے کو مدون بھی کیا ہے سب سے پہلی کتاب اسد بن الفرات قاضی افریقیہ کی "اسدیہ" ہے اور سب سے ضخیم ابن قاسم المتوفی ۱۹۱ھ کی "المدونۃ" ہے، جو خود امام کی زندگی میں مدون ہو رہی تھی۔ ورنہ مصر میں اب چھپ گئی ہے۔ تیسری کتاب ابن وہب مصری المتوفی ۱۹۷ھ کی کتاب المجالسات عن مالک ہے، ان کتابوں میں امام کے ہزاروں فتاوی مدون ہیں۔ ابن قاسم مصنف مدونۃ کی نسبت مشہور ہے کہ ان کو امام کے ۴۰ ہزار مسائل زبانی یاد تھے۔

امام صاحب کے فضل و کمال کا اعتراف

دنیا میں ماہر فن کا اعتراف اگر فضیلت کا کوئی معیار ہے تو کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس معیار کی بنا پر امام مالک کا پایہ نہایت بلند ہے، امام مالک ارباب رائے میں داخل ہیں محدثین نے ارباب رائے کا کم اعتراف کیا ہے۔ لیکن امام مالک باوجود انتساب رائے محدثین میں وہی درجہ رکھتے ہیں۔ جو صاحب فن اپنے اتباع اور مقلدین میں رکھتا ہے یحییٰ بن معین جو حدیث و رجال کے ناقد ہیں کہتے ہیں، مالک امیر المومنین فی الحدیث" مالک اقلیم حدیث کے بادشاہ ہیں"۔ محدث کبیر سفیان بن عیینہ کہتے تھے، ہم لوگ مالک کے سامنے کیا چیز ہیں! ہم لوگ تو ان کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہیں۔ اگر امام مالک نے کسی شیخ سے روایت کی ہے۔ تو اس سے کرتے ہیں ورنہ چھوڑ دیتے ہیں"۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے کہ روئے زمین پر مالک سے بڑھ کر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں"۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے، حدیث آئے تو مالک ستارہ ہیں"۔ محدث ابن نہیک کا قول ہے کہ صحت حدیث میں، میں مالک پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا"۔ امام احمد ابن حنبل سے ایک شخص نے پوچھا۔ کہ اگر کسی کی حدیث وہ زبانی یاد کرنا چاہے تو کس کی کرے؟ جواب دیا کہ مالک بن انس کی، ابن مہدی جو نہایت مشہور محدث ہیں۔ ان سے ایک شخص نے کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ کہتے کہ مالک ابوحنیفہ سے زیادہ فقیہ ہیں"۔ انہوں نے فرمایا میں نے تو یہ نہیں کہا لیکن یہ کہتا ہوں کہ مالک ابوحنیفہ کے استاد (حماد) اسے بھی زیادہ فقیہ ہیں"۔ ظاہر ہے یہ مبالغہ ہے ورنہ امر واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ امام مالک اور دوسرے ائمہ سے زیادہ فقیہ تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فقہ عالم اسلام کے بیشتر حصہ میں رائج ہے۔

سفیان بن عیینہ باایں ہمہ علم وفضل حلال وحرام اور حدیث معمول کا املاء امام مالک کے حلقہ میں بیٹھ کر سنتے تھے۔ اور وہاں سے اٹھ کر اپنے مستفیدین کے حلقہ میں بیٹھتے تھے۔ سفیان ثوری جو مجتہد مستقل ہیں، وہ مناسک حج میں امام کی پیروی کرتے تھے، ابن معین جو نقد حدیث میں امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اصحاب زہری میں مالک سے بڑھ کر کوئی اثبت نہیں"۔ ابن معین کا دوسرا قول ہے۔ کان مالک من حجج اللہ علی خلقہ" یعنی "مالک خدا کی طرف سے خلق پر ایک حجت تھے" یحییٰ ابن سعید القطان جو امام حدیث ہیں فرماتے ہیں، کہ مالک اس امت کے لئے رحمت تھے"۔ ابن ابی حازم نے ناقد حدیث اور آوردی سے پوچھا کہ اس خدائے کعبہ کی قسم! مالک سے بڑا کوئی عالم تم نے دیکھا؟ جواب دیا کہ "خدا یا نہیں"۔

شغل حیات، شخصیت اور عظمت

اب ہم مجلس درس و افادہ سے اُٹھ کر دربار شاہی میں آتے ہیں۔ امام صاحب ۹۳ھ میں پیدا ہوئے تھے، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ولید سریر آرائے خلافت دمشق تھا۔ لیکن ۲۵ برس بعد ۱۱۷ھ میں جب امام تعلیم سے فارغ ہو کر شہرت عام حاصل کر رہے تھے، تو خلافت امویہ دمشق کا دم باز پسین تھا، یہ ہشام بن عبد الملک کا عہد اخیر تھا، ۱۲۵ھ میں اس نے وفات پائی۔ اس کے بعد ۸ برس کی مدت میں ولید بن ولید ابراہیم بن ولید اور مروان بن محمد بن مروان چار بد قسمت بادشاہوں کے اوراق حکومت جلد جلد اُلٹ گئے، تا آنکہ ۱۳۲ھ میں خلافتِ عباسیہ کے نام سے تاریخ کا نیا باب شروع ہوا۔

خلافتِ عباسیہ

خلافت عباسیہ کا پہلا تاجدار ابو العباس سفاح ہے اس کا زمانہ خلافت ساڑھے چار برس ہے، جو صرف عہد جدید کے انتظام و تدابیر اور خانہ جنگیوں میں صرف ہو گیا، اس کی خلافت کے اخیر سال ۱۳۶ھ میں اس کا بھائی ابو جعفر منصور سالارِ حجاج بن کر حجاز گیا۔ اور آخر اسی سفر مبارک کی واپسی میں مژدۂ خلافت اس کے گوش گذار ہوا۔ لیکن حقیقت میں ۱۳۸ھ تک یعنی جب تک ابو مسلم خراسانی قتل نہ ہوا، وہ خلیفہ نہ تھا، ۱۳۹ھ میں بغداد تعمیر ہوا اور بغداد کے سنگِ بنیاد کے ساتھ عباسیہ کی حکومت کی بنیاد بھی اس نے ایک مضبوط چٹان پر قائم کی، ان کاموں سے فراغت پا کر ۱۴۰ھ میں حج و زیارت کے لیے مکہ معظمہ

[1] اور مدینہ منورہ آیا۔

خانوادہ خلافتِ عباسیہ جواب اوجِ کمال پر تھا۔ چند سال پہلے صرف شرفائے قریش کا ایک گھرانا تھا' اس لیے منصور طلب علم' اساتذہ کی صحبت' علمی مجلسوں کی نشست میں اسی طرح برابر کا شریک تھا جس طرح دیگر اشراف وسادات کے خاندانوں کے ہونہار بچے' منصور اس انقلاب سے پہلے مدینہ کی درسگاہ کا ایک طالب العلم اور امام مالک کے طبقہ کا ایک شریک صحبت تھا۔

خلافت کے بعد منصور کے لئے حج کا یہ پہلا موقع تھا۔ شہر کے شرفا اور علما اس کے استقبال کے لیے نکلے' سفیان ثوری' سلیمان خواص اور امام مالک بھی ملنے کے لیے آئے کہ کل تک تو علم حدیث کی مجلسوں میں ہمارے ساتھ یہ برابر کا شریک تھا دیکھیں اب وہ کس حال میں ہے۔ دربار میں حجاز کے تمام علماء اور فقہا موجود تھے منصور نے امام صاحب کی طرف روئے خطاب کرکے کہا اے ابوعبداللہ (امام صاحب کی کنیت) میں اختلافات فقہی سے گھبرا گیا ہوں عراق میں تو کچھ نہیں ہے۔ شام میں صرف جہاد کا شوق ہے وہاں کوئی بڑا علم نہیں۔ جو کچھ ہے وہ حجاز میں ہے اور حجاز کے علماء کے سرخیل آپ

---

[1] امام مالک اور خلیفہ منصور کے متعلق تاریخ ومناقب کی کتابوں میں بہت سے منتشر و پراگندہ اور متضاد الفاظ و عبارت کے واقعات مذکور ہیں۔ جن میں باہم کوئی ترتیب تاریخ بھی نہیں۔ ہم ان کو یہاں بہ اجمال و تلخیص ذکر کرتے ہیں۔ اتنا معلوم ہے۔ کہ یہ تمام واقعات موسم حج کے اجتماع میں پیش آتے تھے۔ کتب تاریخ سے منصور کے سفر حج کی تاریخیں ثابت ہیں۔ ایک ۱۳۹ھ میں قبل خلافت اس کا تو شمار نہیں' خلافت کے بعد تین دفعہ اس نے سفر حج کیے ہیں۔ پہلا ۱۴۰ھ میں دوسرا ۱۴۴ھ میں اور تیسرا ۱۵۵ھ میں۔ اسی تیسرے سفر حج میں حج سے پیشتر ۱۰ ذوالحجہ کو منصور نے انتقال کیا (اخبار الطوال) ابن حنیفہ دینوری المتوفی ۲۸۱ھ طبع مصر صفحہ نمبر ۳۵۷' ۳۶۴ غالباً یہ تمام ان ہی موقعوں کے ہیں۔

ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اس تصنیف (موطا) کو خانۂ کعبہ میں آویزاں کر دوں، کہ لوگ اسی کی طرف رجوع کریں اور تمام اطراف مملکت میں اس کی نقلیں بھیجوں۔ تاکہ اسی کے مطابق لوگ فتوے دیں"۔ بعض روایتوں میں ہے۔ کہ اس نے ایک ایسی کتاب کی تالیف کی خواہش ظاہر کی۔ جو ابن عباسؓ اور ابن مسعود و ابن عمرؓ کے اصولِ فقہ کے بین بین اور معتدل ہو۔ اس کے بعد امام صاحب نے موطا تالیف کی۔

امام کا انکار

بہرحال جاہ پسند علماء کے لیے یہ وہ طلائی موقع تھا۔ کہ جس سے زیادہ کوئی بیش قیمت ان کو کبھی نہیں مل سکتا تھا۔ لیکن امام صاحب کے لیے یہ بھی لغزش قدم کا باعث نہ ہوا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ صحابہ تمام اطرافِ ملک میں پھیل گئے تھے۔ ان کے فتاوے اور احکام اپنے اپنے مقام میں وراثۃً ان کے فقہا اور علماء تک پہنچے ہیں۔ اور ہر جگہ وہی مقبول ہیں۔ ایسی حالت میں ایک شخص کی رائے و عقل پر جو صحت و غلطی دونوں کر سکتا ہے تمام ملک کو مجبور کرنا مناسب نہیں"۔ منصور نے کہا "اگر آپ مجھ سے متفق ہوتے تو میں یہی کرتا"[1]

ایک بار اس نے پوچھا کہ اے ابو عبداللہ! تم سے بھی زیادہ کوئی عالم ہے"؟ امام نے فرمایا "ہاں" پوچھا "وہ کون ہے" فرمایا ان کے نام یاد نہیں"۔ منصور نے کہا "میں بنو اُمیہ کے زمانہ میں طلب علم کر چکا ہوں۔ سب کو جانتا ہوں"[2]۔

امام مالک کے فضل و کمال کا اعتراف منصور نے نہ صرف امام کے سامنے کیا بلکہ پیچھے بھی کرتا تھا۔ سفیان ثوری اور سلیمان خواص ایک بار منصور سے ملنے گئے۔ منصور نے خیمہ کے اندر بلایا۔ سفیان ثوری نے کہا کہ یہ فرش جب تک اٹھایا نہ جائے میں نہیں آ سکتا۔ فرش اٹھ گیا تو آیت مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ" اسی خاک سے تم کو پیدا کیا اور اسی خاک سے تم کو اٹھائیں گے"۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ امام ذہبی ج ۱ صفحہ ۱۸۹، کتاب الامامہ ابن قتیبہ ج ۲ صفحہ ۱۷۱، ۲۷۱۔ مناقب مالک للزوادی صفحہ ۲۴، باختلاف عبارت [2] مناقب للزوادی ۲۴ عن ابی حاتم۔

پڑھتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے، منصور آبدیدہ ہوگیا سفیان ثوری دیر تک بالفاظ سخت نصیحت کرتے رہے، پھر اُٹھ کر چلے آئے، ابوعبیدہ جو دربار کا ایک عہدہ دار تھا، اس نے کہا "امیر المومنین ایسے زبان دراز شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں دیتے"۔ منصور نے کہا "خاموش! سفیان ثوری اور مالک بن انس کے سوا کوئی نہیں جس کا ادب کیا جائے۔

شاید یہ واقعہ تاریخی آپ کو معلوم ہو کہ حضرت علی کے بعد ہاشمیوں کے مقابلہ میں جب بنو اُمیہ نے نمایاں کامیابی حاصل کر لی، تو بنو ہاشم نے جن میں بنو عباس بنو فاطمہ اور عام علویین داخل تھے، سب مل کر ایک خلافتِ ہاشمیہ کے قیام کی مخفی کوششوں میں مشغول ہو گئے۔ اولاً کوششوں کا مرکز امامت خاندان فاطمی و علوی تھا، امام حسینؓ کے بعد محمد بن حنفیہ حضرت علی کے غیر فاطمی صاحبزادے امام ہوئے ان کے بعد ابوہشام عبداللہ علوی، ابوہشام کا حمیمہ واقع شام میں انتقال ہوگیا۔ وہاں محمد بن علی بن عبداللہ بن عباسؓ کے علاوہ کوئی ہاشمی موجود نہ تھا۔

اس لیے ابوہشام نے اپنی جانشینی کی وصیت محمد عباس کے حق میں کی یہ پہلا دن ہے کہ خلافت کا ادعا خاندانِ علوی سے منتقل ہو کر خاندان عباسی میں آتا ہے۔

محمد بن علی عباسی نے ۱۲۴ھ میں وفات پائی اور ان کی جگہ اُن کے بیٹے ابراہیم بن محمد عباسی امام تسلیم ہوئے، ابراہیم مروان اموی کے ہاتھ گرفتار ہو کر مر گئے یا مارے گئے، شیعہ عباسیین نے اس غم میں سیاہ کپڑے پہنے اور اس وقت سے سیاہ رنگ عباسیوں کا نشان ہوگیا۔ ابراہیم کے بعد ابوالعباس سفاح بنو ہاشم کا سرخیل ہوا، آخر ۱۳۲ھ میں اس کو کوششوں نے کامیاب کیا، سفاح نے کامیابی کے بعد حق خلافت بنو ہاشم میں سے صرف بنو عباس کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

ایک طرف تو نئے تاجدار امویوں کے استیصال میں ان کی قبروں کی ہڈیاں تک کھاڑ رہے تھے اور اموی و مروانی چن چن کر جہاں ملتے تھے مارے جا رہے تھے، خراسان

کی وحشی سپاہ، صوبوں کی تسخیر اور بغاوتوں کے فرو کرنے میں جا و بیجا ہر قسم کے امور کا تمام ملک میں ارتکاب کر رہی تھی، دوسری طرف تخصیص خلافت سے فاطمیوں اور علویوں میں ناراضی پیدا ہوئی، نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کو قسمت کے ان مالکوں سے جس امن وصلح وانصاف کی توقع تھی پوری نہ ہوئی، تاہم سفاح تک عملاً کوئی ناراضی ظاہر نہ ہوئی لیکن منصور نے احتیاط یا سوءظن کی بنا پر فاطمی وعلوی سادات کی پیخ کنی شروع کر دی، آخر تک تنگ آکر انہی سادات میں سے ۱۴۵ھ میں نفس زکیہ نے مدینہ میں علم بغاوت بلند کیا، اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا۔ لیکن تقدیر ساتھ نہ تھی، بڑی بہادری سے میدان جنگ میں لڑکر مارے گئے ان کے بھائی ابراہیم اس سروسامان سے نکلے کہ منصور بدحواس ہوگیا، چند مہینوں کے بعد ابراہیم کی شہادت پر جنگ کا خاتمہ ہوگیا، منصور نے اپنے عم زاد بھائی جعفر کو مدینہ کا والی مقرر کیا۔

امام مالک منصور کی ملاطفتوں کے باوجود ان تمام کوششوں میں حق کے ساتھ تھے امام صاحب نے فتویٰ دیا کہ خلافت نفس زکیہ کا حق ہے"۔ لوگوں نے پوچھا کہ ہم منصور کی بیعت پر حلف اٹھا چکے ہیں، امام صاحب نے فرمایا "منصور نے جبراً بیعت لی ہے اور جو کام جبراً کرایا جائے، شرع میں اس کا اعتبار نہیں، حدیث ہے کہ اگر جبراً کسی سے طلاق دلائی جائے تو واقع نہ ہوگی"۔

جعفر نے مدینہ پہنچ کر نئے سرے سے لوگوں سے بیعت لی، امام مالک کو کہلا بھیجا کہ آئندہ طلاق جبری (مکرہ) کے عدم اعتبار کا فتوے نہ دیں کہ لوگوں کو بیعت جبری کی بے اعتباری وعدم صحت کے لیے سند ہاتھ آئے، امام سے ترک حق کی توقع کس قدر بیجا خواہش تھی، امام صاحب بدستور معاملہ جبری کے عدم صحت کا فتویٰ دیتے رہے، سلیمان نے غضبناک ہوکر حکم دیا کہ ان کو ستر کوڑے مارے جائیں، امام

ان واقعات کیلیے دیکھو کتاب الامامہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲، ابن خلدون جلد ۳ صفحہ ۱۹۰

دار الجرۃ کو محکمۂ امارت میں گنہگاروں کی طرح لایا گیا۔ کپڑے اتار دیے گئے اور شانۂ امامت پر دستِ ظلم نے ستر کوڑے پورے کیے۔ تمام پیٹھ خون آلود ہو گئی۔ دو ہاتھ مونڈھے سے اُتر گئے۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کی جائے۔ امام صاحب بایں حال زار بازاروں اور گلیوں سے گذر رہے تھے۔ اور زبانِ صداقت نشان باآواز بلند کہہ رہی تھی "جو مجھ کو جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں، فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں"[1]

اس کے بعد اسی طرح خون آلود کپڑوں کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف لائے پشتِ مبارک سے خون صاف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور لوگوں سے فرمایا کہ سعید بن مسیب کو جب کوڑے مارے گئے تھے تو انہوں نے بھی مسجد میں آکر نماز پڑھی تھی[2] یہ تعزیر گو تحقیر کے لیے تھی، لیکن اس نے امام کی عزت و وقار کے پایہ کو اور بلند کر دیا یہ واقعہ ۱۴۷ھ کا ہے[3]

منصور کی لاعلمی اور ندامت

بقول ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ وہ کتاب الامامۃ کا مصنف ہے) جعفر والیٔ مدینہ کی یہ حرکت منصور کو پسند نہ آئی اور فوراً اس کو معزول کر کے بذلت تمام گدھے پر سوار کر کے بغداد طلب کیا اور امام مالک کو معذرت کا خط لکھا۔

دوسرے سال ۱۴۸ھ میں جبکہ تمام حجاز و عراق میں سکون ہو چکا تو حج کے ارادہ سے منصور حجاز آیا۔ امام مالک ملنے کو آئے اور بعض روایتوں میں ہے کہ حج سے پہلے خود امام کو بغداد بلایا۔ گئے تو نہایت تعظیم سے ملا۔ اور بوثوق کہا کہ "نہ میں نے تعزیر کی اجازت دی اور نہ مجھے اس کا علم ہوا"۔ امام صاحب نے فرمایا کہ "ہاں آپ کو اطلاع نہ ہو گی"۔ اس

---

[1] طبقات ابن سعد ترجمہ مالک، مناقب مالک للزواوی۔ [2] تزئین الممالک نقلاً عن الخطیب روایۃ عن ابی وہب صفحہ ۱۳ [3] کتاب للسمعانی ترجمہ اصبحی۔

تمہید کے بعد منصور نے سلسلۂ تقریر اس طرح شروع کیا۔

منصور کی تقریر

اے ابوعبداللہ! جب تک آپ زندہ ہیں، آپ اہلِ حرمین کے ملجا و ماویٰ ہیں، جن مصائب کا ان کو نشانہ بننا چاہیے، صرف آپ کی ذات سے وہ ان سے محفوظ ہیں مجھ کو جہاں تک علم ہے۔ ان دونوں مقامات کے باشندے نہایت فتنہ جو ہیں۔ اور پھر ان میں اتنی طاقت بھی نہیں کہ استقلال سے مقابلہ کر سکیں، میں نے دشمنِ خدا (جعفر) کی نسبت حکم دیا ہے، کہ وہ مدینہ سے بغداد گدھے پر سوار ہو کر جائے اور اس کو ذلت و ایذا پہنچائی جائے

امام صاحب نے فرمایا "اس انتقام کی حاجت نہیں۔ امیرالمومنین اور پیغمبرِ خدا صلعم کی قرابت کی خاطر میں اس کو معاف کرتا ہوں[1]" منصور نے خلعت پیش کیا، قاعدہ تھا کہ خلعت کے کپڑے درباری کے کندھے پر رکھ دیے جاتے تھے، حاجب نے یہی عام طریقہ امام صاحب کے ساتھ برتنا چاہا۔ امام صاحب پیچھے ہٹ گئے، منصور نے حاجب کو ڈانٹا کہ اس خلعت کو ابوعبداللہ کے فرودگاہ میں پہنچا دو"۔

منصور کی زبان سے تعزیر کا سبب

اس سوال و جواب اور تعظیم کے الفاظ کو چھوڑ کر منصور کے الفاظ دوبارہ پڑھو۔ نظر آئے گا کہ امام مالک کی تعزیر کن اسباب کا نتیجہ ہے۔ اہلِ حرمین بغاوت پسند ہیں اور آپ حرمین کے مقتدیٰ اور امام ہیں۔ اس لیے بغیر آپ کے اشارہ کے یہ باتیں نہیں ہوئیں۔ اور منصور کی ستم ظریفی دیکھو کہ باوجود اس علم کے کہ امام سادات کے طرفدار ہیں، مدینہ میں جو سادات جرمِ بغاوت میں قید تھے۔ ان کے پاس اپنی طرف سے خود امام مالک کو سفیر بنا کر بھیجا[2]

---

[1] کتاب الامۃ ج ۲ صفحہ ۲۹۰ تا ۲۹۷ [2] کتاب العبر ابن خلدون ج ۳ صفحہ ۱۸۹۔

منصور کو ایک بار معلوم ہوا کہ علماء کو میری حکومت سے ناراضی ہے اس نے خلاف وقت شب کو ابن ابی ذئب و ابن سمعان فقہائے حجاز اور امام مالک کو طلب کیا۔ امام صاحب واقعہ سمجھ گئے زندگی سے ناامید ہو کر غسل فرما کر کفن کے کپڑے پہن کر اور حنوط (مُردوں کو لگایا جاتا ہے) مل کر دربار آئے منصور نے کہا اے گروہ فقہا، مجھ کو ایک خبر معلوم ہوئی ہے جس سے افسوس ہے حالانکہ تمہارا فرض تھا کہ سب سے پہلے تم میری اطاعت کرتے اور مجھ کو بُرا کہنے سے باز رہتے، اگر مجھ میں کچھ عیب ہوتا تو تم مجھ کو نصیحت کرتے"۔

امام صاحب نے فرمایا کہ اے امیر المومنین خدائے پاک ارشاد فرماتا ہے، یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۔

مسلمانو! اگر کوئی فاسق تم کو کچھ خبر دے تو اس کی تحقیق کر لو ایسا نہ ہو کہ نادانستگی میں بے گناہوں کو ستاؤ، پھر اپنے کیے پر تم کو ندامت ہو"۔

منصور کی نسبت اظہار رائے سے انکار

منصور نے کہا اچھا بتاؤ کہ میں تمہارے نزدیک کیسا ہوں۔ امام نے فرمایا اللہ مجھے اس کے جواب دینے سے معاف کرو" منصور نے ابن سمعان کی طرف رُخ کیا کہ تم بتاؤ میں کیسا ہوں"۔ ابن سمعان بولے" امیر المومنین آپ سب سے بہتر ہیں، حج کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں، مظلوموں کی امداد کرتے ہیں، اسلام کی پشت پناہ ہیں۔ عادل ہیں" اب منصور نے ابن ابی ذئب سے پوچھا کہ ابن ابی ذئب! تم مجھ کو کیسا سمجھتے ہو"۔ ابن ابی ذئب نے دلیری سے کہا۔ تم بدترین مخلوق ہو۔ مسلمانوں کی تمام دولت اپنی شان و شوکت میں صرف کرتے ہو۔ غریبوں کو ہلاک اور امیروں کو پریشان کر ڈالا۔ بتاؤ کل تم خدا کے سامنے کیا جواب دو گے"۔ منصور نے کہا" تم دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے یہ کیا چیز ہے"۔ ابن ابی ذئب نے کہا ہاں ننگی تلواریں دیکھتا ہوں، لیکن آج کی موت کل کی موت

سے بہتر ہے"۔

تھوڑی دیر کے بعد ابن سمعان اور ابن ابی ذئب اٹھ کر چلے گئے لیکن امام تشریف فرما رہے۔ منصور نے کہا مجھے آپ کے کپڑوں سے حنوط کی بو آتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا اس بے وقت طلب سے میں اپنی زندگی سے مایوس ہو کر آیا تھا۔ منصور نے کہا "سبحان اللہ ابو عبداللہ کیا میں خود اپنے ہاتھ سے اسلام کا ستون گراؤں گا"[1]

محمد المہدی

اسی سفر حج سے پہلے ۶ ذالحجہ ۱۵۸ھ میں منصور نے انتقال کیا اور محمد المہدی اُس کا جانشین ہوا۔ دو سال کے بعد ۱۶۰ھ میں مہدی مع شہزادگان خلافت، موسیٰ، ہارون، حج کے ارادہ سے عازم حجاز ہوا، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا۔ شہر کے قریب پہنچا تو شرفاء و علمائے شہر نے استقبال کیا۔ جن میں امام مالک بھی داخل تھے۔ مہدی نے امام کو دیکھا تو ادھر توجہ کی اور سلام کر کے سینہ سے لگا لیا۔ اس سال حجاز میں سخت قحط تھا امام نے فرمایا امیر المومنین! اس وقت آپ جس شہر میں جا رہے ہیں وہاں مہاجرین و انصار کی اولاد آباد ہے۔ وہ روضۂ نبوی کے ہمسایہ ہیں۔ مہدی امام کا مقصود سمجھ گیا اور ۲۵ لاکھ درم امام کے پاس بھیج دیئے کہ تقسیم کر دیجیے امام صاحب نے رقم اپنے معتمد تلامذہ کے حوالہ کی کہ حسب حاجت لوگوں میں تقسیم کر دیں[2]۔

تین ہزار دینار اپنے حاجب اعظم ربیع کے ساتھ امام کی خدمت میں بھیجے اور خواہش ظاہر کی کہ آپ بغداد میرے ساتھ چلیں، امام صاحب نے قاصد سے کہا، تھیلیاں اب تک سربستہ اسی طرح پڑی ہیں، جی چاہے لے جاؤ لیکن مالک مدینہ نہیں چھوڑ سکتا۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے۔ المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون[3]۔

مہدی نے سواری بھیجی کہ اس پر سوار ہو کر بارگاہِ خلافت میں آئیں۔ سواری واپس کر دی کہ میں مدینہ میں سوار ہو کر نہیں نکلتا کہ انہی گلیوں میں حضرت سرورِ کائنات صلعم

---

[1] کتاب الامامہ ج ۲ صفحہ ۲۹۰ و مناقب الزوادی صفحہ ۲۰۲ [2] تذکرہ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۸۹

پھرتے تھے۔ پیادہ آئے بیمار تھے۔ اس لیے بعض مشاہیر علمائے مدینہ سے ٹیک لگا کر بیٹھے، مہدی نے کہا سبحان اللہ! اگر میں یہ خدمت ان سے لینا چاہتا تو شاید ان میں سے کوئی عمل نہ کرتا۔ مغیرہ نے کہا "امیر المومنین! مالک جس سے ٹیک لگا کر بیٹھیں وہ اس کے لیے شرف ہے[1]"۔

مہدی نے کہا ایک ایسی کتاب تالیف فرمایئے کہ تمام مسلمانوں کو میں اس کے عمل پر مجبور کروں، امام مالک نے افریقہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس حصہ کی تکلیف سے تو میں نے تم کو بچالیا۔ شام میں ایک شخص (امام اوزاعی) موجود ہے۔ اور اہل عراق تو اہل عراق ہیں[2]۔

قرأت سے انکار مہدی نے اسی سفر میں مؤطا کی سماعت حاصل کی۔ بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ مہدی ہی کے لیے امام نے مؤطا لکھی، گو یہ صحیح نہیں، مہدی نے موسیٰ وہارون اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ امام سے مؤطا سنیں، شہزادوں نے امام کو بلا بھیجا۔ امام صاحب نے فرمایا۔ علم بیش قیمت شے ہے، اس کے پاس خود شائقین آتے ہیں"۔ مہدی کی اجازت سے دونوں شہزادے خود مجلس درس میں حاضر ہوئے، شہزادوں کے اتالیق نے کہا۔ پڑھ کر سنایئے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے علماء کا دستور یہ ہے کہ طلبہ پڑھیں، شیوخ سنیں، مہدی کو خبر دی گئی، اس نے کہا کہ ان علماء کی اقتدا کرو۔ اور تم خود پڑھو چنانچہ شہزادوں نے خود پڑھا اور امام نے سماعت کی[3]

الہادی مہدی نے ۱۶۹ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ موسیٰ لقب بہ ہادی جانشین ہوا، موسیٰ کی خلافت کا زمانہ ایک برس ہے۔ زمانہ شہزادگی کے

---

[1] زوادی عن ابی مصعب صفحہ ۱۲۸ [2] زوادی عن ابراہیم بن حمادی الزہری صفحہ ۱۲۷۔
[3] تزئین الممالک عن فضائل مالک لابن فہر، صفحہ ۱۴۵۔

سوا پھر امام سے اس کو شرف اندوزی کا موقع نہ ملا۔

ہارون الرشید

ہادی کے بعد ۱۷۰ھ میں مسند آلِ عباس پر وہ فرماں روا جلوہ نما ہوا، جس کی نسبت شاعر کہتا ہے۔

فمن یطلب لقاءك او یرده	فبالحرمین او اقصی الثغور
اے ہارون جو تیری ملاقات کا طالب ہو	تو اس کو حرمین میں تو ملے گا یا دشمنوں کی سرحد پر
ففی ارض العدو علی طمر	وفی الارض السبویة فوق کور
اے ہارون جو تیری ملاقات کا طالب ہو	اور ارضِ حرم میں محمل پہ

اس وقت امام مالک کی تصنیفات تمام ملک میں پھیل چکی تھیں، خلافت کے پہلے ہی سال حج وزیارت کے لیے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ آیا۔ لوگ پیادہ استقبال وتہنیت کے لیے نکلے امام صاحب بھی محمل میں سوار ہو کر آئے۔ ہارون الرشید نے امام کو دیکھ کر نہایت خوشی ظاہر کی اور کہا کہ "آپ کی تصنیفات پہنچیں۔ خاندان کے نوجوانوں کو ان کے مطالعہ کی تاکید کی ہے۔ لیکن اس کا کیا سبب ہے۔ کہ ہم نے ان میں ابن عباسؓ اور علی ابن ابی طالب کی روائتیں نہیں پائیں؟" امام نے فرمایا کہ "اے امیرالمومنین یہ دونوں بزرگوار ہمارے شہر میں نہ تھے"۔

۱۷۹ھ میں ہارون رشید امین اور مامون دونوں شہزادوں کو لے کر حج کے لئے آیا۔

ہارون وامین ومامون مجلس درس میں

ہارون رشید نے امام کو مؤطا کو املا کے لیے خود سرا پردۂ خلافت میں طلب کیا، امام صاحب نے بدستور انکار کیا اور خود مؤطا کے بغیر تشریف لائے، رشید نے شکایت کی امام صاحب نے فرمایا "ہارون رشید! علم تیرے گھر سے نکلا ہے۔ خواہ اس کو ذلیل کر خواہ عزت دے"۔ ہارون رشید متاثر ہوا۔ محمد الامین اور عبدالمامون دونوں شہزادوں کو لے کر مجلس درس میں حاضر ہوا۔ وہاں طلبہ کا عام ہجوم تھا، ہارون رشید نے کہا "اس بھیڑ کو الگ کر دیجیے"۔ امام نے فرمایا "شخصی فائدہ کے لیے عام افادہ کا خون نہیں کیا جاسکتا" ہارون رشید

مسند پر بیٹھ گیا، امام نے فرمایا امیر المومنین تواضع پسندیدہ ہے"۔ ہارون نیچے اُتر گیا۔
دوسری منزل قرأت وسماعت کی تھی ہارون نے کہا" آپ قرأت کیجیے" امام نے فرمایا خلاف عادت ہے" یہ کہہ کر معن بن عیسےٰ کو اشارہ کیا، جو ایک مستعد طالب العلم تھے اور آگے چل کر بڑے بڑے محدثین کے استاد ہوئے۔ انہوں نے قرأت شروع کی، ہارون نے مع شہزادوں کے سماعت کی۔

مجلسِ حدیث

اس سفر میں شام وعراق وحجاز کے کل علماء ساتھ تھے، قاضی ابو یوسف بھی اس مجمع میں شریک تھے، ہارون الرشید نے ان تمام علماء کی ایک مجلسِ علمی منعقد کی۔ امام صاحب مسندِ تدریس پر رونق افروز ہوئے موطا کا املا شروع ہوا ہر مسئلہ کے اختتام پر فقہاء محدثین سکوت کی زبان سے صحت کا اعتراف کرتے جاتے تھے۔ فقہی معلومات کا ایک دریا تھا، جو زبانِ امامت سے اُمنڈ اُمنڈ کر سواحل قلوب میں موجیں لے رہا تھا۔

جب مجلس ختم ہوگئی، اور امام صاحب واپس تشریف لے گئے تو ہارون رشید نے حاضرین مجلس کو خطاب کیا۔

" اے فقہائے عراق وحجاز، کیا تم کو ان مسائل میں کچھ کلام ہے جو مالک بن انس نے اس وقت تم کو سنائے ہیں؟" فقہا نے متفقاً جواب دیا کہ " نہیں ہمیں ایک مسئلہ کے سوا اور کسی میں کلام نہیں ہے؟" ہارون رشید نے کہا کہ عجب نہیں کہ امام مالک کے اس مسئلہ کا ماخذ قرآن ہو۔ بہرحال ہارون الرشید نے امام صاحب کو بلا بھیجا۔ امام صاحب تشریف لائے تو ہارون رشید نے کہا" اے ابو عبداللہ! موطا کے ایک مسئلہ سے ان کو اختلاف ہے، آپ اپنے اس مسئلہ کی صحت کی دلیل ان کو بتایئے" ہارون رشید کو امام صاحب کے ساتھ خلوص واعتقاد تھا اس کو اس سے اندازہ کرو کہ تمام فقہاء کے مقابلہ میں کہتا ہے۔ اور میں بھی اس مسئلہ میں آپ کے ساتھ ہوں"۔ امام صاحب نے قرآن وحدیث

سے اس کے دلائل پیش کیے اور سب نے تسلیم کرلیا۔

اس کے بعد امام صاحب نے ہارون کی طرف خطاب کیا "اے امیر المومنین جس طرح آپ نے یہاں اس وقت مجھے یاد کیا۔ آپ کے والد نے بھی اسی طرح اور یہیں مجھے یاد کیا تھا۔ اور میں نے ان کو حدیثیں سنائی تھیں"۔ بعد ازاں امام صاحب نے مدینہ کے فقراء اور ستم رسیدوں کی طرف توجہ دلائی، ہارون رشید نے زر کثیر سے فقرائے مدینہ کی امداد کی۔

مسجد نبوی میں ایک منبر تھا جس پر بیٹھ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ اس منبر پر صرف تین زینے تھے۔ امیر معاویہ نے اس میں چند زینوں کا اور اضافہ کر دیا تھا۔ ہارون رشید نے چاہا کہ زائد زینے نکال کر پھر منبر نبوی اپنی اصلی حالت پر کر دیا جائے۔ امام صاحب سے مشورہ کیا گیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ ایسا نہ کیجیے کہ اس منبر کی لکڑی کہنہ اور کمزور ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تختوں کے ادھر ادھر کرنے میں ٹوٹ جائے۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ وفاتِ نبوی کے وقت مدینہ رسالت کی یادگاروں سے معمور تھا۔ بستر پیالہ۔ عصا۔ موئے مبارک۔ نعلین بہت سی چیزیں مدینہ میں تھیں۔ لیکن آج مدینہ نے ایک ایک کرکے سب کو کھو دیا۔ تاراج شدہ سرمایہ سے صرف ایک یہی منبر رہ گیا۔ جو بھاری ہونے کے سبب سے مسجد نبوی سے کبھی نکلتا نہیں، اگر اس میں کہیں تین زینے کر دیے جائیں گے۔ تو مجھ کو خوف ہے۔ کہ مسجد نبوی کے بدلے بارگاہِ خلافت نہ اس سے مزین ہو۔ ہارون رشید بھی اس نکتہ کو سمجھ گیا۔ اور اپنے خیال سے باز آیا[1]

ابو نعیم نے حلیہ میں خود امام مالک سے روایت کی ہے کہ ہارون رشید نے چاہا۔ کہ مؤطا کو خانہ کعبہ میں آویزاں کیا جائے اور تمام مسلمانوں کو فقہی احکام میں اس کی پیروی پر مجبور کیا جائے یہ وہ موقع تھا کہ عزت طلب اشخاص کے لیے اس سے زیادہ طلائی

---

[1] کتاب الامامۃ السیاسۃ جلد ۲ صفحہ ۲۹۰

موقع ہاتھ نہیں آسکتا لیکن امام نے جواب دیا "ایسا نہ کردہ۔ خود صحابہ فروع میں مختلف ہیں۔ اور وہ ممالک میں پھیل چکے ہیں۔ اور ان میں ہر شخص راہِ صواب پر ہے"۔

ہارون کے نام خط

امام صاحب نے ہارون رشید کی خلافت میں وفات پائی امین و مامون شہزادگی کے عہد میں امام صاحب سے مستفید ہو چکے تھے۔ ہارون رشید کے نام امام کا ایک رسالہ بھی ہے۔ جس میں امام نے ہارون کو نصائح کیے ہیں اور آداب و سنن کی تعلیم دی ہے۔ رسالہ مصر میں ۱۳۲۲ھ میں چھپ گیا ہے۔

سفر آخرت

امام صاحب کی عمر شریف اب ۸۶ برس کو پہنچ چکی تھی۔ نہایت ضعیف اور ناتواں ہو گئے تھے، مسجد نبوی میں آنا، نماز جماعت میں شریک ہونا اور ادھر اُدھر غم و شادی کی تقریبوں میں آنا جانا تو پہلے سے ترک ہو گیا تھا، لوگ اعتراضات کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ "ہر شخص اپنا عذر نہیں بیان کر سکتا" معن بن عیسیٰ المتوفی ۱۹۸ھ جو امام کے عزیز ترین شاگرد تھے، اور جو صحاح کے رواۃ میں داخل ہیں، وہ اس وقت امام کے خادم تھے، امام صاحب انہی کا سہارا پکڑ کر چلتے تھے لیکن اس ضعف و ناتوانی کے عالم میں بھی درس و افتا کی خدمت جاری تھی، یحییٰ بن یحییٰ اندلسی مصمودی امام اندلس جب دوسری بار مصر سے لوٹ کر مدینہ آئے۔ سند لینے کے لیے آئے تھے تو امام صاحب بستر مرض الموت پر تھے۔

اتوار کے روز بیمار پڑے اور تقریباً تین ہفتہ تک بیمار رہے، مرض کی شدت میں کوئی تخفیف نہ ہوئی، لوگوں کو یقین ہو گیا۔ کہ اب وقت آخر ہے، مدینہ کے تمام علماء و امرا، آخری دیدار کے لیے جمع ہو گئے۔ یحییٰ اُندلسی کا بیان ہے کہ مجھے تو اپنی محرومی کا رونا ہی تھا۔ وہ لوگ بھی جو مدتوں امام کی ملازمت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ وہ بھی روتے تھے، تلامذہ کے علاوہ حدیث و فقہ کے ۱۶۰ علماء مودب با چشم گریاں آس پاس بیٹھے تھے۔

جسم کی حرارت آہستہ آہستہ سرد ہو رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے قعنبی جو امام کے اخص تلامذہ میں تھے، وہ اسی وقت حاضر ہوئے اور گریہ کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ قعنبی! میں نہ روؤں تو کون روئے۔ اے کاش! مجھ کو میرے ہر قیاسی فتوے کے بدلہ ایک کوڑا مارا جاتا اور میں فتویٰ نہ دیتا" گریہ جاری تھا۔ لب متحرک تھے کہ مرغِ روح قفس عنصری

سے پرواز کر گیا اب بھی اسی طرح اردگرد طلبہ و علماء کا ہجوم تھا۔ لیکن صدر نشین بزم اب حیاتِ جاوید کے بستر پر آرام کر رہا تھا۔

امام صاحب بروایاتِ صحیحہ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو انتقال فرمایا ۸۶ برس کی عمر شریف پائی۔ ۱۱۷ھ میں مسندِ درس پر قدم رکھا تھا۔ ۶۲ برس تک علم دین کی خدمت میں مصروف رہے۔

جنازہ میں ایک خلقت کا ہجوم تھا۔ والیٔ مدینہ عبداللہ بن محمد ہاشمی خود پیادہ پا شریک تھا اور نعش اٹھانے والوں میں خود وہ بھی داخل تھا۔ جنۃ البقیع مدینہ میں ایک مشہور مقام ہے۔ یہاں صرف وہ لوگ بستے ہیں جو حیاتِ ابدی کے منازل طے کر چکے ہیں۔ اسلام کے ارکانِ عظام ام المومنین عائشہؓ حضرت عثمانؓ، امام حسنؓ، حضرت فاطمہؓ حضرت حفصہؓ اور دیگر اعلامِ اسلام اسی خاک میں مدفون ہیں، امام مدینہ کا جسدِ مبارک بھی اسی خاک کو سپرد ہوا۔[1]

عمر بن سعد انصاریؒ نے اس وقت یہ شعر کسی کو خواب میں پڑھتے سنا۔

لقد اصبح الاسلام زعزع رکنہ غداۃ ثوی الھادی لدی ملحد القبر

اسلام کے ستون ہل گئے، جس صبح کو رہنما قبر میں آسودہ ہوا

امام الھدی مازال للعلم مائلا علیہ سلام اللہ فی اٰخر الدھر

وہ ہدایت کا پیشوا اور علم کا ہمیشہ محافظ رہا۔ اس پر تا قیامت خدا کا سلام ہو۔

دور دراز شہروں اور ملکوں کے علماء کو جب امام کی وفات کی خبر پہنچی تو ہر جگہ ان کا ماتم کیا گیا۔ کوفہ میں سفیان بن عیینہ کو جب معلوم ہوا تو ان پر سکوت طاری ہو گیا اور جب بولے تو یہ بولے کہ ما تری علی وجہ الارض مثلہ روئے زمین پر مالک

---

[1] ان بیانات کے لیے دیکھو ابن خلکان ترجمہ مالک بن انس، تزیین الممالک صفحہ ۱۴ مصر، بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز دہلوی۔

نے اپنی مثال نہیں چھوڑی، حماد بن زید نے کہا۔

رحمۃ اللہ کان من الدین بمکان

خدا ان پر رحم کرے مذہب میں ان کا بڑا رتبہ تھا۔

امام کا غم ۳۲۲ سال کے بعد بھی پاک دلوں سے کم نہ ہوا تھا، ابو محمد جعفر قاری بغدادی المتوفی ۵۵۰ھ نے امام کا مرثیہ کہا[1]

سقی جدث ضم البقیع بمالک	بجلی اور کڑک کے ساتھ برسنے والے بادل
من المزن هرعاد السحائب مجراق	اس قبر کو سیراب کریں جو مالک کو اپنے آغوش میں لیے ہے۔
امام مؤطاہ الذی طبقتا بہ	وہ امام جس کی وہ موطا ہے جس پر دنیا کے
اقالیم فی الدنیا صاح و افاق	وسیع ملکوں اور گوشوں نے اتفاق عام کیا ہے
اقام بہ شرع النبی محمد لہ	وہ جس نے اپنی مؤطا کے ذریعہ پیغمبر کی شریعت
حذر من ان یضام و اشفاق	کو قائم کیا اور جس کا اس کو ڈر تھا کہ اس شریعت پر کہیں ظلم نہ ہو۔
لہ سند عال صحیح و هیبۃ	اس کی سند بلند اور صحیح ہے اور اس میں
فلکل منہ حین یرویہ اطراق	ہیبت ہے جب وہ اس کی روایت کرتے ہیں۔ تو سب بغور سنتے ہیں۔
و اصحاب صدق کلهم علم فضل	ان کے بہت شاگرد رشید ہیں، جن میں ہر
بہ الفضل ان انت ساءلت حذاق	ایک مشہور ہے۔
و لو لم یکن الا ابن ادریس وحدہٗ	اگر امام شافعی کے سوا کوئی اور ان کا شاگرد
کفا الا ان اسعدۃ ارزاق	نہ ہوتا تو بھی ان کے لیے فخر کافی تھا، ہاں

[1] ابن خلکان ترجمہ مالک بن انس

خوش بختی بھی روزی ہے۔

امام کی تاریخ پیدائش پر یہ قطعہ مشتمل ہے۔

مخر الائمہ مالک
نعم الامام لسالک
مولدہ "نجم ھدیٰ"
وفاتہ "فاز مالک"

مالک اماموں کے فخر ہیں پیرو کے لیے
بہترین پیشوا ہیں۔
ان کی تاریخ پیدائش ہدایت کا ستارہ (۹۳ھ) ہے
اور ان کی تاریخ وفات یہ ہے کہ مالک کامیاب
ہوئے (۱۷۹ھ)

اخلاق و کردار، ذاتی زندگی

مقدس بزرگوں کی اخلاقی صورت پر مبالغہ آمیز روایات کے اتنے پردے پڑ جاتے ہیں، کہ حقیقت حال کا چہرہ مخفی ہو جاتا ہے، حالانکہ بزرگانِ سلف کی تاریخ زندگی میں یہی ایک باب ہے جو نسلِ مستقبل کے لیے آثار ہدایت ہے لیکن بحمد اللہ امام کی زندگی مبالغہ کی آمیزش سے پاک ہے۔

طاعت الٰہی

امام کا شمار عبادِ زمانہ[1] میں تھا۔ درس و افتا سے جو فرصت ملتی وہ زیادہ تر عبادت اور تلاوت میں صرف ہوتی، امام کی خواہر محترمہ سے کسی نے پوچھا کہ امام مالک گھر میں کیا کرتے ہیں۔ تو جواب دیا کہ ان کے دو کام ہیں المصحف و التلاوۃ[2] امام صاحب کی صاحبزادی سے منقول ہے۔ کہ امام جمعہ کی شب عبادت و طاعت میں مشغول رہتے تھے، امام صاحب کے بھانجے ابن یونس سے روایت ہے کہ امام مہینہ کی پہلی تاریخ کو شب زندہ دار[3] رہتے تھے،

حبِ رسول

امام صاحب حضرت سرورِ کائنات صلعم کا بیحد ادب کرتے تھے جب نام مبارک زبان پر آتا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا لوگ پوچھتے تو فرماتے کہ ہم نے جن ارواحِ طیبات کی زیارت کی ہے، ان کی حالت مجھ سے بھی بڑھ کر ہے[4]

---

[1] کتاب الفہرست ابن ندیم ذکر عباد [2] مناقب مالک للزوادی عن ابی ذہب صفحہ ۱۳۳،
[3] تزیین الممالک عن الخطیب صفحہ ۸۱۔
[4] مناقب مالک للزوادی عن حصب بن عبد اللہ صفحہ ۳۳

مسجد نبوی جس کے ایک حجرے میں روضہ انور ہے۔ اس میں شور وغل ناپسند فرماتے کہ یہ آستانۂ نبوت سے گستاخی ہے، کلام نبوی اس وقت تک زبان پر نہیں آتا، جب تک وضو یا غسل فرما کر باادب بیٹھ نہ لیتے، امام کے اصطبل میں کثرت سے گھوڑے اور خچر تھے، مگر کبھی مدینہ کی گلیوں میں سوار ہو کر نہ نکلے۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے شرم آتی ہے کہ جو سرزمین قدم نبویؐ سے مشرف ہوئی ہے، اس کو میں جانوروں کے سموں سے روندوں، ذات نبویؐ کی محبت اور حدیث نبوی کے شغل وانہماک کے سبب سے کوئی ایسی شب نہ گزرتی جس میں عالم رویا میں زیارت نبویؐ کا شرف حاصل نہ ہوتا۔[1]

حب مدینہ

امام کو مدینہ سے غایت درجہ محبت تھی، بجز سفر حج کبھی مدینہ سے باہر نہیں نکلے۔ منصور نے بغداد کی سکونت کے لیے درخواست کی پذیرائی نہ ہوئی، مہدی نے ۳۰ ہزار دینار بھیجے اور پھر کہلا بھیجا کہ بغداد کا عزم کیجیے، فرمایا اشرفیاں علی حالہا رکھی ہیں، جی چاہے تو لے جاؤ مگر مالک سے مدینہ نہیں چھوٹ سکتا، بقول نووی المدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون انتہائے محبت یہ ہے کہ جمہور اسلام کے خلاف امام مکہ معظمہ پر مدینہ منورہ کو برتری دیتے ہیں۔[2]

فیاضی

آج علما کا بخل وافلاس دیکھ کر کون نتیجہ نکال سکتا ہے، کہ علمائے سلف کی فیاضیاں شاہانہ فیاضیوں سے کم نہ تھیں۔ ربیعہ نے اپنی تعلیم پر ۳۲ ہزار دینار صرف کیے، امام ابوحنیفہ طلبہ کو درہم ودینار کے کیسہ حوالہ کر دیتے تھے۔ امام لیث مصری اپنی دولت کا کثیر حصہ ان مصارف پر صرف کرتے تھے۔ امام مالک کی فیاضی بھی کم نہ تھی، ایک بار امام شافعی کو لے کر اصطبل کا ملاحظہ کر رہے تھے، امام شافعی نے بعض گھوڑوں کی

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۴۳۹ ترجمہ مالک جلد ۱ مصر [2] تزیین عن ابی نعیم والخطیب صفحہ ۱۲۔
[3] تذکرہ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۵۰ حیدرآباد۔ [4] اعلام علما، الاعلام لعبدالکریم بن محب اللہ کی صفحہ ۳ قلمی کتب خانہ ہانکی پور۔

تعریف کی۔ امام صاحب نے تمام اصطبل ان کی نذر کر دیا[1]۔ ہر سال امام شافعی کو گیارہ ہزار دینار مرحمت فرماتے تھے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی ایک عرب کا خاصہ اور ایک مومن کا فرض ہے لیکن امام صاحب کا میزبانہ اخلاق اس سے بھی زیادہ تھا۔ امام شافعی جو طلب علم کے لیے امام کے گھر اُترتے تھے۔ امام ان کے لیے ہاتھ سے خوان اُٹھا کر لاتے تھے صبح کی نماز کے لیے اپنے ہاتھ سے پانی لاکر رکھتے تھے وقت رخصت باایں ہمہ ضبط و خودداری خود بازار تک جاکر سواری کرایہ کر دی اور ایک کیسۂ زر زادراہ کے لیے عنایت کیا[2]۔

استقلال

استقلال طبع ایک فضل الٰہی ہے کوفہ کی جامع مسجد میں ایک بار خارجی شمشیر بکف گھس آئے۔ تمام لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن امام ابو حنیفہ نے اپنی جگہ سے جنبش نہ کی، ایک بار کا واقعہ ہے کہ موزہ میں بچھو تھا' امام مالک نے بے خبری میں پہن لیا' مجلس درس میں آکر بیٹھ گئے۔ بچھو نے نیش مارا' اور پھر علی التواتر ستر بار نیش مارا' لیکن آداب مجلس کے خیال سے امام نے پہلو تک نہ بدلا۔ چہرہ کا رنگ بار بار متغیر ہو رہا تھا' اختتام درس کے بعد عبداللہ بن مبارک نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ موزہ میں بچھو ہے[3]۔

حلم و عفو

خودداری اور جلالت شان کے ساتھ حلم و عفو جو ایک گراں قدر جوہر ہے اکثر جمع نہیں ہوتا۔ لیکن امام میں یہ دونوں صفتیں مجتمع تھیں۔ ایک طرف تو منصور و رشید جیسے قہار سلاطین کو آپ ڈانٹ دیتے ہیں، دوسری طرف آپ کے شانۂ مبارک پر ذلیل ہاتھوں سے کوڑا مارا جاتا ہے۔ تو آپ انگیز کرتے ہیں، اور منصور جب مجرم کی سزا کا

---

[1] توالی التاسیس معالی ابن ادریس لابن حجر [2] مرأت الاوراق ابن حجر حموی جلد ا صفحہ ۲۰۰
[3] ابن خلکان ترجمہ مالک عام کتب۔

ذکر کرتا ہے۔ تو آپ فرماتے ہیں کہ میں نے معاف کیا۔[1]

امام کے شاگرد خاص معن بن عیسیٰ بیان کرتے ہیں کہ ابن سرخون نامی ایک شاعر امام صاحب کے پاس آکر کہنے لگا کہ میں نے ایک دو شعر میں آپ کا ذکر کیا ہے۔ میں اس گستاخی کی معافی چاہتا ہوں، امام صاحب سمجھے کہ میری ہجو میں کچھ شعر کہے ہوں گے، فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، اس نے کہا میں وہ شعر سنانا بھی چاہتا ہوں۔ امام صاحب کا چہرہ سرخ ہو گیا، لیکن زبان حلم سے فرمایا کہ سنا بھی لو۔ شعر پڑھے تو اس کا مفہوم یہ تھا کہ مدینہ کے مفتی مالک سے پوچھ لو کہ کیا محبت بھی کوئی گناہ ہے"۔ امام صاحب نے بہ متانت فرمایا کہ میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا۔[2]

حق گوئی و آزادی

علمائے سلف کی مشترک صفت یہ تھی کہ وہ نطق حق میں بیباک ہوتے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا اہم ترین فریضہ تھا۔ گذشتہ صفحات کے پڑھنے والوں کو معلوم ہے کہ امام صاحب برابر خلفاء کے دربار میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ بعض لوگوں کو اس پر اعتراض تھا، امام صاحب نے فرمایا کہ اگر نہ جاؤں تو نطق حق کا موقع کہاں ملے؟ آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک بار منصور نے چند فقہا کے ساتھ امام مالک کو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ تم لوگ مجھ کو کیا سمجھتے ہو، سب سے دلیرانہ تقریر ابن ابی ذئب نے کی، امام نے فرمایا کہ مجھ کو اس کے جواب سے معاف کرو، یہ سکوت و تعلل نطق بین سے کم نہیں۔

امام کو کوڑے مارے گئے، لیکن کیوں؟ اس لیے کہ حق کے اظہار میں انہوں نے حکومت کی پروانہ کی، ایک بار منصور نے مسجد نبوی میں زور شور سے مناظرہ شروع کیا، فرمایا کہ ادب ملحوظ رہے لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ عباسیوں کے مقابلہ میں محمد نفس زکیہ نے جب علم بلند کیا تو آپ نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ خلافت محمد نفس زکیہ کا حق ہے۔ عباسیوں نے زبردستی بیعت لی ہے۔

---

[1] کتاب الامتہ ابن قتیبہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ مصر [2] طبقات سبکی جلد ۱ صفحہ ۵۲ مصر [3] مناقب مالک ملزوادی صفحہ ۳۱ مصر

خودداری

علم کی شان یہ ہے، کہ اس کی جلالت ملحوظ رکھی جائے، کہ اہل علم لوگوں میں معزز ہوں اور لوگوں کو اکتساب علم کا ذوق پیدا ہو، امام مالک اس نکتہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے۔

اس سے پہلے کئی بار گذر چکا ہے کہ امام صاحب مجلس درس میں کس وقار و متانت اور خودداری کے ساتھ بیٹھتے تھے، لوگ اعتراض کرتے تو فرماتے کہ ارید ان اجل العلم یعنی میں چاہتا ہوں کہ علم کی شان بڑھاؤں" بڑے بڑے امرار اور حکام آستانہ امامت میں حاضر ہوتے ہوئے کانپتے تھے، پڑھا ہوگا کہ ہارون رشید نے اپنے خیمے میں املائے حدیث کے لیے بلایا تو فرمایا کہ لوگ علم کے پاس آتے ہیں۔ لوگوں کے پاس علم نہیں جاتا ہارون رشید خود آیا تو مسند درس پر بیٹھنا چاہا، فرمایا، تواضع محبوب ہے۔ ہارون رشید نے کہا آپ پڑھیے، امام نے فرمایا اپنی یہ عادت نہیں[1]

منصور کے دربار کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی دربار میں آتا تو خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا، امام نے کبھی یہ ذلت گوارا نہ کی۔

انصاف پسندی

لیکن اس خودداری، اس جلال، اس اظہار حق سے زیادہ گراں قیمت اور مشکل الحصول شے انصاف پسندی ہے، اور وہ بھی اپنے نفس کے مقابلہ میں جس مسئلہ پر عبور نہ ہوتا بہ متانت فرما دیتے کہ مجھے نہیں معلوم"۔ شاید اس مختصر فقرہ کی قدر عام لوگوں کی زبان سے نہ سمجھی جائے۔ لیکن فرض کرو کہ ایک شخص جاہ و حشمت اور کمال شہرت، داد عائے علم کے ساتھ مسند درس و افتا پر متمکن ہے۔ طلبہ و اہل علم کا ہر طرف حلقہ ہے، دور دراز ممالک سے لوگ آ آ کر مسائل و فتاوے پوچھتے ہیں۔ اس وقت ارباب اخلاق طاہرہ کے سوا کس کی طاقت ہے کہ "نہیں" کہے امام کے ایک شاگرد کا قول آپ اس سے پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اگر میں امام کے "نہیں معلوم" کو

---

[1] مالک للزوادی ۲۹

لکھا کرتا تو تختیاں بھر جاتیں۔

ابن القاسم امام کے ایک شاگرد نے کہا کہ مصر کے علماء بیع و شرا کے مسائل میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ امام مالک نے پوچھا، انہوں نے کس سے ان کی تعلیم پائی، ابن القاسم نے کہا کہ آپ سے فرمایا کہ مجھے تو خود ان میں دخل نہیں۔[1]

اہل علم کی عزت

اس سے پہلے گذرا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید مجلس درس میں آیا تو مسند سے نیچے اُتر کر اُس کو بیٹھنا پڑا، لیکن ایک بار امام ابو حنیفہ تشریف لائے۔ تو آپ نے اس قدر تعظیم کی کہ ان کے لیے اپنی چادر فرش پر بچھائی، وہ اُٹھ گئے تو طلبہ سے کہا کہ یہ عراق کے ابو حنیفہ ہیں، جو اس ستون کو سونا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اس کے بعد کوفہ کے محدث سفیان آئے تو ان کی بھی تعظیم کی۔ لیکن اس سے کم، ان کے چلے جانے کے بعد فرمایا کہ لوگوں کی علمی قدر مراتب عزت کرنی چاہیے۔

عبد الرحمٰن بن قاسم آپ کے شاگرد تھے۔ لیکن جب ان کو خط لکھتے۔ تو فقیہ مصر لکھا کرتے تھے، ایک بار تعبنی محدث آپ کے نامور شاگرد مدینہ آرہے تھے۔ امام صاحب اپنے تلامذہ کو لے کر خود بہ نفس نفیس ان کے استقبال کو شہر سے باہر نکل آئے۔[2]

حلیہ

امام صاحب کا حلیہ یہ تھا، رنگ سرخ و سپید، قد بالا۔ بدن بھاری، پیشانی کشادہ آنکھیں بڑی۔ ناک اونچی، داڑھی بڑی اور گھنی، سر میں قدرتاً بال نہ تھے، مونچھوں کو بہت چھوٹی کرانا ناپسند کرتے تھے۔ خضاب کا استعمال نہیں کیا۔

پوشاک

مزاج میں صفائی اور نزاہت غایت درجہ تھی۔ ہمیشہ نفیس اور بیش قیمت پوشاک زیب بدن فرماتے تھے۔ بعض لوگ اس پر ٹوکتے تو فرماتے کہ "میں اس شہر (مدینہ) کے جس عالم سے ملا، اس کو خوش پوشاک پایا۔ امام صاحب کو اپنے کپڑوں

---

[1] مختصر جامع بیان العلم لابن عبد البر صفحہ ۱۲۵ مصر

[2] تذکرہ ذہبی جلد ۱ صفحہ ۱۵۳

کا خاص اہتمام تھا، عدن کے کپڑے اس زمانہ میں مشہور اور بیش قیمت ہوتے تھے[1] کبھی کبھی مرد کے بنے ہوئے کپڑے بھی استعمال کرتے[2]

خوشبو کا استعمال خوشبو کا استعمال ہمیشہ کرتے تھے، عود کی انگیٹھیاں جلتی رہتی تھیں کپڑے خوشبو سے بسے رہتے تھے، جس گلی سے ایک بار نکل جاتے دیر تک اس میں خوشبو پھیلی رہتی۔ اور اکثر فرماتے کہ خدا نے جس کو نعمت دی ہو، اس کے آثار اس پر نہ ظاہر ہوں، میں یہ پسند نہیں کرتا۔ کبھی طیلسان بھی استعمال کرتے، جو اس زمانہ میں علماء کی نشانی تھی، عمامہ جب زیب سر فرماتے، شملہ گلے میں لپیٹ کر داہنے یا بائیں شانہ پر ڈال لیتے، ہاتھ میں چاندی کی ایک انگوٹھی تھی، جس کے سیاہ پتھر کے نگینہ پر حَسْبُنَا اللہ وَنِعْمَ الوکیل نقش تھا۔

امام کو جو خصوصیاتِ شرف حاصل تھیں، ان میں یہ کیا کم ہے کہ مدینہ مطہرہ کی خاک پاک جسم مبارک کا عنصر تھی، لیکن اس سے بھی زیادہ مزید شرف یہ ہے کہ مسکن وہ تھا، جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مکان تھا اور مجلس و نشستگاہ وہ تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کا دولت خانہ تھا۔ یہیں اکثر املائے حدیث کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ اس بنا پر امام مالک نہ صرف علم و معارفِ فاروقی کے وارث تھے، بلکہ ان کی جائداد ظاہری کا بھی خدا نے انہیں وارث بنایا۔

---

[1] ابن ندیم مطبوعہ یورپ صفحہ ۸۸ [2] مراۃ الجنان یافعی ذکر مالک

امام صاحب کی تصنیفات و تالیفات کا اجمالی ذکر

اس عہد میمون میں تصنیف و تالیف کی ابتدا ہو چکی تھی امام کے دستِ مبارک سے جو کتابیں ترتیب پائی ہیں، یا اُن کی طرف منسوب ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

موطا۔ رسالہ مالک الی الرشید، احکام القرآن، المدونۃ الکبریٰ۔ رسالہ مالک ابی ابن مطرف، رسالہ مالک ابی ابن وہب۔ کتاب الاقضیہ [1]، کتاب المناسک، تفسیر غریب القرآن۔ کتاب المجالسات عن مالک۔ تفسیر القرآن۔

۱۔ موطا کی نسبت مفصل بحث آئے گی۔

موطا میں اور ان کی تمام تصنیفات میں امتیاز اول یہ ہے کہ موطا کی روایت امام کے تمام تلامذہ نے کی ہے۔ اور بقیہ رسائل و کتب صرف بعض تلامذہ کی روایت سے ثابت ہیں۔

۲۔ رسالہ مالک الی الرشید۔ یہ خلیفہ ہارون رشید کے نام خط کے طور پر ۲۲ صفحہ کا ایک رسالہ ہے۔ جس میں امام نے خلیفہ کو ہر قسم کے دینی و دنیاوی و اخلاقی نصائح کیے ہیں امام سے اس رسالہ کی روایت ابن حبیب نے کی ہے۔ رسالہ کا طرز بیان نہایت قدیم ہے اور موطا کے طرز روایت سے نہایت مشابہ ہے۔ بعض علماء نے اس بنا پر اس کی نسبت امام صاحب کی طرف کرنے سے انکار کیا ہے۔ کہ اس میں بعض ضعیف و منکر حدیثیں ہیں۔ لیکن یہ ہے کہ اخلاقیات میں محدثین اس قدر احتراز نہیں کرتے۔ ابن ندیم نے الفہرست میں امام کے انتساب سے اس رسالہ کا ذکر کیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ چوتھی صدی کے اوائل میں یہ رسالہ موجود تھا، یہ رسالہ چھپ گیا ہے۔

---

[1] ان کتابوں کے نام مختلف مصنفین نے لکھے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

۳۔ احکام القرآن ۔ یہ خود امام کی تصنیف نہیں ہے، بلکہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور ماہر علوم قرآن علامہ ابو محمد مکی بن ابی طالب الاندلسی المتوفی ۴۳۷ھ کی تالیف ہے علامہ موصوف نے امام مالک سے جو احکام قرآن یعنی آیاتِ احکامیہ کی تفسیریں مروی ہیں، ان کو یکجا کر دیا جائے۔ اسی لیے اس کا نام کتاب المأثور عن مالک فی احکام القرآن ہے۔

۴۔ المدونۃ الکبریٰ فقہ مالکی کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ بعض لوگ اس کو خود امام کی تصنیف سمجھتے ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے۔ کہ یہ عبدالرحمٰن بن قاسم المتوفی ۱۹۱ھ امام کے ایک شاگرد کی تصنیف ہے۔ لیکن اس لحاظ سے امام کی تصنیف کہنا درست ہے۔ کہ یہ کتاب درحقیقت امام کے ملفوظاتِ فقہیہ کا مجموعہ ہے۔ ابن قاسم نے خود امام کے زمانہ میں مدینہ سے واپس آکر امام کے مجتہدات وفقیہات کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کرنا شروع کیا تھا۔ اور شاید اسی زمانہ میں ختم بھی ہو گئی تھی، کیونکہ یحییٰ بن یحییٰ سمودی دوسری بار مصر سے مدونۃ ابن قاسم کو خود امام سے سننے کے لیے آئے تھے، لیکن افسوس کہ امام اس وقت بستر مرض پر تھے[1] مصر میں مدونۃ چھپ گئی ہے۔ اور ہر جگہ ملتی ہے۔

۵۔ رسالۃ مالک الی ابن مطرف عنان بن محمد بن مطرف کے نام "فتویٰ" کی بحث پر ایک رسالہ ہے، خالد بن نزار اور محمد بن مطرف تلامذہ امام نے اس کی روایت کی ہے۔

۶۔ رسالۃ مالک ابن وہب ۔ امام کے شاگرد رشید ابن وہب کے نام سے مسئلہ قضا وقدر پر ایک مشہور رسالہ ہے، قاضی عیاض نے اس رسالہ کی تعریف کی اور لکھا ہے۔

وھو من خیار الکتب فی ھذا الباب دال علی سعۃ علیہ ھذا الشان

۷۔ کتاب الاقضیہ ۔ بعض قاضیوں کے لیے امام نے یہ رسالہ لکھا، غالباً اس میں عمدہ قضا کے متعلق اصول وہدایات ہوں گے، امام کے ایک شاگرد عبداللہ بن جلیل نے اس کی

---

[1] ابن خلکان ذکر مکی بن ابی طالب عبد ۲ صفحہ ۱۲، مصر ۲ ابن خلکان ترجمہ عبدالرحمٰن بن قاسم یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر المصمودی۔

روایت کی ہے۔

۸۔ **الکتاب المناسک**۔ ابوجعفر زہری امام کے ایک دوست کا بیان ہے کہ امام مالک کی سب سے بڑی تصنیف کتاب المناسک تھی جس میں حج کے احکام و مسائل تھے۔

۹۔ **تفسیر غریب القرآن**۔ اس کتاب کی روایت خالد بن عبدالرحمٰن مخزومی نے امام سے کی ہے۔

۱۰۔ **کتاب المجالسات عن مالک**۔ ابن وہب امام کے تلمیذ رشید نے امام کے مجالس صحبت میں حدیث و آثار و اخلاق کے جو متفرق فوائد و نکات سنے اس رسالہ میں ان کو جمع کیا ہے۔ حافظ سیوطی نے یہ رسالہ دیکھا تھا۔

۱۱۔ **تفسیر القرآن**۔ قرآن مجید کی تفسیر بروایت احادیث قلمبند ہے، حافظ سیوطی نے اس کو دیکھا تھا۔ اور اس کی تعریف کی ہے لیکن یہ مشکوک ہے۔ کہ آیا یہ خود امام کی تالیف ہے۔ یا کسی شاگرد نے امام سے اس کی تعلیق کی ہے۔

۱۲۔ **کتاب المسائل**۔ ان رسائل و کتب کے علاوہ امام کی اور بھی تصنیفات تھیں، محدث خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے۔ کہ ابوالعباس سفاح کے سامنے بہت سے منتشر اوراق پڑے تھے، جس کی نسبت اس نے کہا کہ یہ امام مالک کے ستر ہزار مسائل کا مجموعہ ہے۔[1]

موطا امام مالکؒ — اصح الکتب بعد کتاب اللہ

امام کی اصلی تصنیف "موطا" جو قرآن پاک کے بعد کتب خانۂ اسلام کی دوسری کتاب ہے، اوّل کلام خدا ہے اور ثانی کلام رسُول (صلعم)

تدوین احادیث ہجرت کی پہلی صدی تک احادیثِ نبوی کے گنجینے مقدس سینوں میں مدفون رہے، اور متفرق طور سے علیحدہ علیحدہ ہر شیخ کے پاس تحریری یادداشت کا مجموعہ تھا، قرن اوّل کے خاتمہ پر جب صحابہ کے بعد پہلی نسل (تابعین) پیدا ہو رہی تھی، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جس شان کے خلیفہ تھے، اسی شان کے محدّث بھی تھے، چنانچہ علامہ ذہبی نے حفاظ میں آپ کو جگہ دی ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی یہ علمی جلالت کیا کم ہے کہ امام مالک مؤطا میں ان کے فتاویٰ سے استدلال کرتے ہیں، احادیث کی تدوین بصورتِ کتاب کی ابتداء اسی خلیفۂ اعظم کے اشارہ سے ہوئی ہے، اور سب سے پہلے مدوّن حدیث ابوبکر بن حزم المتوفی ۱۲۰ھ ہیں۔

ابوبکر بن حزم کے بعد محمد بن شہاب الزہری جو تمام محدثین کے امام ہیں، حدیث کے دوسرے مدوّن ہیں، ربیع بن صبیح اور سعد بن عروبہ تیسرے درجہ پر ہیں، پہلا نسخہ جو ابوبکر کے ہاتھ سے تیار ہوا تھا، عموماً صحابہ کے فتووں پر مشتمل تھا، امام زہری کا نسخہ حدیث ابواب و فصول پر منقسم نہ تھا، ربیع اور سعد کے نسخوں کا

ہر باب علیحدہ تھا۔

۱۳۲ھ ایک نئے دور کی بنیاد ہے، خلافتِ امویہ مٹ کر خلافتِ عباسیہ قائم ہوتی ہے، اسی کے پس و پیش عہد میں سینکڑوں مجموعہ ہائے حدیث مدوّن ہوئے اور موطا کی تالیف کا بھی یہی زمانہ ہے۔

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ وعلیہ وسلم کی وفات کے بعد اکثر صحابہ ارشاد جہاد وغزا کی نیت سے تمام بلاد مفتوحہ میں پھیل گئے تھے۔ حضرت جابرؓ مکہ میں، حضرت ابو درداءؓ اور ابو ذرؓ شام میں، عقبہ بن عامر مصر میں، بریدہؓ خراسان میں حضرت علیؓ و عبداللہ بن مسعود کوفہ میں وقس علی ذلک لیکن صحابہ کا گروہِ عظیم جن میں اکابر و اجلۂ فقہا داخل تھے۔ مدینہ ہی میں رہا، یہ مقدس گروہ جہاں تھا، اپنے مرئیات و مسموعات کی روایت کرتا رہا، ان کے بعد ان مقامات و بلاد کے علمائے تابعین ان کے مرویات و علوم کے وارث ہوئے، دوسری صدی کے اواخر تک یہ علوم روایۃً و تحریراً اسی طرح منتشر رہے۔ ان کا مرکز اوّل مدینہ اور مرکز ثانی مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ اور دمشق تھا۔ امام شافعی اور عبداللہ بن مبارک پہلے شخص ہیں جنہوں نے معلومات کے لحاظ سے اور امام احمد بن حنبل و امام بخاری نے تحریر و تدوین میں ان کو یکجا کیا،

امام مالک کا عہد وہ ہے۔ جب یہ معلومات تمام بلادِ اسلامیہ میں منتشر تھے اسی لحاظ سے امام مالک کے عصر میں جن مجموعہائے حدیث کی تدوین ہوئی وہ صرف اپنے اپنے حدود ملکی کے اندر محدود تھے۔ ابن جریج نے مکہ میں اوزاعی نے شام میں سفیان ثوری نے کوفہ میں ابوسلمہ حماد نے بصرہ میں، ہشیم نے واسط میں، معمر نے یمن میں، ابن مبارک نے خراسان میں، جریر بن حمید نے رے میں حدیثیں جمع کیں، لیکن مرکزِ نبوت اور مہبطِ وحی کی حدیثوں کی جمع و ترتیب، جو

علوم نبوی کا سب سے بڑا گنجینہ تھا، جس سعادت اندوز کی قسمت میں تھا، وہ امام مالک ہیں۔

مؤطا

علوم مدینہ کا مجموعہ ہے، جہاں ان زر و جواہر کی اصلی کان تھی، تمام اکابر صحابہ، و اعاظم تابعین، جن کا ذکر بہ تفصیل اوپر کئی بار گذر چکا ان کا مسکن یہی شہر مبارک تھا۔ اور اسی لیے یہ صحیفہ مقدس انہی بزرگوں کی روایات و فتاویٰ پر مبنی ہے، اس بنا پر یہ صحیفہ حقیقت میں صحیح ترین، موثق ترین اور کامل ترین احکام اسلامیہ کا مجموعہ ہے[۲]

تالیف موطا

یہ ظاہر ہے کہ امام مالک ہمیشہ مدینہ ہی میں قیام فرما رہے، اس لیے اس تالیف کا مقام معلوم ہے، لیکن صحیح زمانہ نہیں معلوم بقرائن معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۳۰ھ سے ۱۴۰ھ تک کا زمانہ ہے، ۱۳۲ھ سے زوال بنی امیہ کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس سے پہلے تصنیف و تالیف کا شغل عام نہ تھا، ۱۴۴ھ میں منصور نے آخری حج کیا ہے اس وقت موطا متداول و مشہور ہو چکی تھی[۳] اس لیے زمانہ تالیف ان دونوں زمانوں کا درمیانی زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایک روایت ہے کہ امام مالک نے منصور ہی کے حکم سے موطا کی تالیف شروع کی تھی۔ اور فرمائش کی تھی کہ اس مجموعہ احکام میں نہ ابن عمرؓ کی سختیاں ہوں نہ ابن عباسؓ کی رخصتیں، اور نہ ابن مسعودؓ کے شواذ[۴]

امام صاحب جب موطا کی تالیف میں مشغول ہوئے، اور یہ خبر اوروں کو بھی پہنچی تو مدینہ کے اور علماء بھی اپنے اپنے احادیث کا مجموعہ تیار کرنے لگے، لوگوں نے امام سے جا کر عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ صرف حسن نیت کو بقا ہے"۔ یہ پیشین گوئی کس قدر صحیح ثابت ہوئی دیکھو کہ موطا مالک کے سوا کوئی موطا دنیائے معلوم میں باقی نہیں رہی، بعض لوگوں نے رشک کا

---

[۱] اس فصل کے تمام معلومات کے لیے مقدمہ فتح الباری دیکھو [۲] مقدمہ مسوی شاہ ولی اللہ صاحب [۳] کشف الظنون موطا" و جامع بیان العلم ابن عبدالبر صفحہ ۷۰، مصر [۴] کتاب الامۃ و البیسانۃ ذکر منصور۔

انتقام دوسری طرح لیا، محمد بن اسحاق صاحب سیر و مغازی نے کہا۔

ایتونی بکتبہ حتی ابین عیوبہ فانا بطار کتبہ[1]	مالک کی کتابیں میرے پاس لاؤ میں ان کے عیوب دکھاؤں۔ مالک کی کتابوں کا ناقد تو میں ہوں۔

امام مالک نے تصنیف سے فارغ ہو کر شیوخ حدیث کی خدمت میں اس کو پیش کیا سب نے اس کو بغایت پسند کیا، عام اہل مدینہ کے لیے وہ دن عجیب مسرت کا تھا۔ جب ان کے مجموعہ فضائل میں ایک اور فضیلت کا اضافہ ہو رہا تھا۔ سعد بن نام ایک شاعر مؤطا کی تعریف میں کہتا ہے۔

اقول لمن بدوی الحدیث و یکتب ویلک سبیل الفقہ فیہ ویطلب	میں اس سے کہتا ہوں جو حدیث کی روایت کرتا ہے اور اس کو لکھتا ہے اور فقہ کے راستہ میں چلتا ہے، اور اس کی طلب میں سرگرداں ہے۔
ان اجبت ان تدعی لدی لخلق عالماً فلا تعد ما یحوی من العلم یثرب	اگر تجھ کو یہ پسند ہے کہ مخلوق میں تو عالم پکارا جائے تو اس علم سے باہر نہ جا جس کو یثرب حاوی ہے
اتترک دارا کنت بین بیوتہا ید وحی و یغدو جبرئیل ارتوب ومات رسول اللہ فیہا وبعدہ بسنۃ اصحابہ قد قاربوا	کیا اس مقام کو تو چھوڑتا ہے جس کے گھروں میں مقرب بارگاہ جبریل آیا جایا کرتا تھا۔ اور جس میں رسول اللہ نے وفات پائی۔ اور ان کے بعد انکی سنت سے آپ کے اصحاب نے اوب پایا۔
فبادر موطا مالک قبل فوتہ فما بعدہا ان فات للحق مطلب	تو مالک کی موطا کو جلد لوکھونے نہ پائے، کہ اگر یہ کھو گئی تو حق کی جستجو کی پھر جگہ نہیں۔

---

[1] تہذیب الکمال مالک انس [2] بستان المحدثین ذکر امام مالک

ودع الموطا کل علم تریدہ — اور موطا کے لیے ہر اس علم کو جس کو چاہتے ہو
فان الموطا الشمس والغیر کوکب — چھوڑ دو کہ موطا آفتاب ہے اور اس کے علاوہ
دوسری کتابیں ستارہ ہیں۔

وجہ تسمیہ

لفظ "موطا" توطیہ کا مفعول ہے، جس کے معنے "روندنے" اور کسی چیز پر چلنے کے ہیں۔ موطا کے لغوی معنی "روندا ہوا" یا چلا ہوا" کے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوی میں لکھا ہے۔ روندے ہوئے یا چلے ہوئے کے" مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ اور علماء اور اکابر چلے ہوں، اور جس کو ان سب کی رایوں نے روندا اور پامال کیا ہو۔ یعنی سب نے اس کے متعلق گفتگو کی ہو، اور اس سے اتفاق کیا ہو۔ اس طرح گویا اس کے معنی متفق اور مطابق کے ہیں۔ چونکہ تصنیف کے بعد تمام شیوخ حدیث نے اس سے اتفاق و مطابقت کی، اس لیے اس کا نام موطا مشہور ہو گیا۔[1] لیکن میرے نزدیک اس سے زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے۔ کہ مؤطا" اس راستہ کو کہتے ہیں، جس پر لوگ بکثرت گذرتے ہیں۔ سنت کے معنی بھی راستہ کے ہیں، یہ وہ راستہ ہے، جس پر آنحضرت صلعم گذرے موطا وہ پامال راستہ ہے، جس پر آنحضرت صلعم کے بعد تمام صحابہ گذرے۔ غرض مؤطا کا لفظ اپنی حقیقت کا آپ مفسر ہے کہ یہ ان مسائل پر مشتمل ہے، جن پر صحابہ کا عمل رہا ہے اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں۔

تعداد مرویات

ابتداءً موطا میں دس ہزار حدیثیں تھیں، لیکن امام کے خامۂ صحت پسند نے تقریباً آٹھ ہزار حدیثیں قلم زد کر دیں۔ باقی ۱۷۲۰ ہیں جن میں سے مسند اور مرفوع ۶۰۰ ہیں، مرسل ۲۳۵، موقوف ۶۱۳ تابعین کے اقوال و فتاوی ۲۸۵، بلاغات مالک[2] ۵۔

---

[1] مقدمۂ مسوی شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ ۷
[2] مقدمہ مسوی شاہ ولی اللہ صاحب صفحہ ۷ ۱۲

موطا کا موضوع

مؤطا کا موضوع صرف احکام فقہیہ ہیں۔ اس لیے وہ سینکڑوں ابواب و فصول جو بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں نظر آتے ہیں، مؤطا ان سے خالی ہے کیونکہ فقہیات سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بنا پر محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو کتاب السنن" کہنا چاہیے۔

مؤطا اور دیگر فقہائے مجتہدین کے مجموعہائے حدیث

فقہائے مجتہدین اربعہ میں سے ہر ایک کے انتساب سے ایک مجموعہائے حدیث موجود ہے مسند ابی حنیفہ مسند شافعی مسند ابن حنبل یہ تمام کتابیں موجود ہیں، فقیہ رابع کی تصنیف کو ان پر کیا فوقیت حاصل ہے۔ اس جواب کے پردہ میں یہ ظاہر کر دینا ہے۔ کہ امام مالک کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی۔

وذلك فضل الله يؤتيه من شاء مسند ابی حنیفہ کے نام سے متعدد کتابیں موجود ہیں، مگر دراصل یہ تمام کتابیں امام ابو حنیفہ کے سینکڑوں برس بعد امام ممدوح کے تلامذہ کی تصنیفات، اور غیر معروف مسانید سے لے کر محمد بن یعقوب اور حسین بن محمد خسرو وغیرہ نے تالیف کی ہیں۔ اور ان کو مسند ابو حنیفہ اور مسند امام اعظم کے نام سے موسوم کر دیا ہے۔

مسند امام شافعی کی حقیقت یہ ہے کہ امام شافعی نے اپنی تصنیفات میں بر سبیل استدلال جو حدیثیں روایت کی ہیں ابو جعفر بن محمد بن مطر نیشاپوری یا ابو العباس نام ایک شافعی نے ان کو یکجا کر دیا ہے۔ مسند ابن حنبل کی تالیف یقیناً خود امام احمد نے شروع کی تھی لیکن وہ ابھی مسودہ تھا کہ امام موصوف نے وفات پائی۔ اس کی تبییض و ترتیب بعد کو امام احمد کے صاحبزادہ عبد اللہ نے کی، جو افسوس ہے کہ اس میدان کے مرد نہ تھے۔ اسی طرح مدنی اور عراقی مسندوں میں تخلیط ہے۔ اس بنا پر اس کو بجائے مسند احمد کے مسند عبد اللہ کہنا چاہیئے۔ اور بایں ہمہ اس میں صحیح احادیث کا التزام نہیں ہے، جیسا کہ ناقدین حدیث

جانتے ہیں۔

مؤطا اور اس کی معاصر کتابیں

موطا سے قبل اور خود اس کے زمانہ میں بیسیوں مسانید اور موطائیں لوگوں نے لکھیں جن میں سے بعض اب تک باقی ہیں۔ باہمی موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ موطا اور ان کتب معاصرہ میں وہی نسبت ہے جو صحیح بخاری کو مصنف ابن ابی شیبہ اور کتب بیہقی سے اور خود ان کتابوں کا فقدان اور عدم شہرت و قبول اور موت اس پر کافی دلیل ہے۔ لیکن باایں ہمہ تین خاص وجوہ ایسے ہیں جن سے مؤطا کا امتیاز بالکل روشن ہو جاتا ہے۔

۱۔ مؤطا سے پہلے جو حدیث کی کتابیں لکھی گئیں، ان کا مبنیٰ زیادہ تر صحابہ و تابعین کے آثار و فتاوے تھے۔ امام مالک نے مؤطا میں احادیث صحاح و مسند یا منقطع و مرسل کو مبنائے اوّل اور آثار و فتاوے کو بنائے ثانی قرار دیا۔

۲۔ دوسرا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا تھا اور موطا میں صرف اسی حدیث یا فتوے نے جگہ پائی ہے، جس کو صحت کا شرف حاصل تھا۔

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ موطا مدینہ میں تالیف ہوئی ہے، اس کے رواۃ حجازی ہیں اور دیگر مسانید اور موطائیں کوفہ، بصرہ، واسط، شام، یمن، خراسان اور رَے وغیرہ میں تالیف ہوئیں اور اس پر تمام علمائے حدیث کا اتفاق ہے کہ حجاز کی حدیثیں صحت، قوت اور جودت اسناد میں سب پر فائق ہیں۔

طبقات کتب حدیث میں مؤطا کا درجہ

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ علمائے حدیث نے کتب کو چار مختلف طبقات میں منقسم کیا ہے۔ طبقۂ اولیٰ میں صرف وہ تصانیف ہیں، جن کے مصنفین حدیث کے امام اور فن کے نقاد تھے، اور جن کی تصانیف، صحت، جودتِ اسناد اور قبول محدثین کے لحاظ سے سب سے مقدم ہیں، اور جن کے رجال، حفظ، ثبوت، وثوق اور شہرت

میں معروف ہیں، طبقہ ثانیہ میں اس سے کم درجہ وعلی ہذا الترتیب۔

طبقۂ اولیٰ میں موطا، بخاری اور مسلم داخل ہیں، اور طبقہ ثانیہ میں ترمذی ابوداؤد نسائی، ان دونوں طبقات کو صحاح ستہ کہتے ہیں، ابن اثیر المتوفی ۶۰۶ھ نے جامع الاصول میں انہی چھ کتابوں کو جمع کیا ہے۔

طبقۂ اولیٰ میں مؤطا کا درجہ طبقۂ اولےٰ یعنی موطا، بخاری اور مسلم میں مؤطا کا کیا درجہ ہے، علمائے حدیث اس کے جواب میں مختلف الرائے ہیں، عام علمائے تو اس کو مسلم بلکہ ترمذی کے بھی بعد جگہ دیتے ہیں، لیکن محققین قدما اور عموماً متاخرین میں شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب اس کو بخاری سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی فوقیت اگر کثرتِ روایات، کثرت مرفوعات اور مرسل و موقوف حدیثوں سے پاک ہونے کی بنا پر ہے۔ تو صحیح ہے لیکن مدار فضیلت تو صرف "صحت" جودت اسناد" اور شہرت کی بنا پر ہے، یہ صحیح ہے، کہ مؤطا میں مرسل موقوف اور منقطع حدیثیں ہیں جو "صحیح" کے لیے قادح ہیں، لیکن ان کا ارسال، وقف اور انقطاع مؤطا کی روایت کے لحاظ سے درست ہے، لیکن حقیقت کی رو سے یہ تمام مراسیل و موقوفات و منقطعات، متصل، مرفوع و مسند ہیں، اور خود ان کے رفع و اتصال و اسناد پر امام بخاری و امام مسلم و ترمذی وغیرہ کی مہر تصدیق لگی ہوئی ہے۔ اس حالت میں خیال کیجئے کہ مؤطا کی صحت کا درجہ کہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

۱۔ مؤطا کو سب سے بڑا اشرف یہ حاصل ہے۔ کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب، کلام اللہ کے بعد اسلام کے ہاتھ میں دوسری صحیح کتاب کلام الرسول آئی جو مؤطا کے قالب میں ظاہر ہوئی، کشف الظنون میں ہے۔ اول کتاب وضع فی الاسلام مؤطا مالک بن انس سب

لہ دیکھو حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ذکر علم حدیث

سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی ہے، وہ مؤطا ہے۔ قاضی ابوبکر ابن عربی المتوفی ۵۴۳ھ مؤطا کی شرح میں لکھتے ہیں۔

هذا اول کتاب الف فی شرایع الاسلام	یہ پہلی کتاب ہے، جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے۔

حضرت سفیان کہتے ہیں

اول من صنف الصحیح مالک والفضل للمتقدم	سب سے پہلے مالک نے صحیح کو تالیف کیا

۲، صرف تقدم زمانہ ہی مؤطا کے تقدم کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ باوجود نقش اوّل ہونے کے اس کے بعد کی کتابیں گو، کہ مؤطا کی نقش ثانی ہیں، تاہم اس کی برابری کا دعوے نہیں کرسکتیں چنانچہ اس کے متعلق ائمہ مجتہدین اور علمائے حدیث کی قوی شہادتیں موجود ہیں، امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ فرماتے ہیں۔

ما علی وجہ الارض من کتاب بعد کتاب اللہ اصح من مؤطا مالک ابن انس۔	روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی کتاب مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح نہیں ہے

ابوبکر ابن عربی فرماتے ہیں:

هذا اول کتاب وضع فی الاسلام وھو اخرہ فانہ لم یولف مثلہ	یہ اسلام کی سب سے پہلی کتاب ہے اور سب سے پچھلی بھی ہے۔ کیونکہ پھر اس کی مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔

امام نووی شرح مسلم کے دیباچہ میں اپنے اسناد کا حال لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

وقد وقع الی من ھذہ الکتاب وان کانت عالیۃ مؤطا الامام وھو شیخ الشیوخ المذکورین	ایک کتاب مجھ کو ملی جو ان تمام کتابوں (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی) سے بہتر ہے۔ اگرچہ یہ کتابیں بھی اچھی ہیں۔ وہ مؤطا

ہے جس کے مصنف امام مالک ہیں، جو تمام
محدثین کے شیخ الشیوخ۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں، کتاب الام میں امام شافعی کی، اور کتاب الآثار میں امام محمد کی جو فقاہت ہے، وہ مؤطا ہی کے صدقہ میں ہے۔

۲۔ امام بخاری اور امام مسلم سے جن لوگوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت کی ہے گو ان کی کثرت تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے، مگر امام مالک سے مؤطا کی روایت کرنے والے جس پایہ کے لوگ ہیں، وہ بخاری اور مسلم کے نہیں ہیں، اس لیے خواص وعام کی نقل وروایت میں جو فرق ہے، وہ یقیناً مؤطا اور دیگر کتب کے نقل وروایت میں ہے۔

ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اور امام محمد نے اور محدثین میں سے بے شمار لوگوں نے امام مالک سے مؤطا کی روایت کی ہے۔ انہی میں سے بے شمار لوگوں نے ہیثم جمیل محدث انطاکیہ امام منصور بن سلمہ، محدث بغداد، عبداللہ بن وہب محدث مصر، یحییٰ بن یحییٰ استاد امام مسلم قتیبہ ابن سعد وغیرہ ہیں۔ فقہا میں سے فقیہ ہشام بن عبداللہ بن قاسم مؤلف مدونۃ الکبریٰ وغیرہ، صوفیہ میں حضرت ذوالنون مصری، خلفا میں ہادی، مہدی، ہارون مامون، امین اور عام علماء میں سے تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے مؤطا امام مالک سے روایت کی ہے۔ سیوطی نے تنویر الحوالک میں لکھا ہے، کہ امام مالک سے روایت کرنے والوں کی جتنی کثیر تعداد ہے۔ اتنی کسی امام کے رواۃ کی نہیں"۔

یہ ایک کھلی بات ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم اور مؤلف حدیث میں جتنے واسطے کم ہوں گے اسی قدر اس کی تالیف درجۂ اعتبار میں زیادہ ہوگی۔ بخاری ومسلم کی عموماً روائتیں پانچ چھ واسطے سے ہوتی ہیں، مؤطا کی حدیثیں دو تین واسطوں سے زیادہ کی نہیں ہوتیں۔ امام بخاری کو اپنے بیس ثلاثیات پر ناز ہے۔ اور مؤطا کی بنیاد ہی ثلاثیات پر ہے۔ اور علاوہ ازیں اس میں چالیس ثنائیات ہیں، یعنی ایسی حدیثیں ہیں جن میں مولف اور آنحضرت صلعم

کے درمیان صرف دو واسطے ہیں۔

مؤطا کے نسخے سینکڑوں لوگوں نے امام صاحب سے مؤطا کو مختلف زبانوں میں حاصل کیا، اس کثرت تعداد اور اختلاف اوقات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہر ایک کی روایت میں کسی نہ کسی قدر کتاب کے ابواب کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر اور بعض الفاظ میں اختلاف ہو۔ چنانچہ مؤطا امام صاحب سے تیس مختلف طریقوں سے مروی ہے جن میں مشہور ۱۶ نسخے ہیں، ان میں سے معتبر اور باوثوق اول کے گیارہ اور معتبر اور باوثوق تر چار ہیں۔ یعنی یحییٰ، ابن بکیر، ابو مصعب اور ابن وہب کے نسخے۔ لیکن متداول ترین مشہور ترین اور مقبول ترین یحییٰ کی روایت ہے، کتاب کی مشہور ترتیب یہ ہے کہ اول کتاب الجنائز پھر کتاب الصلوٰۃ، پھر کتاب الصیام، پھر ۔اس کے بعد تمام نسخے کتاب الحج کے بعد سے پھر مختلف الترتیب ہیں۔ اس قسم کا اختلاف بخاری و مسلم سب میں ہے۔

۱۔ یحییٰ بن یحییٰ مصمودی اندلسی بربر کے رہنے والے تھے، ان کے دادا پہلے شخص ہیں جو ان کے خاندان میں مشرف بہ اسلام ہوئے، قرطبہ میں امام صاحب کے تلمیذ خاص ابو عبداللہ زیاد بن عبدالرحمٰن بن زیاد لخمی درس دیتے تھے۔ یحییٰ نے پہلے انہی سے پوری مؤطا کی قرأت کی، مگر شوق علم بیس سال کی عمر میں قرطبہ سے نکال آستانہ امامت تک لے آیا مگر قسمت نے یحیی کو امام صاحب سے پوری مؤطا نہ پڑھنے دی اسی سال امام کا انتقال ہوگیا۔ اسی لیے یحیی کے نسخے میں تمام احادیث "حدثنا مالک" سے شروع ہوتی ہیں لیکن باب خروج المعتکف الی العید، باب قضاء الاعتکاف، باب النکاح فی الاعتکاف میں حدثنا زیاد عن مالک ہے"۔ یعنی ایک واسطہ زیادہ ہے۔

امام صاحب یحییٰ کی بڑی عزت کرتے تھے، اندلس میں سلطنت بھی ان کا خاص احترام کرتی تھی، چار مسئلوں کے سوا ہر بات میں وہ امام صاحب کے مقلد تھے، ۱۵۲ھ میں پیدا ہوئے، ۸۲ سال کی عمر پائی ۲۳۴ھ میں انتقال کیا۔

۲۔ یہ نسخہ عبداللہ بن وہب کی تالیف ہے، مصر وطن تھا، مشہور محدث لیث ابن سعد مصری سے حدیث حاصل کی تھی، امام صاحب کی شہرت مصر سے ان کو مدینہ لے آئی، امام صاحب کے شاگردوں میں تالیف وتصنیف کے لیئے انہی کے دل ودماغ کو قدرت الٰہی نے منتخب کیا تھا، مسموعاتِ امام مالکؒ کے نام سے انہوں نے تین کتابیں لکھی ہیں، ان کی تمام تصنیفات میں ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں بہ سبیل تذکرہ مروی ہیں، اور سب صحیح ہیں۔ ذیقعدہ ۱۲۵ھ سال پیدائش ہے، اور شعبان ۱۹۷ھ سال وفات۔

۳۔ اس کے راوی عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ہیں، محدثین ان کو حدیث دانی میں امام صاحب کے تمام تلامذہ پر فوقیت دیتے ہیں۔ آٹھ برس امام صاحب کی خدمت میں رہے جب یہ بیمار ہوتے تو امام صاحب خاص طور سے ان کی عیادت کو تشریف لے جاتے تھے، محرم ۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

۴۔ مالکی مذہب کے مشہور فقیہ ابن القاسم اس کے راوی ہیں، مالکی مذہب کی پہلی تدوین انہی سے شروع ہوتی ہے۔ کتاب المدونۃ الکبریٰ انہی کی تالیف ہے۔ فتاوائے امام مالک کو انہوں نے ایک ضخیم کتاب کی صورت میں مرتب کیا تھا، زہد وتقوے میں ممتاز تھے۔ ابن القاسم نہ صرف میدان علم کے شہسوار تھے، بلکہ روم بربر، زنج کے جہاد میں بھی اپنی زندگی کا ایک چوتھائی حصہ صرف کیا تھا، مصر میں ۱۹۱ھ میں وفات پائی۔

۵۔ معن بن عیسیٰ۔ امام بخاری ومسلم وترمذی کے شیخ ہیں، امام صاحب نے ان کو متبنیٰ کیا تھا، ہارون رشید نے امام صاحب کے درس میں انہی کی قرأت کی سماعت کی تھی امام صاحب کے چالیس ہزار فتاویٰ ان کو یاد تھے، مدینہ میں ۱۹۸ھ میں انتقال کیا۔

۶۔ عبداللہ بن یوسف گو پیدا دمشق میں ہوئے تھے لیکن سکونت اندلس میں تھی، امام بخاری کے شیخ ہیں، امام بخاری ان کے علم وفضل کے مداح ومعترف تھے۔

۷۔ یحییٰ بن بکیر، امام بخاری بلا واسطہ اور امام مسلم بیک واسطہ ان سے روایت کرتے

ہیں۔ امام صاحب سے مؤطا انہوں نے چودہ مرتبہ پڑھی تھی۔ امام صاحب کی ثنائیات کو انہوں نے الگ الگ رسالہ میں جمع کیا ہے۔ علمائے اندلس اپنے شاگردوں کو فراغت کی سند دیتے تھے تو اس کو تبرکاً پڑھا کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اپنی نادانی سے ان پر جرح کی ہے۔

۸۔ سعید بن عفیر، مشاہیر مصر سے ہیں، لیث مصری اور امام مالک سے روایت کرتے ہیں امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے۔ علم حدیث کے علاوہ تاریخ، سیر، ادب، علم الانساب اور شاعری میں بھی ان کو کمال تھا، ۱۴۶ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۲۶ھ میں وفات پائی۔

۹۔ ابو مصعب زہری شیوخ مدینہ میں سے ہیں، جب تک یہ زندہ رہے، حجاز والے اہل عراق کو آنکھ نہیں لگاتے تھے، صحاح ستہ میں ان کی روایت ہے، سب سے اخیر جو مؤطا امام صاحب کو سنائی گئی ہے۔ وہ انہی کی روایت سے ہے۔ ۲۴۰ھ میں جب انہوں نے وفات پائی تو مدینہ میں خدمت قضا پہ مامور تھے۔

۱۰۔ اس کے راوی مصعب بن عبداللہ زبیری ہیں۔

۱۱۔ یہ محمد بن مبارک کی روایت سے ہے۔

۱۲۔ سلمان بن برد، غافقی نے ان بارہ نسخوں کو ملا کر ایک ضخیم کتاب تالیف کی ہے۔

۱۳۔ یحییٰ بن یحییٰ کا نسخہ،

۱۴۔ ابو حذافہ سہمی، محدثین ان کو قابل وثوق نہیں سمجھتے۔ امام صاحب کے شاگردوں میں سب سے اخیر بغداد میں ۲۵۹ھ میں وفات پائی۔

۱۵۔ ابو محمد سوید بن سعید ہروی، مسلم اور ابن ماجہ نے ان سے روایت کی ہے۔ اخیر عمر میں ان کے حفظ میں ضعف آگیا تھا۔ ۲۴۰ھ میں انتقال کیا۔

۱۶۔ حنفی مذہب کے نامور مصنف امام محمد بن حسن شیبانی، اس مؤطا کے راوی ہیں۔ اصل وطن شام تھا۔ واسط میں پیدا ہوئے اور کوفہ میں نشوونما پائی، امام مالک سے حدیث اور امام ابوحنیفہ سے فقہ حاصل کی۔ عربیت، نحو، فقہ، حساب کے ماہر تھے، ۱۸۹ھ میں رے

میں وفات پائی۔

امام محمد نے چونکہ اپنے طور سے مؤطا کو ترتیب دیا ہے، اور ہر حدیث کے ختم پر حنفی مسائل کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ اور امام صاحب کے سوا امام ابوحنیفہ کی حدیثیں بھی اسی میں نقل کی ہیں، اس لیے یہ موطا بجائے مؤطائے امام مالک کے موطائے امام محمد کہلاتی ہے۔

شروح و تعلیقات

کسی تصنیف کے قبول و ہر دلعزیزی کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو شارحین، معلقین و محشین کی ایک بہت بڑی جماعت ہاتھ آئے اور کمیت بھی کوئی اس قدر بڑی چیز نہیں جس قدر کیفیت ہے یعنی یہ کہ فضل و کمال میں ان کا کیا پایہ تھا۔ مؤطا ان دونوں خصوصیات کے لحاظ سے خوش قسمت ہے تقریباً پچیس علمائے کبار نے اس کی شرح و تعلیق اور دیگر خدمات انجام دیئے ہیں، یہ تو کمیت کا حال ہے، کیفیت کے لحاظ سے دیکھیے تو ان میں قدما سے ابن حبیب مالکی المتوفی ۲۳۹ھ امام ابوسلیمان البستی الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ ابن رشیق قیروانی المتوفی ۴۵۶ھ احمد بن عبدالبر المتوفی ۴۶۳ھ امام باجی اندلسی المتوفی ۴۷۴ھ قاضی عیاض المتوفی ۵۴۴ھ قاضی ابوبکر بن العربی المتوفی ۵۴۶ھ، اور متاخرین میں حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ علامہ زرقانی مصری المتوفی ۱۱۲۲ھ شاہ ولی اللہ الدہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ وغیرہ داخل ہیں۔

امام خطابی، حافظ سیوطی، ابن عبدالبر، ابن حزم، ابوالولید باجی نے مؤطا کی بحذف فتاوے صرف احادیث کی تلخیص کی ہے۔ حافظ سیوطی نے رجال مؤطا کو علیحدہ کیا ہے۔ احمد بن عمران اخنش بصری اور قاضی عیاض نے مؤطا کے لغات حل کیے ہیں۔ باجی اور دارقطنی نے مؤطا کی صرف متصل الاسناد حدیثیں جمع کی ہیں، ابن بشکوال اور خطیب بغدادی نے صرف ان لوگوں کے حالات لکھے ہیں، جنہوں نے امام سے مؤطا کی روایت کی ہے۔

آئندہ صفحہ پر ان لوگوں کی فہرست نقل کرتا ہوں، جنہوں نے موطا کے متعلق کوئی خدمت انجام دی ہے۔

مؤطا کی شروح، تجریدیں، اسناد، رجال وغیرہ

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح	ابو مروان بن عبد الملک بن حبیب مالکی المتوفی ۲۳۹ھ	مؤطا کی سب سے قدیم شرح ہے
التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	حافظ بن عبد البر قرطبی المتوفی ۴۶۳ھ	مؤطا کے معانی کی تشریح اور اس کے اسانید کی تحقیق اور اس ضمن میں فقہ و حدیث کے بیشمار معلومات ہیں، اس کی ترتیب رواۃ کے نام پر ہے، بترتیب ہجا خود مصنف نے اپنی کتاب کا اختصار کیا ہے۔
الاستذکار		
المنتقی، الامیار الاستیفار	ابو الولید سلیمان الباجی المتوفی ۴۷۴ھ	یہ تین شرحیں ہیں جو ایک ہی شارح کے قلم سے ہیں۔
	ابن رشیق قیروانی المتوفی ۴۵۶ھ	ابن عبد البر کی تمہید کا اختصار
الانتفاء	شیخ زین الدین عمر جلی	〃 〃 〃
شرح مؤطا	ابن ابی صفرہ	شرح
〃	القاضی ابو عبد اللہ	〃

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح مؤطا	ابوالولید بن العود	شرح
	ابوالقاسم بن الجد الکاتب	
	ابوالحسن الاشبیلی	
	ابوعمر العلیطی	
القبس	قاضی ابوبکر بن العربی المعافری	
	المتوفی سنہ ۵۴۳ھ	
المقتبس	ابومحمد عبداللہ بن محمد بطلیوسی	
	المتوفی سنہ ۵۲۱ھ	
الموعب	ابوالولید بن صفار	
المستقصیٰ	یحییٰ بن مزین	
القرب	محمد بن زمنین	
المسالک	ابوبکر بن سابق الصقلی	
شرح مؤطا	قاضی محمد بن سلیمان بن خلیفہ	
کشف المغطا عن المؤطا	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی	
	المتوفی سنہ ۹۱۱ھ	
تنویر الحوالک علی مؤطا مالک	〃	
تجرید حدیث مؤطا	حافظ جلال الدین سیوطی شافعی	مؤطا کی صرف حدیثیں جمع کی ہیں
	المتوفی سنہ ۹۱۱ھ	
شرح زرقانی	محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی	یہ شرح تین جلدوں میں ہے
	المتوفی سنہ ۱۱۲۲ھ	

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شرح موطا	بیری زادہ حنفی مفتی مکہ	شرح (مقدمہ موطا امام محمد از مولینا عبدالحی)
شرح موطا	شیخ علی قاری حنفی	" " "
المصفیٰ	شاہ ولی اللہ دہلوی المتوفی سنہ ۱۱۷۶ھ	تعلیق بر موطا عربی زبان میں ہے اختلافِ فقہا کی تفصیل ہے۔
المسوّیٰ	" " "	فارسی میں موطا کی مجتہدانہ شرح ہے۔
المجلیٰ[1]	شیخ الاسلام حنفی دہلوی الموجود سنہ ۱۲۵۲ھ	نہایت محققانہ شرح ہے رخاص مصنف کا نسخہ بانکی پور لائبریری میں موجود ہے، پہلے صفحہ پر الفضل الکبیر" مادہ تاریخ ہے۔

تجرید و اسناد

مسند احادیث الموطا	ابوالقاسم عبدالرحمٰن الغافقی المصری المتوفی سنہ ۳۸۱ھ	موطا کی احادیث مسند و متصل انتخاب و ترتیب و بیان
ملخص موطا	امام ابوسلیمان الخطابی البستی المتوفی سنہ ۳۸۸ھ	" "
التقطا بحدیث الموطا	ابن عبدالبر القرطبی المتوفی سنہ ۴۶۳	" "

[1] اس فہرست میں جہاں حوالہ نہ ہو اس کے لیے کشف الظنون لفظ موطا دیکھنا چاہیے اور ترتیب الممالک صفحہ ۵۸ نقلاً عن المدارک للقاضی عیاض

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
المخلص	ابوالحسن علی بن محمد قابسی المتوفی سنہ ۴۰۳ھ	مؤطا کی احادیث مسند و متصل کا انتخاب و ترتیب و بیان
مسند المؤطا	قاسم بن اصبغ	
	ابوالقاسم الجواہری	
	ابوذر الہروی	
	ابوالحسن علی بن حبیب السلجماسی	
	المطرز	
	احمد بن قہرار	
	الفارسی	
	القاضی ابن المعرج	
	ابن الاعرابی	
	ابوبکر احمد بن سعید بن موضح الاخمیمی	
	ابوعمر الطلیطلی	مؤطا بروایت قعنبی کے احادیث و ترتیب و بیان
	ابراہیم بن نصر المسرقطی	〃 〃

۱۳۔ اختلاف المؤطآت

اختلاف المؤطآت	حافظ ابوالحسن الدارقطنی	مؤطا کے مختلف روایات اور نسخوں کی تحقیق و بیان

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
اختلاف الموطآت	ابوالولید سلیمان الباجی	موطا کے مختلف روایات اور نسخوں کی تحقیق وبیان

۴۔ رجال الموطا

رجال الموطا	قاضی ابوعبداللہ محمد بن یحییٰ الحذاء	موطا کے رجال درواۃ کی تحقیق وحالات
	ابوعبداللہ بن المفرج	〃
	البرقی	〃
	ابوعمر الطلیطلی	〃
سعاف المبطا برجال الموطا	حافظ جلال الدین سیوطی	〃

۵۔ غریب الموطا

غریب الموطا	احمد بن عمران الاخنش	موطا کے لغات کی تحقیق
〃	ابوالقاسم العثمانی المصری	〃
〃	البرقی	〃
مشارق الانوار	قاضی عیاض	بخاری مسلم اور موطا کے لغات کی تحقیق

۶۔ رواۃ الموطا عن مالک

تسمیہ من روی الموطا عن مالک	ابوالقاسم بن بشکوال اندلسی	امام مالک سے جن لوگوں نے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		مؤطا کی روایت کی ہے، ان کے حالات
رواۃ مالک	محدث خطیب بغدادی	"
	قاضی عیاض	"
ایجاب السالک برواۃ المؤطا عن مالک	حافظ شمس الدین دمشقی	"

۷۔ متفرقات

التقصی	ابن عبد البر اندلسی	مؤطا کے منقطع، مرسل، منفصل بلاغات کا وصل و رفع و اسناد
اطراف المؤطا	ابوبکر بن ثابت الخطیب	
توجیہ المؤطا	ابوعبداللہ بن عیشون الطلیطلی	
السافر عن آثار المؤطا	عازم بن محمد بن حازم	مؤطا کے آثار کی تحقیق و بحث ۴۰ جزء میں
تاج الحلیہ	ابومحمد بن یربوع	مؤطا کے اسانید پر تحقیق و بحث
جمع المؤطا	ابن جوصا	شاید مؤطا کے مختلف نسخوں کا
مشائخ مالک	امام مسلم	مجموعہ امام مالک کے اساتذہ، حدیث کے حالات

لہ یہ تمام فہرست کشف الظنون لفظ موطا اور مدارک قاضی عیاض سے بواسطہ تزیین الممالک سیوطی صفحہ ۵۴، ۵۸ سے ماخوذ ہے۔

مؤطا کا ایک اور امتیاز

گو سلاطین اور خلفائے اسلام میں ہزاروں اشخاص ایسے گذارے ہیں۔ جو صاحب سیف وقلم تھے تخت و منبر دونوں ان کے نام سے عزت پاتے تھے۔ لیکن کسی کے متعلق یہ بیان نہیں ہے۔ کہ اس نے طلب علم و اخذ سند کے لیے کوئی سفر اختیار کیا ہو۔ کہ خود ان کا قصر اساتذہ کا مرکز اور علمائے عہد کا مرجع ہوتا تھا۔ لیکن تنہا مؤطا وہ کتاب مقدس ہے۔ جس کے لیے مہدی۔ ہادی۔ رشید مامون اور امین مشاہیر خلفائے اسلام نے عراق سے حجاز تک بادیہ پیمائی کی اور آخر میں چھٹی صدی میں بزرگترین سلاطین اسلام صلاح الدین ایوبی فاتح بیت المقدس نے قاہرہ سے اسکندریہ تک صرف اسی کی خاطر سفر گوارا کیا۔

امام شافعیؒ

ولادت سنہ ۱۵۰ھ

وفات سنہ ۲۰۴ھ

خصوصیات

- سلسلۂ نسب ذات رسالت پناہی سے ملتا ہے، ہاشمی اور مطلبی تھے۔
- فن حدیث میں یکتا تھے، فقہ میں یگانہ ان کی "کتاب الام" معنی و معنیٰ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔
- حق کے راستہ میں تکلیفیں اٹھائیں، مصیبتیں جھیلیں، دکھ سہے، لیکن پیشانی پر شکن نہیں آئی۔
- بہت بڑے مناظر بھی تھے، احقاق کے لیے دیار و امصار کے چکر کاٹے بڑے بڑے لوگوں سے مناظرے کیے۔
- ان کا مذہب کچھ عرصہ تک مصر کا سرکاری مذہب رہا، اب بھی بہت زیادہ شافعی مصر ہی میں ہیں۔

ولادت، عہدِ طفولیت، تربیت

نام محمد، کنیت ابوعبداللہ، لقب ناصر الحدیث، شافعی ان کے جدِ اعلیٰ شافع کی جانب نسبت ہے۔

سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب بن عبد مناف القریشی الہاشمی، المطلبی، ساتویں پشت پر جاکر سلسلۂ نسب حضور علیہ السلام سے مل جاتا ہے، نسبی اعتبار سے اس سے زیادہ شرافت کیا ہوسکتی ہے، علامہ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی والدہ کو ہاشمیہ کہا ہے۔

لیکن یہ صحیح ہے، کہ آپ کی والدہ قبیلہ ازد سے تھیں جو یمن کا ایک ممتاز و مشہور قبیلہ ہے ددھیال کی طرف سے آپ کا نسب ممتاز ترین ہے، یعنی آپ قریشی ہاشمی مطلبی ہیں۔

آپ کے والد ادریس بن عباس مدینہ منورہ کے قریب ایک قصبہ "تبالہ" کے رہنے والے تھے، پھر مدینہ منورہ چلے آئے، معاشی کشمکش کی وجہ سے شام پہنچے اور عسقلان میں سکونت پذیر ہوئے، حضرت امام کے جد امجد شافع اور ان کے والد صحابی تھے۔

السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم	سائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب
بن مطلب بن مناف المطلبی جد الامام	بن عبد مناف مطلبی امام شافعی رضی اللہ عنہ
الشافعی رضی اللہ عنہ ذکر الخطیب فی	کے دادا ہیں خطیب نے بغیر سند کے امام
ترجمہ الشافعی بغیر اسناد ان السائب	شافعی کے تذکرہ میں بیان کیا ہے، کہ بدر کے
اسلم یوم بدر وکان صاحب رایۃ بنی	معرکہ کے سلسلہ میں سائب ایمان لائے
ہاشم معی المشرکین فاسر فدا نفسہ واسلم	یہ مشرکین کے ساتھ بنی ہاشم کے علمبردار

قال البیہقی فالسائب بن عبید صحابی وابنہ شافع صحابی واخوہ عبداللہ بن سائب صحابی۔[1]

تھے، یہ گرفتار ہوئے انہوں نے اپنا زر فدیہ ادا کیا۔ پھر اسلام لائے۔ بیہقی نے فرمایا ہے، کہ سائب بن عبید صحابی ہیں۔ اور ان کے بیٹے شافع صحابی ہیں اور ان کے بھائی عبداللہ بن السائب صحابی ہیں۔

ولادت آپ بمقام عزہ رجب ۱۵ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا انتقال آپ کے پیدا ہونے سے کچھ دن قبل ہو چکا تھا، آپ فرماتے ہیں۔

وُلِدتُ لِعَزَّۃَ وَحَمَلَتنِی اُمّی اِلیٰ عَسقَلَانَ میں عزہ میں پیدا ہوا پھر میری والدہ مجھ کو عسقلان لے گئیں۔

طفولیت باپ کا سایہ ولادت سے پہلے ہی اُٹھ چکا تھا۔ اس لیے آپ کی والدہ نے مدت رضاعت ختم کر کے دو سال کے بعد اپنے قبیلہ ازد نواح یمن کا سفر کیا اور آپ نے اپنے ماموں کے پاس کامل آٹھ سال گذارے وہیں آپ نے سات برس کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور دس سال کی عمر میں مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ کو حفظ کیا۔

ایک خواب اور اس کی تعبیر آپ فرماتے ہیں، میں نے خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا اے لڑکے تو کس خاندان سے ہے، میں نے عرض کیا حضور کے خاندان سے فرمایا، میرے قریب آ، جب میں آپ کے قریب پہنچا، آپ نے اپنا لعاب دہن میری زبان پر ہونٹوں پر اور منہ میں ڈال دیا پھر فرمایا جا خدا تجھ پر برکت نازل فرمائے، آپ فرماتے ہیں میں نے اسی عمر میں پھر حضور علیہ السلام کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھاتے دیکھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کو تعلیم دیتے رہے، پھر میں بھی آپ کے قریب پہنچا اور آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی

---

[1] اصابہ فی معرفۃ الصحابہ ۳ قرآلی التاسیس لابن حجر۔

کچھ سکھایئے، آپ نے اپنی آستین سے میزان (ترازو) نکال کر عطا فرمائی اور فرمایا تیرے لئے میرا یہ عطیہ ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ میں نے ایک معبر سے اس کی تعبیر دریافت کی، اس نے کہا کہ تم دنیا میں حضور علیہ السلام کی سنت مطہرہ کی نشر و اشاعت میں امام بنو گے۔[1]

تعلیم و تربیت

جب آپ نے زندگی کی دس بہاریں دیکھ لیں تو والدہ نے مکہ مکرمہ آپ کے چچا کے پاس بھیج دیا تاکہ شہر میں رہ کر علم الانساب حاصل کریں۔ اس لیے عرب میں نسب کا محفوظ رکھنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ آپ کے چچا کی مالی حالت کمزور تھی بدیں وجہ آپ کو علم حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آتی رہیں۔ آپ ایک ماہر انساب کے پاس گئے۔ اس نے آپ کو مشورہ دیا کہ پہلے کوئی ذریعہ معاش پیدا کرو پھر علم سیکھنا۔ آپ فرماتے ہیں۔ میرا تو یہ حال تھا کہ تعلیم کی جانب دل مائل تھا۔ جب کسی عالم سے کوئی حدیث یا مسئلہ سنتا فوراً یاد کر لیتا اور ہڈیوں پر لکھ لیا کرتا اور ان ہڈیوں کو مٹکے میں بڑی احتیاط سے محفوظ کر دیتا۔ بالآخر آپ کو معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں مسلم بن خالد زنجی فقہ و حدیث کے امام اور مفتی مکہ ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے محمد بن شہاب زہری، عمرو بن دینار اور ابن جریج مفتی مکہ سے استفادہ کیا ہے۔ آپ ان کے پاس پہنچے۔ مسلم بن خالد زنجی بڑے جوہر شناس تھے، امام صاحب کی ذہانت، ذکاوت اور قوت حفظ کی وجہ سے بے حد مانوس ہو گئے۔ کامل تین برس تک ان سے فقہ و حدیث کی تکمیل کی انہیں کی مجلس میں اکثر و بیشتر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اس لئے آپ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا شوق پیدا ہوا اپنے استاد مسلم بن خالد سے مدینہ منورہ جانے کا خیال ظاہر کیا۔ انہوں نے فوراً ایک سفارشی خط امام مالک علیہ الرحمۃ کے نام لکھ دیا کہ جس نوخیز کو میں خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں۔ وہ آپ کی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کا واقعی مستحق ہے۔ اور اس میں غیر معمولی صلاحیتیں موجود ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے

---

[1] اکمال

پاس زادِراہ نہ تھا، نہ چچا کے پاس اس قدر سرمایہ تھا کہ وہ کچھ امداد کرتے، اس لیے آپ نے مصعب ابن الزبیر سے اپنی ضرورت کو بیان کیا، انہوں نے کسی شخص سے سفارش کر دی اور اس نے بطور امداد سو دینار پیش کر دیئے، دینار ملتے ہی آپ نے انتظام کیا اور مدینہ منورہ چند روز میں پہنچ گئے، وہاں پہنچتے ہی پہلے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوئے، دستک دی، اندر سے خادمہ آئی، نام پوچھ کر گئی، پھر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور بڑے اخلاق سے گفتگو فرمائی، آپ نے مسلم بن خالد زنجی کا خط پیش کیا، امام مالکؒ نے خط پڑھ کر پھینک دیا اور فرمایا سبحان اللہ کیا حضور علیہ السلام کا علم اب اس قابل رہ گیا ہے، کہ وہ وسائل اور رسائل کے ذرائع سے حاصل کیا جائے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا غصہ دیکھ کر امام شافعی، رحمۃ اللہ علیہ نے معذرت پیش کی اپنی بے نوائی اور ذوقِ علمی کو پیش کیا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یہ تقریر سن کر متاثر ہوئے اور سر سے پیر تک آپ پر نظر ڈال کر پوچھا ما اسمک تمہارا نام کیا ہے، آپ نے کہا محمد ابن ادریس، فرمایا۔

اتق اللہ فیکون لک شان

یعنی خدا سے ڈرتے رہنا، عنقریب تمہاری شان بڑی نمایاں ہو گی۔

تعلیم، شیوخ اور اساتذہ جامع علوم وفنون

مختلف شیوخ کے درس کا مختلف طریقہ یہ تھا۔ اکثر شیوخ کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ خود کسی اونچی جگہ بیٹھ جاتے یا کھڑے ہو جاتے، طلبہ سامنے صف بستہ بیٹھتے، استاد پڑھاتا جاتا یا روایت بیان کرتا۔ شاگرد اس کو لکھ لیتے تھے، لیکن مدینہ منورہ کے اکثر شیوخ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ اپنی احادیث، فتاویٰ و تعلیقات کو خود ہی لکھ لیتے تھے، اور کسی ذہین سمجھدار طالب علم کو دے دیتے تھے اور جب درس شروع ہوتا تو وہ شاگرد اس کو پڑھتا جاتا اور شیخ اس کی وضاحت کرتا رہتا، یہی طریقہ امام مالک کے درس میں تھا۔ ابن حبیب معن بن عیسیٰ، یحییٰ اکثر پڑھنے والے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح بخاری میں یحییٰ حدثنا و اخبرنا کے بجائے یہ کہتے ہیں۔ قرأت علی مالک یعنی میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پڑھا۔

امام صاحب کی مجلس درس بڑی باوقار ہوتی تھی۔ تمام طلبہ مؤدب بیٹھتے، مجمر (عود دان) میں بخور سلگتا رہتا۔ استاد و طلبا صاف ستھرے کپڑے پہن کر بیٹھتے تمام مجلس پر سکوت طاری رہتا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بکمال شفقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قرأت کی اجازت عطا فرمائی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کتاب کا ورق بھی بہت آہستہ سے الٹتے تھے، کاشانۂ امامت پر بارگاہ شاہی کا دھوکا ہوتا تھا۔

طلبا کا ہجوم، فتویٰ لینے والوں کی بھیڑ۔ امراء کی حاضری، علماء کا حاضر ہو کر فیضانِ نبوی حاصل کرنا، یہ سب باتیں دیکھنے والے پر رُعب طاری کر دیتی تھیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے ایسے جلیل القدر محدث و امام کی خدمت میں تقریباً تین سال صرف کیے حدیث آثار صحابہ، تابعین کے فتاویٰ اور امام مالک رحمۃ اللہ کی فقہ کو

اچھی طرح پڑھا، سمجھا اور یاد کیا۔

چند اور شیوخ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مدینہ منورہ میں حضرت ابراہیم بن سعد انصاری، عبدالعزیز بن محمد دراوردی، محمد بن اسمٰعیل فدیک، عبداللہ بن نافع الصائغ سے بھی بکثرت روائتیں اور آثار صحابہ اور ان کے فتاویٰ کو پڑھا، روایت حدیث کی جرح وتعدیل کے اصول وقواعد کی سمجھ کو محفوظ کیا۔

یوں تو امام مالک رحمۃ اللہ کو تقریباً دس ہزار روائتیں محفوظ تھیں، لیکن اس تعداد میں صحابہ کے اقوال وفتاویٰ اور تابعین کے اقوال ونیز مرسل وموقوف ومسند روائتیں شامل تھیں[1]۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے امام مالک رحمۃ اللہ کے فیضان سے یہ سب کچھ حاصل کیا اور متذکرہ بالا علماء مدینہ سے مزید آثار صحابہ ومسند روایتوں کے ذخیرہ کو اور صحابہ وتابعین کے اختلاف اقوال وفتاویٰ کو اچھی طرح سمجھ لیا اور محفوظ کیا۔

امام شافعی کی نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی

امام محمد بن جریر طبری سے روایت ہے کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ مدینہ منورہ میں تکمیل علوم کر چکے تو واپسی سے پہلے ایک دن آپ امام مالک کے حلقہ درس میں شریک تھے وہاں ایک شخص آیا اور امام مالک رحمۃ اللہ سے عرض کیا میں قمریوں کا تاجر ہوں، میں نے ایک شخص کے ہاتھ قمری فروخت کی اور یہ بھی کہا کہ قمری خوب بولتی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد جس نے قمری کو خریدا تھا واپس آیا اور کہنے لگا کہ یہ قمری تو نہیں بولتی اس دوران میں میری اور اس کی بحث شروع ہو گئی۔ دوران بحث میں میری زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ میری قمری کبھی خاموش نہیں رہتی اگر رہے تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ اب فرمایئے میری بیوی کو طلاق تو نہیں ہوئی۔ امام مالک رحمۃ اللہ نے جواب دیا۔ تیری بیوی کو طلاق

---

[1] مروی امام مالک رحمۃ اللہ میں کل روائتیں ۱۷۲۰ ہیں۔ جن میں سے مسند مرفوع ۶۰۰، مرسل ۳۲۵ موقوف ۶۱۳۔ تابعین کے اقوال وفتاویٰ ۲۸۵ اور بلاغات امام مالک ۵ ہیں۔

ہوگئی ۔ وہ شخص رنجیدہ گھر واپس چلا گیا ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ خاموشی سے اس کے پیچھے ہو لئے تھوڑی دور پہنچ کر اس شخص کو آواز دے کر روکا ۔ اور پوچھا تیری قمری اکثر بولتی ہے یا اکثر چپ رہتی ہے ۔ اس نے کہا وہ اکثر بولتی ہے ۔ کبھی کبھی خاموش بھی رہتی ہے ۔ امام شافعی نے کہا مطمئن رہو تمہاری بیوی کو طلاق نہیں ہوئی ۔ یہ جواب دے کر پھر امام مالک کے حلقہ میں آکر شریک ہو گئے ۔ وہ سائل پھر واپس آیا اور امام مالک سے کہا ۔ جناب والا ۔ میرے معاملہ میں پھر غور فرمایئے ۔ امام مالک رحمۃ اللہ نے پھر وہی جواب دیا ۔ سائل نے کہا کہ آپ کے حلقہ میں یہ نوجوان شخص شریک ہے ۔ اس نے ابھی مجھے مطمئن کر دیا کہ طلاق نہیں ہوئی ۔ اس پر امام مالک رحمۃ اللہ کو اور بھی غصہ آیا اور فرمانے لگے کہ کثرت و قلت کی یہاں کیا بحث ہے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے جواب دیا کہ آپ ہی نے مجھ سے بواسطہ عبید اللہ بن زیاد روایت بیان فرمائی ہے ۔ کہ فاطمہ بنت قیس ، حضور انور علیہ السلام کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ معاویہ اور ابوجہم نے مجھے شادی کا پیغام بھیجا ہے ۔ اس لیے یہ عرض ہے کہ اب میں کس سے نکاح کروں ۔ آپ نے فرمایا معاویہ تو تنگدست ہے اور ابوجہم کبھی کاندھے سے لکڑی ہی نہیں اُتارتا ۔ حالانکہ حضور علیہ السلام خوب جانتے تھے کہ ابوجہم سوتا بھی ہے ۔ اور دوسری حاجتوں میں بھی مصروف رہتا ہے ۔ میں نے اندازہ کیا کہ حضور علیہ السلام کا منشائے مبارک یہ تھا کہ وہ اکثر کاندھے پر لکڑی رکھے رہتا ہے ۔ اس بناء پر میں نے اُس کو یہ فتویٰ دیا کہ قمری چونکہ اکثر بولتی رہتی ہے ۔ اس لیے طلاق نہیں ہوئی ۔

امام مالک رحمۃ اللہ نے سائل سے فرمایا ۔ ہاں بھائی جاؤ ۔ واقعی طلاق نہیں ہوئی ۔ شافعی کا استدلال معقول ہے ۔ امام شافعیؒ کی اس دقیقہ سنجی نے امام مالک سے یہ کہلوا دیا کہ اب تم میں فتویٰ دینے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ۔ امام مالک و دیگر محدثین و فقہائے مدینہ نے متفقہ طور پر آپ کو فتویٰ دینے کی اجازت عطا فرمائی ۔

مکہ مکرمہ اور دوسرے مقامات کا سفر

پھر آپ مکہ مکرمہ واپس آئے۔ مکہ میں چند دن ٹھہر کر اپنی ننہال یعنی قبیلہ ازد پہنچے اور پھر یمن میں قیام فرمایا۔ قبیلہ ہزیل تمام قبائل عرب میں اپنی زبان کی شستگی اور فصاحت میں مشہور تھا۔ وہاں رہ کر آپ نے مختلف علوم وفنون کی تکمیل فرمائی۔ تیراندازی، فن لغت، فن تاریخ، علم انساب، فن نحو، عروض اور علم فراست ان سب میں اس قدر کمال پیدا کیا۔ کہ نامور اہل عرب نے آپ کو ماہر فن اور امام وقت تسلیم کر لیا۔

فن ادب ولغت میں مہارت تامہ

تیراندازی، عربی سپاہیانہ زندگی کا خاص جوہر تھا۔ اور اس دور کے نقطۂ نظر سے مذہبی عالم کو غازی بننا ضروری تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ اس فن میں ماہر تھے۔ آپ کو اپنی مہارت پر فخر تھا[1] فن لغت میں بیس سال کی عمر تک آپ کوشش کرتے رہے۔ آپ نے ہزیل کے دس ہزار اشعار مع غرائب لغت کے حفظ کر لیے تھے۔

مبرد جو ادب ولغت کے امام ہیں، کہتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا قول لغت میں حجت ودلیل ہے۔ جاحظ جو ادب کے ممتاز ترین فرد ہیں کہتے ہیں کہ امام شافعی کی تحریر سے بہتر میں نے کسی کی تحریر نہیں دیکھی۔ وہ عبارت کیا لکھتے ہیں۔ موتی پروتے ہیں۔ ابوالعباس ثعلب فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعی لغت کا خزانہ ہیں۔ اور وہ اس قابل ہیں کہ ان سے لغات کے معانی ومقاصد حاصل کیے جائیں۔ امام ابومنصور ازہر جو لغت کے امام ہیں۔ اور جن کی عربیت کے کمال پر اجماع ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کو اس علم میں کمال کا تبحر حاصل ہے انہوں نے امام شافعی کے محض محاورات کی شرح لکھی ہے اور دیباچہ کتاب میں اعتراف کیا ہے۔ کہ ان کے مثل ادب ولغت اور جاہلیت کے استعاروں کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ امام ابوسلیمان خطابی جو علم لغت کے ایک رکن تسلیم کیے گئے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ

---

[1] مناقب الشافعی (رازی)

علیہ کے شاگرد رشید ہیں، وہ فرماتے ہیں۔ کہ امام صاحب کی زبان شیریں اور تحریر دل آویز ہے۔ اور محاورات بے مثال ایسے استعمال کرتے ہیں۔ جن کو ہر شخص استعمال نہیں کر سکتا۔

علامہ زمخشری صاحب کشاف جن پر عربی علم و ادب کو ناز ہے لکھتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ ممتاز علماء میں سے ہیں۔ شریعت کے امام اور مجتہدین کے سرتاج ہیں۔ ان کا کلام اس کا مستحق ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔ وہ صحت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس میں کبھی کسی غلطی کا امکان ہی نہیں ہو سکتا۔ وہ کلام عرب کے ماہر اور بڑی وسیع معلومات کے حامل ہیں، اتنی اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں۔ جن پر ایسے لغت کی تشریح مخفی نہیں رہ سکتی۔

امام رازی رحمت اللہ فرماتے ہیں کہ ماہرین لغت متفق ہیں کہ امام شافعی اس فن میں بھی سرتاج ائمہ لغت ہیں۔ اور یہ اس طرح تواتر سے ثابت ہے۔ جس طرح حاتم کی سخاوت اور حضرت علی کی شجاعت مسلمہ ہے۔ اسی طرح امام شافعی علم و ادب۔ لغت اور نحو میں ممتاز ترین فرد ہیں۔

فن تاریخ علم ادب خود ہی عرب کی ایک مفصل تاریخ ہے۔ جو شخص ایام العرب یعنی اشعار جاہلیت کے اتار چڑھاؤ سے باخبر ہو وہ مستقل مؤرخ ہے۔ امام شافعی تاریخ مرأت الجنان میں فرماتے ہیں "وکان الامام الشافعی اعرف بالتواریخ یعنی امام شافعی فن تاریخ کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ امام شافعی و امام محمد بن الحسن کے مناظرات کا تذکرہ ہارون رشید تک پہنچا۔ رشید نے آپ کو بلایا اور آپ سے قرآن۔ حدیث۔ لغت، شعر و ادب اور طب کے متعلق سوالات کیے۔ آپ نے ہر بات کا مکمل جواب دیا۔ جب رشید نے عربی ادب و لغت کے متعلق دریافت۔ تو آپ نے یہ جامع جواب دیا میدانا وطباعنا والشتا عرب ہی کی خاک سے ہم پیدا ہوئے۔ اور یہی زبان ہماری رگ و پے میں سرائت کیے ہوئے۔ اور یہی ہمارے باپ دادا کی زبان ہے۔

علم ہیئت و نجوم

آپ نے منازل شمس و قمر، رجوع، استقامت، سعد و نحس تاثیرات کواکب و رفتار سیارات، اسباب تغیر تبدل موسم کو ماہرین علم ہیئت و نجوم سے اچھی طرح سیکھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے توالی التاسیس بمناقب محمد بن ادریس میں چند روائتیں نقل کی ہیں، ازاں جملہ یہ واقعہ ہے۔ کہ امام شافعی نے ایک دوست کا زائچہ دیکھ کر کہا کہ ستائیس دن میں تمہارے یہاں بچہ پیدا ہوگا۔ اور اس کی بائیں ران میں سیاہ تل ہوگا۔ چوبیس روز زندہ رہے گا۔ پھر دفعتہ مرجائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس کے بعد ساری کتابیں اس علم کی جلادالیں پھر کبھی نجوم کے متعلق کسی سوال کا جواب نہ دیا۔

علم طب

آپ بہترین طبیب تھے۔ جالینوس۔ ارسطو۔ بقراط و دیگر حکمائے یونان وروم کی کتابوں پر آپ کی وسیع نظر تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ انسان دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسم و روح۔ پس علم بھی دو ہیں۔ ایک علم طب دوسرا علم دین۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے علم طب کو ضائع کر دیا اور نصف علم کا وارث یہود و نصاریٰ کو بنا دیا۔ فرماتے تھے۔ افسوس مسلمانوں نے علم طب کی تلاش و جستجو، اس کی تحقیقات اور اس کے اکتشافات سے اعراض کر لیا۔ اپنے زمانہ کے اطباء میں امام شافعی فن طب میں ممتاز مانے جاتے تھے۔

علم فراست

فراست کے لفظی معنی تاڑ جانے کے ہیں۔ تاڑ لینے کی قوت ہر شخص میں نمایاں نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ملکہ سے حاصل ہوتی ہے جو تجربہ کی کثرت۔ عمل کی مہارت اور کمال کے بعد انسان کو حاصل ہوتی ہے، اخیار اور صلحائے امت کو اپنے طبقہ کے نیکوکاروں کو پہچان لینے اور جان لینے کی طاقت ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے "اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ"۔ مومن کے تاڑ لینے سے ڈرو۔ چونکہ وہ خدا کی روشنی سے دیکھتا ہے۔

امام شافعیؒ کی فراست کے متعدد واقعات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے توالی التاسیس اور امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے مناقب امام شافعی میں بیان فرمائے ہیں۔ ازاں جملہ یہ ہیں۔

(۱)

امام بخاری رحمت اللہ علیہ کے اُستاد امام حمیدی فرماتے ہیں۔ میں اور امام شافعی مکہ سے باہر چلے۔ ابطح میں ہم کو ایک شخص ملا میں نے امام شافعی سے کہا فراست سے بتایئے کہ اس شخص کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ فرمایا یہ شخص بڑھئی یا درزی معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اس شخص سے جاکر پوچھا کہ تم کیا کرتے ہو۔ اُس نے کہا پہلے بڑھئی کا کام کرتا تھا لیکن آج کل درزی کا کام کر رہا ہوں۔

۲

آپ خود فرماتے ہیں کہ میں یمن سے جب علم فراست کی تکمیل کرکے واپس ہو رہا تھا۔ مجھے ایک قصبہ میں رات ہوگئی۔ میں متفکر تھا کہ کہاں ٹھہروں مجھے اُبھری پیشانی اور نیلی آنکھوں والا ایک شخص ملا جو اپنے گھر کے سامنے ٹہل رہا تھا۔ تجربہ کے لحاظ سے ایسے شخص کو دنی الطبع و خفیف الحرکات ہونا چاہیئے تھا۔ تاہم میں نے اُس سے رات کے ٹھہرنے کے متعلق کہا۔ اُس نے بڑے اخلاق سے گفتگو کی اور ایک اچھے مکان میں مجھے ٹھہرایا۔ کمرے میں خوشبو سلگائی اور میرے لئے پرتکلف کھانے کا انتظام کیا۔ سونے کے لیے لحاف و بستر بھی عمدہ موجود تھا۔ میرے گھوڑے کے لیے گھاس اور دانے کا انتظام کیا۔ میں اس کی مہمان نوازی اور شریفانہ اخلاق سے بے حد متاثر ہوا اور سوچنے لگا کہ فراست کے اعتبار سے یہ شخص بالکل برعکس ہے۔ یا تو یہ علم ہی غلط ہے اور یا یہ شخص مستقبل قریب میں کوئی حرکت ضرور کرے گا۔ صبح کو جب میں نے روانگی کا ارادہ کیا اور اپنے خادم سے کہا کہ سواری تیار کرو۔ سواری تیار ہوگئی تو میں اس شخص کا

بے حد شکر گذار ہوا اور میں نے کہا کہ اگر آپ کبھی مکہ مکرمہ تشریف لائیں تو ذی طویٰ میں محمد بن ادریس کا مکان دریافت کر لیجئے گا۔ اور وہیں تشریف لاکر قیام فرمایئے گا۔ اس نے جواب دیا یوں تو اخلاقاً میں آپ کا نیاز مند ہوں۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ کیا آپ کی کوئی امانت تو میرے پاس نہ تھی یا آپ نے کبھی مجھ پر احسان تو نہیں فرمایا تھا۔ میں نے کہا نہ میں نے آپ پر احسان کیا نہ میری کوئی امانت آپ کے پاس تھی۔ اس نے کہا حضرت یہ تو فرمایئے کہ میں نے رات کو جو راحت و آرام پہنچایا آپ کے خادم کا خیال کیا۔ سواری کے گھاس دانے کا انتظام کیا، آخر اس کا معاوضہ کہاں ہے۔ میں نے اس معاوضہ کی تفصیل دریافت کی اس نے ہر ہر چیز کے معاوضہ کو بتایا۔ میں نے خادم سے اس کی بتائی رقم دلوادی پھر میں نے پوچھا، اب تو کچھ باقی نہیں ہے۔ اُس نے کہا صرف مکان کا کرایہ باقی ہے میں نے وہ بھی دلوا دیا۔ اور مطمئن ہوا کہ واقعی علم فراست علم ہے۔

(۳)

امام حاکم نے محمد بن منذر بن سعید سے روایت کیا ہے۔ کہ میں نے ربیع سے سُنا وہ کہتے تھے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ ایک شخص میرے پاس آیا میں نے کہا کیا تم صنعا کے رہنے والے ہو۔ اس نے کہا ہاں پھر میں نے کہا لوہاری کا کام کرتے ہو۔ اُس نے کہا ہاں — ربیع کہتے ہیں۔ مسجد جامع میں میرا بھائی امام شافعی رحمۃ اللہ کے سامنے سے گذرا، فرمایا۔ ربیع یہ تو تمہارا بھائی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں اس سے قبل آپ نے کبھی میرے بھائی کو نہیں دیکھا تھا۔

(۴)

امام بیہقی نے مزنی کے ذریعہ سے روایت کیا ہے۔ کہ میں مسجد جامع میں امام شافعی رحمۃ اللہ کے ساتھ تھا۔ اتفاقاً ایک آدمی آیا اور سوتے ہوئے آدمیوں میں سے کسی کو تلاش کر رہا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ربیع سے فرمایا۔ ربیع جاؤ تو سہی اور اس تلاش کرنے والے

سے کہو تمہارا حبشی غلام جس کی آنکھ میں نقص ہے۔ کیا گم ہوگیا ہے۔ ربیع نے اس شخص سے کہا، وہ ربیع کے ساتھ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میرا غلام بتایئے کہاں ہے۔ فرمایا وہ تو قید خانہ میں ملے گا۔ وہ قید خانہ پہنچا، وہاں واقعی وہ مل گیا۔ مزنی نے امام صاحب سے عرض کیا۔ آپ نے ہم کو حیرت میں ڈال دیا فرمایئے تو سہی یہ کیا ماجرا تھا۔ فرمایا۔ یہ ڈھونڈنے والا جب مسجد میں آیا تو میں سمجھ گیا کہ کسی بھاگے ہوئے کو ڈھونڈھ رہا ہے۔ پھر یہ اُس حصہ مسجد میں جہاں سیاہ فام سو رہے تھے داخل ہوا اور میں نے بغور دیکھا کہ یہ بائیں آنکھ والوں پر گہری نظر ڈال رہا ہے۔ اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ اس کا کوئی آنکھ کا عیب والا سیاہ فام غلام بھاگا ہے۔ میں نے ان باتوں کو سُن کر آپ سے پوچھا کہ یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ قید خانہ میں ہے فرمایا یہ میرا تجربہ ہے۔ کہ غلام جب بھوکا ہوتا ہے۔ تو چوری کرتا ہے۔ اور اگر پیٹ بھرا ہوتا ہے۔ تو زنا کرتا ہے۔ اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ ان دونوں باتوں میں سے ایک ضروری ہے۔ چنانچہ یہی واقعہ نکلا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ جامع العلوم تھے۔ مجتہد تھے، محدث و مفسر تھے ادیب اور ماہر لغت تھے۔ نحو و بلاغت کے امام تھے۔ اور یہ تمام صفات بحیثیت مجموعی کسی مجتہد میں نہ تھیں۔

امام شافعیؒ کی گرفتاری اور رہائی ہارون الرشید کی غلط فہمی

آپ کے ابتلا کے زمانہ کے لیے ایک مختصر سی روئداد قابل لحاظ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حسنین علیہما السلام کے بعد ہاشمیوں کے مقابلہ میں جب اُمیہ نے نمایاں کامیابی حاصل کر لی تو بنو ہاشم جن میں بنو عباس اور بعض بنو فاطمہ اور عام علویین داخل تھے، خلافت ہاشمیہ کے قیام کی مخفی کوششوں میں مشغول تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے بعد محمد بن حنیفہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوسری بیوی کے بطن سے تھے، امام نامزد کیے گئے۔ آپ کے بعد ابوہشام عبداللہ علوی ان کے بعد محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس اس لیے نامزد کیے گئے کہ علاقہ شام میں کوئی ہاشمی نہ تھا۔ اس لیے خلافت کا ادّعا خاندان علوی سے منتقل ہو کر خاندان عباس میں آگیا۔ محمد بن علی عباس کا انتقال ۱۲۴ھ میں ہوا۔ ان کی جگہ ان کے بیٹے ابراہیم بن محمد امام تسلیم کیے گئے۔ ابراہیم مروان اموی کے ہاتھ گرفتار ہو کر مارے گئے۔ شیعہ عباسیین نے اس غم میں سیاہ کپڑے پہنے۔ ابراہیم کے بعد ابوالعباس سفاح بنو ہاشم کے سرخیل ہوئے ۱۳۲ھ میں یہ کامیاب ہوئے اور اب خلافت بنو ہاشم سے نکل کر بنو عباس میں منتقل ہو گئی۔

سادات پر عباسیوں کے مظالم ایک طرف تو بنو اُمیہ کے استیصال میں ان کی قبروں کی ہڈیاں اکھاڑ رہے تھے۔ دوسری طرف تخصیص خلافت سے بنو فاطمہ اور علوی بھی ان سے ناراض ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان کو ان نئے ماجداروں سے جو توقع تھی وہ پوری نہ ہوئی۔ سفاح نے تو کوئی نمایاں اقدام نہیں کیا۔ لیکن منصور نے احتیاط یا سوءظنی کی

بناء پر فاطمی و علوی سادات کی بیخ کنی شروع کر دی۔ آخر تنگ آکر انہیں سادات میں سے ۱۳۵ھ میں محمد نفس ذکیہ نے مدینہ میں علم خود مختاری بلند کیا۔ اکثر لوگوں نے ان کا ساتھ دیا لیکن تقدیر ساتھ نہ تھی۔ بڑی بہادری سے میدانِ جنگ میں لڑ کر شہید ہو گئے۔ ان کے بھائی ابراہیم بھی ان کے بعد شہید ہو گئے ۱۵۸ھ میں منصور نے انتقال کیا اور مہدی اس کا جانشین ہوا۔ مہدی نے ۱۶۹ھ میں وفات پائی۔ اس کی جگہ موسیٰ ملقب بہ ہادی تخت نشین ہوا۔ ایک برس خلیفہ رہا۔ پھر ۱۷۰ھ میں ہارون الرشید خلیفہ ہوا اس زمانہ میں عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن علی نے ہارون کے مظالم سے تنگ آکر مقابلہ کی تیاریاں کیں، غرضکہ عباسیوں کا دور بھی سادات کے لیے موجب عتاب و تکلیف ہی رہا ہے۔

نجران کی گورنری

مکہ میں خلیفہ کا ایک والی آیا۔ اس سے عمائدین قریش نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق سفارش کی کہ یہ شخص بڑا قابل، عالم، مدبر، مفکر اور سیاست کے اصول کا ماہر ہے۔ اس لئے کوئی سرکاری خدمت اس کے سپرد کی جائے چنانچہ پہلے آپ ایک معمولی عہدے پر متعین کیے گئے ازاں بعد آپ کی خداداد قابلیت و حسن کارگذاری کا جب عام شہرہ ہوا تو حسن خدمات کے صلہ میں ترقی دے کر آپ کو نجران کا والی بنا دیا گیا۔ نجران میں بنو حارث بن عبد المدان اور موالی ثقیف وہاں کے والی کو رشوت دیا کرتے تھے اور وہاں کا والی ہمیشہ ان کا لحاظ کرتا رہتا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کو بھی یہ نذرانہ پیش کیا گیا۔ آپ نے انکار کر دیا اور مقدمات کے فیصلے بغیر کسی اثر کے آپ فرماتے رہے۔ آپ کا مقدمات میں یہ طریقہ بھی تھا کہ بطور پنچایت وہاں کے سات معتمد اشخاص کی ایک کمیٹی بنا دیتے اور ان کے معمولی نزاعات کا خاتمہ اس کمیٹی کے ذریعہ ہو جاتا۔

آزاد فیصلوں نے وہاں کے لوگوں میں گرانی پیدا کر دی اور وہ مکہ میں در پردہ

سازشیں کرنے لگے۔

گرفتاری اور رہائی

یمن میں امام شافعی رحمۃ اللہ کا بڑا اثر تھا۔ اور یمن کے آس پاس کے افراد آپ کی طلاقت لسان، حسن بیان قوتِ استدلال، خوش خلقی۔ عالی نسبی اور جامع العلوم ہونے سے بے حد متاثر تھے، آپ دوسرے عمال کو بھی ہمیشہ رشوت ظلم، جانبداری اور کسی اثر کی وجہ سے فیصلے کرنے سے روکتے رہتے تھے، درپردہ وہ ایسے بدنفس عمال بھی آپ کے خلاف سازشوں میں حصہ لیتے رہتے تھے، مطرب جو ایک عامل کی حیثیت رکھتا تھا، اس نے بصیغۂ راز ہارون الرشید کو ایک عریضہ لکھا کہ اگر آپ یمن کی خیر چاہتے ہیں تو محمد ابن ادریس شافعی کو نکالیے اور سزا دیجیے۔ اس شخص کا یہاں بڑا اثر ہے۔ اور ہر ملک میں سادات کا خاندان پھر خلافت کا خواب دیکھ رہا ہے اور شافعی چونکہ خود ہاشمی ہے، اس لیے قرینہ یہ ہے، کہ ان کی اعانت بھی درپردہ سادات کو حاصل ہے۔ یہ خط جب ہارون رشید کو پہنچا تو وہ آپے سے باہر ہوگیا۔ فوراً میر منشی کو بلوایا اور حماد بربری کے نام بصیغۂ راز فرمان لکھوایا کہ محمد ابن ادریس شافعی اور تمام سادات کو گرفتار کرکے فوراً دارالخلافہ بھیجو۔ چنانچہ حماد نے فرمان پہنچتے ہی تعمیل کی، تمام سادات کو مع حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ گرفتار کرکے رقہ ہارون رشید کے پاس بھیج دیا۔ رشید نے حکم دیا کہ دس دس سید روزانہ قتل کرتے رہو، چنانچہ رشید کے سامنے روزانہ دس شہید کیے جاتے۔ ایک دن آپ کی باری آئی۔ آپ نے ایسی موثر اور پُر درد تقریر فرمائی جس سے رشید کانپ اٹھا اور اس نے آپ کے قتل کے حکم کو منسوخ کرتے ہوئے آپ کو حراست میں رکھے جانے کا حکم صادر کیا۔ اسی اثنا امام شافعی کے ایک علمی مباحثہ کی تفصیل خلیفہ ہارون رشید کے گوش گذار ہوئی۔ بشر بن اعلین کا بیان ہے۔ کہ ہارون رشید تکیہ پر سر رکھے لیٹا ہوا تھا۔ جس وقت اس نے امام شافعی کے دلائل سنے تو اُٹھ کر بیٹھ گیا اور اس معتزب

شخص سے کہا اس کو پھر سناؤ، پھر سن کر کہنے لگا۔ واقعی محمد بن ادریس محمد بن حسن سے زیادہ عالم ہیں، ہرثمہ سے کہا پانچ سو دینار شافعی کو نذر کرو۔ اور ان کو حراست سے چھوڑ دو ہرثمہ بن اعین نے اپنی طرف سے پانچ سو دینار ملا کر ایک ہزار دینار امام شافعی کے نذر کیے اور پیام پہنچایا کہ خلیفہ آپ کی قوتِ استدلال و تبحّر سے بے حد خوش۔ اور آپ پر سے نگرانی اٹھا دی گئی۔

شانِ استغنا، جلال، علم، وقار و تمکین، عزیمت و استقامت

ہر اچھے کام کرنے اور برائی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے۔ کہ ضمیر کا احساس بیدار ہو اور دل میں خیر و شر کی تمیز کے لیے خلش ہو یہ تقویٰ ہے۔ پھر اس کام کو خدائے ذوالجلال والاکرام کی رضامندی کے سوا ہر غرض و غایت سے پاک رکھا جائے۔ یہ "اخلاص" ہے اور اس کے کرنے میں صرف خدا کی نصرت و حمایت پر بھروسہ رہے تو یہ "توکل" ہے۔ اس کام میں رکاوٹیں اور دقتیں پیش آئیں یا نتیجہ میں تاخیر ہو تو دل میں استقامت ہو اور خدا سے آس نہ ٹوٹنے پائے اور اس راہ میں اپنے بُرا چاہنے والوں کا بھی بُرا نہ چاہا جائے یہ "صبر" ہے۔ اور اگر کامیابی کی نعمت سے سرفرازی ہو تو اس پر مغرور ہونے کے بجائے اُس کو خدا کا فضل و کرم سمجھتے ہوئے اور جسم و جان و زبان سے اس کا اقرار کیا جائے اور اس قسم کے کاموں کے کرنے میں اور بھی زیادہ انہماک ہو یہ "شکر" ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں یہ تمام صفات ایمانی بدرجۂ اتم موجود تھیں۔

قناعت

آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سال سے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ میں نے طمع و لالچ کو کبھی پاس نہ آنے دیا۔ اس کی بدولت مجھے ہمیشہ آرام پہنچا۔ اور اسی وجہ سے ہمیشہ میری عزت ذلت سے محفوظ رہی۔ فرمایا کرتے تھے کہ حرص و طمع وہ برائی ہے۔ جس سے نفس کی دنائت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے۔ خصوصاً ایسی حرص جس میں بخل کی آمیزش بھی ہو۔ اسی کو عرب "شح" کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس کی بُرائی متعدد جگہ آئی ہے۔ فرماتے تھے خانگی زندگی کی ناگواری زیادہ تر اسی وجہ سے ہوتی ہے۔ گھر کا مالک

زیادہ نہیں چاہتا، اور گھر کے لوگ زیادہ مانگتے ہیں۔ شوہروں کو مال سے محبت ہوتی ہے اور بیویاں لالچ سے زیادہ مانگتی ہیں۔ اس سے خانگی معاملات میں کش مکش ہو جاتی ہے اور گھر روحانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن کی اس آیت کو اچھی طرح سمجھو جس میں مسلمانوں کا وصف یہ ہے۔ کہ دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ	اور اپنے اوپر (اوروں کو) مقدم رکھتے ہیں
بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ	اگرچہ خود ان کی ضرورت ہو اور جو اپنے
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (حشر)	جی کی لالچ سے بچایا گیا وہی کامیاب ہیں۔

ہارون رشید نے ایک مرتبہ بے حد اصرار کیا کہ آپ جس شہر کو پسند کریں میں وہاں کا قاضی مقرر کر دوں، جواب دیا مجھے تو اس عہدے سے معاف ہی رکھئے۔

سخاوت آپ نے فرمایا سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کسی حق کو یا کسی شے کو خوشی کے ساتھ بغیر کسی اکراہ کے دوسرے کو حوالہ کر دیا جائے اور اس کی یہ چند صورتیں ہیں۔

اپنا حق کسی کو معاف کر دینا، اپنی ضرورت کو روک کر کسی کی ضرورت پوری کرنا۔ دوسرے کے لیے اپنے دماغ کو خرچ کرنا، دوسرے کی اعانت کے لیے اپنی عزت کو خطرہ میں ڈال دینا یا اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا۔ دوسروں کو بچانے کے لئے خود کو پیش کر دینا۔ فرماتے ہیں، کسی شخص کو کبھی نکمی و ناکارہ چیز نہ دیا کرو۔ اس کے دینے سے نفس کی بلندی زائل ہو کر دنایت پیدا ہونے لگتی ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا	اے ایمان والو! اس میں سے جو تم نے کمایا ہے
مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ	اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لیے زمین
وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ	سے نکالا ہے۔ اچھی چیزیں خرچ کرو۔ اس

ولا تیمّموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ الا ان تغمضوا فیہ۔ بقرہ (۳۷)	میں سے بُری چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرو، حالانکہ تم اب اس کو لینے والے بھی نہیں ہو، مگر یہ کہ آنکھ اس کے لینے میں میچ لو (بند کرلو)

ابتدا میں آپ تنگدستی سے بسر کرتے تھے، مگر تعلیم حاصل کر لینے کے بعد خدائے کریم ورحیم نے ہر قسم کی نعمتوں سے آپ کو ممتاز فرما دیا تھا، اکثر خلیفۂ وقت، امرا و وزراء اور اہل دولت آپ کو نذر پیش کرتے رہتے تھے، اور ہر شخص اس نذر کے قبول کرنے میں اصرار کرتا رہتا تھا۔ ایک بار ہارون رشید نے آپ کو پچاس ہزار درہم نذر کیے ان میں سے آپ نے چالیس ہزار غربا، یتامیٰ، بیوگان اور نادار علما پر صرف کر دیئے۔ ابو حسان زیادی نے ایک مرتبہ چھ ہزار دینار، جعفر بن یحییٰ برمکی نے ایک ہزار دینار اور پھر ہارون رشید نے کئی ہزار دینار بھیجے، مگر آپ کا معمول یہ تھا کہ بسا اوقات صرف ایک چوتھائی اپنے لیئے رکھ کر باقی رات کی تاریکی میں غریب و معذور علما، رفقا و نادار طلبا، بیوگان و یتامیٰ کو تقسیم فرما دیتے اور پھر خدا سے دعا کرتے الٰہی! مجھے حرص دنیا سے ہمیشہ محفوظ رکھنا۔

امام مزنی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے بڑھ کر نہ کوئی کریم دیکھا نہ کوئی سخی دیکھا، ایک بار عید کی رات تھی میں ان کے ساتھ مسجد سے گھر کی طرف چلا راستہ میں ایک مسئلہ پر گفتگو جاری رہی، ان کے مکان پر ایک غلام کھڑا تھا اس نے سلام کیا اور عرض کیا کہ میرے آقا نے یہ روپیوں کی تھیلی بطور نذر پیش کی ہے اور سلام عرض کیا ہے فرمایا، میرا سلام کہہ دینا اور شکریہ ادا کر دینا، عین اس وقت ایک شخص آیا اور کہنے لگا ابو عبداللہ میرے یہاں ابھی بچہ پیدا ہوا ہے، اور گھر میں ایک پیسہ بھی نہیں ہے، آپ نے وہ تھیلی فوراً اس کو دے دی اور ہنستے ہوئے گھر میں چلے گئے۔

ایک مرتبہ عید کے دن گھر میں کھانے پینے کا مناسب سامان نہ تھا، آپ کی بیوی نے

کہا۔ آپ تو اپنی قوم کے ساتھ بڑی صلۂ رحمی کرتے رہتے ہیں آج عید ہے اور گھر میں سامان نہیں ہے۔ اس لیے کسی سے قرض ہی منگا لیجیے۔ آپ نے ایک شخص سے ستر دینار قرض منگائے۔ فقراء اور مساکین نے گھیر لیا۔ ۵۰ دینار ان کو تقسیم کر دیئے ۲۰ دینار لے کر گھر میں گئے۔ ابھی وہ دینار بیوی کو دینے بھی نہ پائے تھے۔ کہ ایک قریشی نے گھبرا کر پکارا۔ آپ فوراً آئے، پوچھا خیر تو ہے۔ اس نے رو کر اپنا حال سنایا۔ آپ نے وہ بیس دینار سامنے رکھ دیئے۔ کہ بھائی اس میں سے جس قدر چاہو لے لو۔ اُس نے سب اٹھا لیے اور بولا کہ ابھی تو مجھے اور ضرورت ہے۔ آپ بیوی کے پاس پہنچے اور سارا قصہ سنایا۔ بیوی نے کہا آپ یہی کرتے رہتے ہیں۔ رات ہوئی خاموشی سے سب سو گئے۔ صبح کو جعفر بن یحییٰ برمکی وزیر ہارون رشید کا ایک قاصد آیا اور آپ کو بُلا کر ساتھ لے گیا۔ جعفر نے آپ کی بے حد تعظیم کی اور آپ سے کہا کہ آج رات خواب میں ہاتف غیبی نے مجھے آپ کا واقعہ بتایا ہے اس لیے آپ بھی اب سنا دیجیے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنا واقعہ سنایا۔ جعفر نے ایک ہزار دینار نذر کیے اور اصرار کیا کہ اس کو قبول کر ہی لیجیے۔ چنانچہ آپ نے وہ دینار قبول فرما لیے[1]

تواضع

فرماتے تھے کہ تواضع کا حکم اس لیے دیا گیا ہے۔ تاکہ کوئی شخص اپنی قوت و دولت کا بیجا استعمال نہ کرنے پائے۔ جس سے غریبوں اور غیر متمتع لوگوں کا دل دُکھے۔ چونکہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ خدا نے مجھ پر وحی نازل فرمائی کہ خاکساری اختیار کرو تاکہ کوئی شخص کسی پر ظلم نہ کر سکے اور کسی کو کسی کے مقابلہ میں فخر کرنے کی جرأت نہ پیدا ہو۔ تواضع کا مقصد معاشرتی زندگی میں خوشگوار لطافت پیدا کرنا ہے۔

آپ نے اپنے دوستوں اور شاگردوں کی تواضع کے لیے ایک کنیز کو مقرر کر رکھا تھا۔ وہ حلوا بنانے میں کمال رکھتی تھی۔ آپ اس سے حلوا بنوا کر اکثر و بیشتر ملنے جلنے

[1] مناقب الشافعی الرازی

والوں کو کھلاتے اور انتہائی محبت آمیز لہجہ سے گفتگو فرماتے۔ احباب کو کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص معمولی احسان بھی کرتا تو علاوہ شکر گزاری کے اس کے ساتھ اس سے زیادہ احسان فرما دیتے۔ اگر کسی شخص سے معمولی سی خدمت بھی لیتے تو اس کو دوگنی تگنی اُجرت عنایت فرماتے تھے۔

باکمال اشخاص کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ایک بار کہیں جا رہے تھے دیکھا کہ ایک شخص تیر اندازی کی مشق کر رہا ہے۔ آپ کے سامنے اس کا تیر صحیح نشانہ پر پہنچا آپ نے اپنی جیب سے اس کو تین دینار نذر کیے اور اظہار افسوس کیا کہ کاش اور دینار ہوتے تو میں تم کو اور دے دیتا۔

اتباعِ سُنّت

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ جو آپ کے شاگرد خاص ہیں، فرماتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ سے کسی نے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جواب دے کر اس کے ثبوت میں ایک حدیث بھی بیان فرمائی۔ اس شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا آپ بھی اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ آپ کو بے حد غصہ آیا اور فرمانے لگے۔ کیا تم نے مجھے بت خانہ سے نکلتا دیکھا یا میرے گلے میں زنّار دیکھی۔ جو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ وہی میرا مذہب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے، کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا اصول یہ تھا۔ کہ اگر ان کو اپنے فتوے کے خلاف کوئی صحیح حدیث پہنچ جاتی فوراً علانیہ فرما دیتے، کہ میں اپنے فتوے سے رجوع کرتا ہوں۔

امام مزنی و ربیع بن سلیمان اور دوسرے شاگردوں سے ہمیشہ یہ فرماتے رہے۔ کہ میں نے جتنی تصانیف لکھی ہیں۔ ان میں بحد امکان احتیاط و حزم سے دلائل کو لکھ دیا ہے تاہم میں انسان ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ان میں غلطیاں ہوئی ہوں۔ غلطی سے منزّہ تو خدا کا کلام ہے۔

اس لیے کوئی بھی مسئلہ میری کتابوں میں اگر خلاف کتاب وسنت ہو۔ اور تم اس کو دیکھو تو خوب سمجھ لینا کہ میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اگر صحیح حدیث مجھ تک پہنچے اور پھر میں اس پر عمل نہ کروں تو میری عقل میں فتور آچکا ہے۔

آپ کو کبھی اپنی رائے یا بات پر اصرار نہیں رہتا تھا۔ اگر کسی مسئلہ میں غلطی ثابت ہو جاتی تو فوراً رجوع فرما لیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے اکثر فرمایا کرتے تھے تمہاری نظر احادیث صحیحہ پر مجھ سے زیادہ ہے۔ اس لیے میرے قول کے خلاف جب کسی صحیح حدیث کو دیکھو تو مجھے مطلع کرو، تاکہ اُس حدیث پر عمل کروں اور اپنی رائے کو نمایاں طور پر ترک کر دوں۔

آپ بے انتہا حق پسند تھے، آپ سے اکثر مناظرات و مباحثات ہوتے رہتے تھے۔ آپ فریق کو جواب بڑی نرمی و خندہ پیشانی سے دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے کبھی کسی شخص سے اپنی بڑائی یا اظہار فضیلت کی بناء پر مباحثہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اعلائے کلمۃ الحق کا مقصد سامنے رہا۔

جھوٹ بولنے سے سخت نفرت تھی فرماتے ہیں میں نے مدت العمر میں کبھی جھوٹی بات نہیں کہی، نہ کسی معاملہ میں جھوٹی یا سچی قسم کھائی۔ اپنی تصانیف کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ خدا کرے کہ قوم ان کو سمجھے اور ان پر عمل کرے۔

بزرگوں کا ادب و احترام

کسی نے حضرت امام ابو حنیفہ کا تذکرہ کیا۔ فرمایا سنو۔ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کی اولاد ہیں۔ کسی نے امام سفیان بن عیینہ و امام مالک کے متعلق دریافت کیا۔ فرمایا۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حجاز سے علم حدیث ناپید ہو جاتا۔ جب امام مالک کا کوئی قول نقل کرتے تو فرماتے، ہذا قول استاذنا الامام مالک، یہ ہمارے اُستاد امام مالک کا قول ہے کسی نے پوچھا آپ نے امام مالک جیسا آدمی بھی دیکھا ہے۔ فرمایا ہماری کیا حقیقت ہے۔ جو علم اور عمل میں ہم سے

زیادہ ہیں ۔ وہ یہی کہتے رہے ۔ کہ امام مالک جیسا آدمی ہم نے نہیں دیکھا ۔
صحابۂ کرام کے متعلق فرماتے تھے ۔ والصحابہ فوقنا فی کل علم واجتہاد وورع وعقل
صحابہ ہم سے علم اجتہاد در تقویٰ اور علم میں بڑھے ہوئے ہیں ۔
ایک مرتبہ کسی شخص نے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی شخص نے کعبہ تک پیدل جانے کی
نذر مانی اور پھر اس نذر کردہ پورا نہ کرسکا تو کیا کرے ۔ فرمایا قسم کا کفارہ ادا کرے اور ہم
سے بہتر شخص حضرت عطاء بن ابی رباح نے بھی یہی کہا ہے ۔

مجلس درس صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک فقہ کا درس دیتے پھر
حدیث کا درس شروع ہوتا ۔ اس کے بعد مجلس وعظ ہوتی ۔ پھر
مذاکرات علمی ہوتے رہتے ۔ ظہر کے بعد ادب شعر و شاعری ، عروض نحو و لغت کا درس ہوتا
رہتا ۔ پھر عصر تک گھر پہ آرام فرماتے ۔
عصر سے لے کر مغرب تک ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ۔
رات کے تین حصے کرتے اور ایک تہائی رات میں سوتے اور دوسری تہائی میں
کتابت حدیث و فقہ اور تیسری تہائی میں قرآن اور نوافل تا آنکہ صبح صادق ہوجاتی ۔
تلاوت کلام اللہ کا بڑا شوق تھا ۔ یوں تو معمولاً ایک قرآن مجید روزانہ پڑھتے رہتے تھے ۔
حسین بن علی کرابیسی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ۔ کہ میں آپ کے پاس تین مہینہ تک رہا ۔ رات
کا تہائی حصہ نوافل اور قرآن خوانی میں صرف فرماتے ہوئے میں نے دیکھا ۔
محمد بن عبداللہ بن عبدالحکیم فرماتے ہیں ۔ کہ ہم لوگ آپس میں زاہدوں اور متقیوں کا
تذکرہ کر رہے تھے ۔ ان میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ کا خاص طور پر تذکرہ ہوا ۔
عمرو بن بنانہ بھی آگئے انہوں نے کہا اے احباب کرام میری نظر میں تو امام شافعی رحمۃ اللہ
سب سے بڑے زاہد عابد اور متقی ہیں ۔ قرآن کی نشر و اشاعت میں مصروف ۔ مکر و ہات
دنیا سے علیحدہ ، حکام و امراء سے بے نیاز رہتے ۔ ایک مرتبہ میں اور حارث صالح مزنی کا غلام

امام شافعی کے ساتھ صفا پر جا رہے تھے۔ اتفاقاً حارث نے یہ آیت پڑھ دی۔ ہذا یوم لا یفصل جمعنا کم والاولین، امام شافعی اس آیت کو سن کر کانپ اٹھے اور زار و قطار رونے لگے۔ ان پر خدا کا خوف غالب ہی رہتا تھا۔

ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعی کے ساتھ حج کو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہر نشیب و فراز پر روتے تھے۔ اور یہ شعر نہایت پُر درد لہجے میں پڑھتے تھے۔

ال النبی ذریعتی، وھم الیہ	اہل بیت رسول اللہ میرا ذریعہ ہیں اور
وسیلتی ارجو بان اعطی غدا	بارگاہ خداوندی میں میرا وسیلہ ہیں مجھے اُمید
بیدی الیمین صحیفتی	ہے۔ کہ میرے داہنے ہاتھ میں مجھے اعمال
	نامہ دیا جائے گا۔

قرآن مجید ایسی خوش الحانی و عرب کے تمام لہجہ میں پڑھتے تھے کہ جب آپ امام ہوتے تو لوگوں کے رونے کی آوازیں بلند ہو جاتیں تو آپ کو رکوع کرنا پڑتا اور جب کبھی آپ کسی مجلس میں قرآن مجید پڑھتے تو لوگوں کی ہچکی بندھ جاتی۔ بہت سے آدمی تو بے خود ہو کر گر جاتے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آپ کی قرأت قرآن کی سند یہ ہے۔

قراء الشافعی القران علیٰ اسمٰعیل بن قسطنطین وکان شیخ مکۃ وھو علیٰ شبل بن عباد ومعروف مشکان وھما علیٰ عباد اللہ بن کثیر وھو علیٰ سید المفسرین عبد اللہ بن عباس وھو علیٰ سید القراء ابی بن کعب وھو علی صاحب الوحی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فراست و ذہانت

قاضی یحییٰ بن اکثم فرماتے ہیں۔ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے بڑھ کر کوئی عقلمند نہیں دیکھا۔ امام مزنی کا قول ہے۔ کہ اگر نصف اہل دنیا کی عقل اور امام شافعی کی عقل کو وزن کیا جائے تو امام شافعی

کی عقل ہی وزنی نکلے گی۔

محمد بن الفضل البرازی راوی ہیں کہ ان کے والد فضل اور امام احمد بن حنبل حج کو گئے۔ اور دونوں ایک ہی جگہ ٹھہرے' امام احمد بن حنبل علی الصباح خاموشی سے حرم محترم چلے گئے رہیں نے خیال کیا کہ شاید حضرت سفیان بن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس میں شرکت مقصود ہو گی۔ اس لئے اتنے سویرے چلے گئے۔ میں بھی چلا اور حرم کی علمی مجلسوں میں اور حضرت سفیان بن عینیہ کی مجلس میں تلاش کیا تو نہیں ملے البتہ ایک نوجوان قریشی کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ میں نے ان سے کہا۔ اے ابو عبداللہ آپ نے سفیان بن عینہ کی مجلس چھوڑ کر یہاں کیوں نشست اختیار کی۔ حالانکہ وہ حضرت امام زہری و دیگر اکابر و تابعین کے ممتاز شاگرد ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے مجھ سے فرمایا۔ چپ رہو۔ اگر حدیث بسند عالی نہ ملے گی۔ نہ سہی حدیث صحیح بسند نازل تو ملے گی۔ (یعنی ایک واسطہ اور بڑھ جائے گا) لیکن اگر عقلمندی کی باتیں میں نے حاصل نہ کیں تو پھر قیامت تک ایسا انسان نہ مل سکے گا۔ کتاب اللہ کا سمجھنے والا اس جوان قریشی سے بڑھ کر میں نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا میں نے پوچھا ان کا کیا نام ہے۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا۔ یہی محمد بن ادریس شافعی ہیں۔

امام حمیدی یعنی امام بخاری کے استاد فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے تمام مشائخ کو امام شافعی کی فہم و فراست' ذکاوت اور علم کی تعریف میں رطب اللسان ہی پایا۔ امام مالک رحمۃ اللہ تک یہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے پاس علم حاصل کرتے محمد بن ادریس شافعی قریشی سے زیادہ ذہین اور سمجھدار کوئی نہیں آیا۔

ابو عبید قاسم بن سلام کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی کی فصاحت و طلاقت لسان سے بڑے خوش تھے۔ خود امام شافعی فرماتے ہیں۔ کہ امام مالک کے سامنے قرأت کرنے والا بڑا جری اور قابل ہوتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ تم پڑھا کرو۔

میں کچھ دیر پڑھ کر خاموش ہو جاتا تو وہ فرماتے کہ نہیں، ابھی اور پڑھو میرا حسن قرأت و افہام تفہیم کا طریقہ ان کو بے حد پسند تھا۔

امام شافعی کی جلالتِ شان کا اعتراف

ایک بار امام احمد بن حنبل، امام اسحٰق بن راہویہ، امام یحیی بن معین، مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور تینوں کا یہ ارادہ ہوا کہ امام عبدالرزاق محدث مکہ کے درس میں چلیں۔ جب یہ تینوں حرم محترم میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک نوجوان مسند پہ جلوہ افروز ہے۔ اور اس کے پاس ایک ہجوم ہے وہ نوجوان بڑی جرأت مندی سے یہ دعویٰ کر رہا تھا۔ کہ اے اہل شام و اے اہل عراق، مجھ سے حضور علیہ السلام کی احادیث کے متعلق جو چاہو دریافت کرو میں مطمئن کر سکتا ہوں۔ امام اسحٰق فرماتے ہیں، میں نے لوگوں سے پوچھا۔ یہ نوجوان کون ہے بڑا ہی بے باک و جری ہے۔ لوگوں نے کہا یہ محمد بن ادریس شافعی مطلبی ہیں۔ امام اسحٰق نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے کہا چلو ذرا اس شخص سے اس حدیث کا مطلب دریافت کریں، کنّوا الطیور فی اوکارہم امام احمد نے فرمایا۔ اس حدیث کے معنی تو صاف ہیں۔ یعنی رات کے وقت پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں رہنے دو، لیکن خیر میں تمہارے کہنے سے پوچھے لیتا ہوں۔ امام احمد نے شافعی سے دریافت کیا کہ اس حدیث کا مقصد کیا ہے ہم نہیں سمجھے، امام شافعی نے فوراً جواب دیا کہ جاہلیت میں یہ قاعدہ تھا کہ رات میں اگر کسی کو سفر پیش آجاتا تو وہ پتھر مار کر گھونسلوں سے پرندوں کو اڑایا کرتا تھا۔ اگر وہ پرندہ داہنی طرف اڑا تو لوگ یہ شگون لیتے تھے۔ کہ یہ سفر نیک ہوگا۔ اور اگر بائیں طرف اڑا تو وہ شگون بد سمجھا جاتا تھا۔ حضور علیہ السلام جب مبعوث ہوئے اور آپ نے ان کی یہ نازیبا حرکت ملاحظہ فرمائی تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سنو پرندوں کو تو ان کے گھونسلوں میں آرام کرنے دو اور تم اللہ پہ بھروسہ رکھو۔ امام اسحٰق نے فوراً ہی امام احمد سے کہا کہ اگر ہم عراق سے حجاز تک کا سفر صرف اس حدیث

کی توضیح کے لیے ہی کرتے تو بھی ہمارا سفر مبارک و کامیاب ہی تھا۔ تینوں ائمہ نے آپ کی جلالت شان و فہم حدیث کا اعتراف کیا۔

منکر حدیث کو جواب

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا مجھ سے جو چاہو پوچھو میں قرآن ہی سے استدلال پیش کروں گا۔ ایک شخص نے پوچھا۔ بھلا یہ تو بتایئے کہ بحالتِ احرام کوئی شخص کسی بھڑ کو مار ڈالے تو قرآن میں اس کا کیا حکم ہے۔ امام صاحب نے فوراً ہی فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و ما آتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا

خدا فرماتا ہے۔ محمد الرسول اللہ تمہیں جس بات کا حکم دیں اس کی تعمیل کرو۔ اور جس سے روکیں اُس سے باز رہو۔ پھر حدیث کی ایک سند پڑھی کہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے بعد تم شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے رہنا۔ پھر دوسری سند سے روایت بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحالتِ احرام بھڑ کو مار دینے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔

مفتی حرم کا منصب جلیلہ

علماء مدینہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تو قمری والے واقعہ کے بعد ہی آپ کو ۱۴۔۱۵ سال کی عمر میں فتویٰ دینے کی اجازت دے چکے تھے، واپسی مکہ پر آپ کے اُستاد مکہ مسلم بن خالد زنجی نے بھی آپ کو فتوے دینے کی اجازت دے دی لیکن آپ نے بنظرِ احتیاط حضرت امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ سے جو مثل امام مالک رحمۃ اللہ امام الائمہ محمد ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید تھے۔ استفادہ کیا۔ امام سفیان بن عیینہ نے کئی سال تک آپ کو حدیث و فقہ و تفسیر کی تعلیم دی ایک بار انہوں نے آپ سے دریافت کیا۔ شافعی یہ بتاؤ کہ امام زہری کی روایت سے جو یہ حدیث مروی ہے کہ حضور علیہ السلام

حضرت صفیہ ام المومنین کے ساتھ مسجد سے چلے۔ راستہ میں آپ کو دو آدمی ملے آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا میرے ساتھ میری بیوی صفیہ ام المومنین ہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ شیطان انسان کے رگ و پے میں خون کی طرح پھرتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ امام شافع نے جواب دیا کہ حضور علیہ السلام کے پیش نظر یہ تھا۔ کہ قبل اس کے کہ ان لوگوں کے دل میں یہ خطرات گذریں کہ ایک اولوالعزم نبی کے ساتھ یہ عورت کیسے اور پھر وسوسہ شیطانی ان کے دل میں اتہام یا سوءِ ظنی کو پیدا کرتا۔ آپؐ نے اس تصور سے قبل ہی اس کو واضح کر دیا تا کہ ان کا دماغ سوءِ ظنی میں مبتلا ہی نہ ہو۔ دوسرے اُمت کے لیے یہ طریقہ تعلیم کا تھا چنانچہ آپ کے اس ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ میں باوجود اس کے کہ نبی ہوں۔ مگر میرے متعلق بھی لوگ غلط رائے قائم کر سکتے تھے' اس لیے تم لوگ بھی ہمیشہ اس کو پیش نظر رکھو کہ تہمت یا افتراء و بہتان کے اسباب سے ہمیشہ خود کو محفوظ رکھو۔ چونکہ شیطان انسان کے رگ و پے میں دوڑتا پھرتا ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ جزاک اللہ کیا نفیس بات کہی ہے اور ایسے بیان میں کہ جی خوش ہو گیا۔ اب تم فتویٰ دیا کرو۔

امام احمد بن حنبل کی شہادت

آپ بڑے بڑے الجھے ہوئے معاملات اور مسئلے آن واحد میں سلجھا دیتے تھے' امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی سے زیادہ صحیح الدماغ سریع الفہم اور مسائل کا صحیح اور مدلل جواب دینے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ چنانچہ آپ مکہ مکرمہ میں ۱۹۵ھ تک مفتی رہے۔ پھر بغداد تشریف لائے' ہارون رشید نے آپ کو بلوایا اور فرمایا کہ آج میرے دربار میں جب سب جمع ہوں' وعظ کہیے آپؒ نے وعظ فرمایا حاضرین مجلس کے تاثرات تو بیان سے باہر ہیں۔ خود ہارون رشید کا یہ حال تھا۔ کہ چیخ چیخ کر رونے لگا۔ وعظ ختم ہونے پر آپ کو ۵۰ ہزار درہم نذر کیے۔

ربیع و مزنی کہتے ہیں ۵۰ ہزار درہم میں چالیس ہزار علما، زہاد، عباد اور بیوگان و یتامیٰ کو آپ نے تقسیم کر دیئے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ نے اس قدر تقسیم فرما دیئے۔ فرمایا خدا فرماتا ہے۔ وفی اموالہم حق للسائل۔ اس لیے ان بکسیوں کے نصیب سے یہ دولت آئی تھی، اور میں نے انہیں کے نذر کر دی۔ خدا نے مجھے ایک واسطہ بنا دیا جس کے ذریعہ سے یہ مال ان تک پہنچ گیا۔ اور میں حشر کے حساب سے ڈر رہا ہوں کہ آیا جو فرض ان کے حقوق کا مجھ پر عاید فرمایا گیا ہے۔ میں صحیح طور پر اُس کو ادا کر رہا ہوں یا نہیں۔ پھر وہاں سے دو برس کے بعد آپ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ میں حج سے فارغ ہو کر ۱۹۸ھ میں آپ پھر بغداد تشریف لائے اور چند مہینہ ٹھہر کر پھر مصر تشریف لے گئے۔ پھر آخر عمر تک آپ نے وہیں قیام فرمایا اور وہیں مرجع خلائق رہے۔

امام شافعی کی فنِ مناظرہ میں دستگاہ

آپ کی ذات چونکہ مجازیوں اور عراقیوں کی فقہ، حدیث اور بدوؤں کی فصاحت کا مجموعہ تھی۔ اس لیے آپ مناظرہ اور خوبی تحریر میں یکتا ہیں ۔ اور آپ کی تحریر جاحظ وغیرہ سے بھی بلند پایہ سمجھی جاتی ہے۔ تمام ائمہ میں تنہا آپ کی ذات ہے کہ جس نے مکہ، مدینہ یمن، نواح یمن، عراق، شام، مصر، الجزائر تک سفر کئے اور ہر ہر جگہ علماء و فضلا سے مذاکرات فرماتے رہے۔ صرف آپ کی مساعی جمیلہ تھیں، جن کی وجہ سے ان شہروں میں لوگوں نے آپ کے اجتہادی مسائل کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو ناصر الحدیث، مجدد امام الائمہ مان لیا۔ آپ کے مذاکرات و مناظرات کا بیشتر حصہ تو حصہ دوم میں پیش ہوگا لیکن یہاں چند واقعات پیش ہیں۔

۱۔ یتیم کے مال پر زکوٰۃ

چند لوگ آئے اور امام شافعی کے اس فتوے پر اعتراض کیا کہ یتیم کے مال پر زکوٰۃ لازم ہے آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن میں خدا نے فرمایا ہے۔ واقیموا الصلوٰۃ و آتو الزکوٰۃ، یعنی نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو۔ پس یتیم اور نابالغ پر نماز تو لازمی نہیں ہے۔ پھر زکوٰۃ کس طرح فرض ہو جائے گی۔ نابالغ پر تعزیری جرائم کے پاداش میں حد بھی نہیں دی جاتی اور خدانہ کرے وہ کافر ہو جائے تو حکم ارتداد بھی نہیں دیا جا سکتا اور حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ نابالغ۔ دیوانہ اور سونے والا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ تمہارا استدلال ہی سرے سے غلط ہے۔ دوسرے تم اپنے استدلال پر عمل کرتے ہیں خود بھی اس کے خلاف عمل کرتے ہو۔ اب سنو اصل حقیقت شرعی یہ ہے زکوٰۃ مال پر فرض ہے۔ نہ کہ عمر پر، جو نصاب شرعی ہے۔ اگر اس کو ایک سال گذر جائے تو پھر اس مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ اور نماز بالغ پر فرض ہے تاکہ اس کو اچھی طرح طہارت و حقیقت نماز سے آگہی ہو جائے۔ تم اپنے اصول سے ہٹ کر جو عمل کرتے ہو وہ بھی سنو۔

اگر کمسنی میں کسی لڑکی کا شوہر مر جائے تو تم مثل بالغہ عورت کے اس کی عدت لازم قرار دیتے ہو رتا وان جنایات میں نابالغ مثل بالغ کے قرار دیتے ہو علاوہ ازیں تم نابالغ سے عشر وصول کرتے ہو۔ اور کہتے ہو۔ کہ یہاں احکام مثل بالغ کے ہیں۔ یہ تمہاری فقہی ناسمجھی ہے۔ میں تم سے پوچھتا ہوں۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ جب تم کہتے ہو کہ نماز و زکوٰۃ ساتھ ساتھ فرض ہوئی ہیں۔ تو اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو۔ جس شخص کے پاس مال نہیں ہے اس لئے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کیا نماز بھی اس سے ساقط ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص سال بھر تک مجنون رہے۔ تو نماز اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر وہ مالدار ہے۔ تو کیا زکوٰۃ بھی اس سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر ایک مالدار سفر کر رہا ہو اور دوران سفر میں اس پر زکوٰۃ ادا کرنے کا وقت شروع ہو گیا تو سفر میں وہ قصر نماز تو کر سکتا ہے۔ کیا دوران سفر میں وہ زکوٰۃ میں بھی کچھ قصر کر سکتا ہے۔ حائضہ سے نماز ساقط ہے۔ کیا زکوٰۃ بھی ساقط ہے یہ استدلال سن کر وہ متحیر ہوئے اور کہنے لگے کہ ابراہیم نخعی اور ہمارے کوفہ کے فقہا۔ تو یتیم و نابالغ کے مال میں زکوٰۃ کو فرض نہیں سمجھتے۔ امام شافعی نے جواب دیا سبحان اللہ ایک طرف تو امام ابوحنیفہ کا یہ قول ہے۔ کہ تابعی بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔ ہم ان کی مخالفت کرنے کے مجاز ہیں۔ پھر تم لوگ مجھے اپنے فقہائے کوفہ یا تابعین کے اختلاف سے کیوں روکتے ہو۔ حالانکہ حدیث صحیح سے یہی ثابت ہے کہ نابالغ کے

مال میں زکوٰۃ ہے۔ کوفہ کے فقہا نے جواب دیا مگر حضرت عبداللہ بن مسعود کا فتویٰ بھی آپ کے خلاف ہے۔ امام شافعی نے فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود کے مقابلہ میں ارشاد حضور انور علیہ السلام لازمی ہے۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن مسعود نے جو کچھ فرمایا ہے۔ اسے بھی تم غلط سمجھے وہ فرماتے ہیں۔ ولی مال یتیم سے نہ ادا کرے بلکہ یتیم جب بالغ ہو جائے تو وہ حساب کر کے خود ادا کرے۔ علاوہ ازیں عبداللہ بن مسعود کی روایت جو تم لوگ بیان کرتے ہو اس کا راوی غیر معتبر ہے۔ میں جو کہتا ہوں اس کی دلیل صحیح حدیث ہے۔ اور چار اکابر صحابہ کا فیصلہ ہے جو یہ ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ و حضرت عائشہ صدیقہ۔

۲۔ فقہ ہے یا مذاق؟

ایک دن فقیہہ ربیعہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے کہا کہ اگر کوئی شخص رمضان کا ایک روزہ قضا کرے تو اس کو بارہ روزے رکھنے چاہئیں۔ چونکہ اس مہینہ کا ایک دن اور مہینوں کے بارہ دن کے برابر ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ یہ فقہ ہے یا مذاق۔ اگر تمہارا یہی نظریہ ہے تو پھر شب قدر کی نماز اگر فوت ہو جائے تو وہ ہزار مہینہ تک قضا کیا کرے۔ چونکہ لیلۃ القدر خیر من الف شہر، قرآن میں ہے۔ ربیعہ خاموش ہو کر چلے گئے۔

۳۔ امام احمد بن حنبل پہ اعتراض

امام شافعی رحمۃ اللہ نے ایک بار امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ سے پوچھا میں نے سنا ہے، تم کہتے ہو کہ ایک وقت نماز چھوڑنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ امام احمد نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ امام شافعی نے فرمایا۔ اگر ایسا کافر مسلمان ہونا چاہے تو کیا کرے۔ امام صاحب نے جواب دیا کہ نماز پڑھنے لگے۔ امام شافعی نے کہا کیا تمہارے نزدیک کافر کی نماز صحیح ہو گی۔ یا صحت نماز کے لیے پہلے اسلام شرط ہے۔

۴۔ ایک مناظرہ کی کیفیت

فضل بن ربیع نے ایک مرتبہ امام شافعی سے عرض کیا کہ میں حسن بن زیاد لولوی سے آپ کا مباحثہ سننا چاہتا ہوں۔ امام شافعی نے فرمایا، حسن بن زیاد مباحثہ کے قابل ہے کب۔ اگر تم اصرار کرتے ہو تو اپنے کسی شاگرد سے کہہ دوں گا۔ وہ تمہارے سامنے اس سے مباحثہ کرلے گا۔ حسن بن زیاد بلوائے گئے امام شافعی کے شاگرد نے کہا۔ حضرت اہل مدینہ ہمارے اصحاب کوفہ پر چند اعتراض کرتے ہیں۔ اس لیے میں آپ سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں حسن نے کہا بے تکلف کہو۔ اس شخص نے کہا مسئلہ یہ ہے۔ کہ اگر کوئی شخص بحالت نماز پاک دامن عورت پر تہمت لگائے تو کیا حکم ہے۔ حسن نے کہا نماز باطل ہو جائے گی۔ اس شخص نے کہا اور وضو حسن نے کہا وضو قائم رہے گا۔ اس شخص نے کہا اگر کسی شخص نے نماز میں قہقہہ لگایا تو کیا حکم ہے۔ حسن نے کہا نماز اور وضو دونوں باطل ہو گئے۔ اس شخص نے کہا پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، قہقہہ سے کیا کم تر ہے۔ فضل بن ربیع بے اختیار ہنس پڑا۔ امام شافعی سے جب تذکرہ ہوا تو فرمانے لگے میں پہلے کہتا تھا کہ حسن بن زیاد گفتگو کے قابل ہی نہیں ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ حسن بن زیاد لولوی کو تمام محدثین ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں۔ اور فن حدیث میں ان سے روایت نہیں کی جاتی۔ بدیں وجہ امام شافعی رحمۃ اللہ نے بذات خود ان سے مخاطبت پسند نہیں فرمائی۔

۵۔ امام محمد پر ایک اعتراض

ایک دن امام شافعی رحمۃ اللہ نے امام محمد علیہ الرحمۃ سے فرمایا، کنوئیں کی طہارت کے متعلق آپ حضرات کا عجیب حیرت ناک مسلک ہے۔ وہ یہ کہ اگر ایک چوہا کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کنوئیں کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ اس سے بیس ڈول پانی نہ نکال دیا جائے یہ آپ لوگوں کا فتویٰ خلاف قیاس جلی ہے کہ کل شئے ناپاک ہو اور جب اس میں سے کچھ حصہ خارج کر دیا جائے تو مابقی پاک ہو جائے علاوہ ازیں آپ حضرات کا یہ قول اور بھی

تعجب خیز ہے، کہ اگر کوئی بقصد وضو کنوئیں میں ہاتھ ڈال دے تو کل کنواں ناپاک ہو جاتا ہے تا آنکہ کل کنواں خالی نہ کیا جائے۔ اگر مردار یا نجاست گر جائے تو ۲۰ ڈول یا ۳۰ ڈول پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ مگر ہاتھ ڈالنے سے تو قیامت آ جاتی ہے، بھلا آپ یہ تو بتائیے کہ کیا یہ مسائل عقل سلیم کے مطابق ہیں۔

۶۔ قول رسولؐ سے استدلال

امام اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں، میں، یحییٰ بن معین اور امام احمد بن حنبل مکہ میں ساتھ ہی گئے اور ساتھ ہی ایک جگہ رہتے تھے۔ امام احمد کا تو یہ معمول تھا۔ کہ وہ اپنا اکثر وقت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں صرف کرتے رہتے اور میں امام احمد کی صحبت و یکجائی کو غنیمت سمجھتا تھا۔ ایک دن امام احمد نے مجھ سے فرمایا اے ابو یعقوب تم امام شافعی کی مجلس میں میرے ساتھ کیوں نہیں چلا کرتے میں نے کہا جب یہاں امام شافعی کے شیوخ موجود ہیں جیسے سفیان بن عیینہ تو پھر ان کو چھوڑ کر ایسے شخص کے پاس جو عمر میں بھی ہم سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ آپ کیوں لے چلتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا خدا تمہیں نیک توفیق عطا فرمائے۔ بھائی شافعی کا علم پھر کہاں حاصل ہو گا۔ بالآخر ان کے فرمانے سے میں ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور دوسرے لوگوں سے مخاطب ہو کر میں نے کہا مکہ مکرمہ کے مکانوں کا کرایہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ امام شافعی مخاطب ہوئے میں نے ان پر بھی چند اعتراض کئے۔ جب میں خاموش ہوا تو شافعی نے مجھ سے فرمایا۔ کیا تم مجھ سے مناظرہ کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا جی ہاں۔

امام شافعی نے فرمایا۔ سنو! خدا فرماتا ہے "للفقرا الذین اخرجوا من دیارہم" یعنی ان بیکسوں کے لیے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اس آیت میں خدا نے مکہ کے مہاجرین کو ان کے گھروں کا مالک بیان فرمایا ہے پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ والے اپنے گھروں کے مالک

ہیں اور بغیر
کرایہ کے کسی کو تصرف کا حق نہیں ہے۔ مالک کو حق بیع حاصل ہے اور حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا۔ من اغلق بابہ فہو آمن ومن دخل دار ابوسفیان فہو آمن جو اپنا دروازہ بند کرلے اس کو امن حاصل ہے۔ اور جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے اُس کو امن حاصل ہے۔ اب غور کرو کہ حضور علیہ علیہ السلام نے مکہ والوں کو ان کے گھروں کا مالک ظاہر فرمایا ہے۔ اور سنو جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ سے مکہ تشریف لائے۔ تو کسی شخص نے آپ سے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ مکہ مکرمہ میں کہاں ٹھہریں گے۔ آپ نے فرمایا "ہل ترک لنا عقیل دارا" عقیل نے ہمارے لیے گھر کہاں چھوڑے۔ (سب بیچ دیے) اب بتاؤ۔ امام اسحٰق نے جواب دیا مگر عطاء حسن ابراہیم اور مجاہد وغیرہم تابعین نے تو مکہ کے مکانوں کا بلا معاوضہ استعمال مباح قرار دیا۔ امام شافعی نے حاضرین سے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ لوگوں نے کہا۔ اسحٰق بن راہویہ فرمایا تم وہی اسحٰق ہو۔ جنہیں خراسان والے فقیہہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں امام شافعی نے فرمایا۔ کاش تمہارے سوا اور کوئی ہوتا تو میں اس کے کان کھینچ آتا میں کہتا ہوں کہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا۔ اور تم کہتے ہو کہ عطاء طاؤس وغیرہم نے یہ کہا حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے سامنے ان کے اقوال کی کیا حقیقت ہے امام اسحٰق نے پھر سوچ کر جواب دیا کہ اچھا ان کے اقوال جانے دیجئے۔ قرآن کی اس آیت کا مطلب کیا ہے۔ سَوَاءً نِ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ یعنی اس میں مقیم اور مسافر دونوں برابر ہیں۔ امام شافعی نے فرمایا۔ بھائی یہ حکم خاص مسجد الحرام کے متعلق ہے۔ امام اسحٰق یہ سن کر خاموش ہوئے اور پھر آپ کے فضل و کمال و تبحر کے معترف اور آپ کی مجلس میں حاضر باش رہے۔

۷۔ ایک اور بحث | امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ تھا کہ اگر کوئی مسلم غلام کسی

کافر کو امن دے دے تو وہ امن قابل اعتبار ہے۔ اس پر آپ
دو دلیلیں بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمانوں کا
ذمہ ایک ہی ہے۔ ان میں کوئی ادنیٰ شخص بھی کسی کو امن دے دے تو تمام مسلمانوں
کو اس کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر غلام مسلمان کو ادنیٰ مسلمان
ہی سمجھ لیا جائے تو یہ حدیث کافی ہے۔ دوسرے حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مسلم
غلام نے کافروں کو امن دے دیا تھا۔ تو آپؓ نے اس غلام کے قول کے مطابق
امن کو بحال رکھا۔ اس پر ایک حنفی فقیہہ نے آپ پر اعتراض کیا کہ غلام کا خون آزاد
کے خون کے برابر نہیں ہوتا۔ امام شافعی نے فرمایا۔ تمہاری زبان سے یہ بات اس
لیے پسندیدہ نہیں۔ کہ تم غلام کے بدلے آزاد کا قصاص روا رکھتے ہو۔

اس مناظرہ سے اس کا اندازہ ہو جائے گا۔ کہ دوسری صدی ہجری میں فقہی
مسائل میں موشگافیاں کس طرح پیدا ہوئیں۔ اور غیر موقوعہ مسائل اور ان کے
جوابات پر کس قدر دماغ سوزی کی گئی۔ ایک دن امام محمد رحمۃ اللہ نے امام
شافعی رحمۃ اللہ سے فرمایا یہ اطلاع صحیح ہے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے کہا، میں ان
مسائل میں تم سے مناظرہ کرنا چاہتا ہوں۔ امام شافعی نے فرمایا۔ بسم اللہ۔ شروع کیجئے
امام محمد نے کہا۔ فرض کرو اگر ایک شخص نے کسی کا شہتیر غصب کر کے اپنے مکان میں
لگا لیا اور اس کی تعمیر پر کئی ہزار درہم خرچ کر ڈالے۔ پھر اُس غصب کردہ شہتیر کا مالک
آیا اور اس نے گواہوں کے ذریعے ثابت کر دیا کہ یہ شہتیر اس کی ملک ہے اور غاصب
نے غصب کر کے لگا لیا ہے۔ تو ایسی صورت میں تم کیا فتویٰ دو گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ
نے فرمایا۔ شہتیر کے مالک کو ہر ممکن کوشش سے راضی کر کے اُس کی قیمت دلوا دی جائے۔ لیکن
اگر وہ اس پر کسی طرح راضی نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بحکمت اُس شہتیر کو نکال کر اس کے
حوالے کر دیا جائے۔ پھر امام محمد نے دریافت کیا۔ اگر کسی شخص نے ایک لکڑی کا

تختہ غصب کر کے اپنی کشتی میں لگا لیا اور جب کشتی وسط دریا میں پہنچی تو تختہ کا مالک آگیا اور اپنی ملکیت کا ثبوت پیش کیا۔ اس صورت میں کیا تم اس کشتی سے تختہ نکلوا کر مالک کے حوالے کرو گے۔ امام شافعی نے فرمایا نہیں۔ اس جواب پر امام محمد اور ان کے شاگرد بیحد خوش ہوئے اور ہنس کر کہنے لگے کہ اب تمہارے پہلے قول اور اس قول میں تو بڑا اختلاف ہے۔ اچھا، دوسرا مسئلہ بتاؤ۔

فرض کرو کہ ایک شخص نے ریشم کے تاگے چرائے اور اپنا پیٹ چاک کر کے اس سے اپنے زخم کے ٹانکے لگوائے تو اس شخص کے متعلق تمہارا کیا فتویٰ ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کا پیٹ چاک نہیں کرایا جا سکتا۔ چونکہ وہ تاگے اُس حالت میں نہ رہے۔ اور نہ اس کو اذیت پہنچائی جائے گی۔ اس پر امام محمد اور ان کے ساتھی اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور کہنے لگے، تم اپنے قول پر قائم نہ رہ سکے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ ذرا صبر و سکون سے میرا جواب سنیے۔ آپ یہ بتایئے کہ اگر وہ دھاگہ اس کا اپنی ملک ہوتا تو اس صورت میں اسے اپنے پیٹ سے اس کا علیحدہ کرنا حرام تھا۔ پھر امام شافعی نے فرمایا کہ جو تختہ کشتی میں لگایا گیا تھا۔ اگر کشتی کے مالک کا خود اپنا ہی ہوتا تو کیا وسط دریا میں اس کا تختہ کا نکالنا جائز تھا۔ یا حرام۔ امام محمد نے فرمایا۔ حرام پھر امام شافعی نے فرمایا۔ اب بتایئے کہ مالک مکان اپنی کسی ضرورت کی بنا پر اپنے مکان کو گرا کر بنانا چاہے۔ تو یہ جائز ہے یا ناجائز۔ امام محمد نے فرمایا، جائز ہے۔ پھر امام شافعی نے فرمایا کہ آپ اصطلاح کو حرام پر کیوں قیاس کرتے ہیں۔ امام محمد نے فرمایا تو پھر کشتی والے مسئلہ میں تمہارا کیا خیال ہے۔ امام شافعی نے جواب دیا کہ پہلے کشتی وسط دریا سے کنارے پر لائی جائے اور مالک تختہ کو قیمت لینے پر راضی کیا جائے۔ اگر وہ راضی نہ ہو سکے۔ تو پھر اس کا تختہ نکال کر اس کو واپس کر دیا جائے۔ امام محمد نے کہا، حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ لاضرر ولاضرار یعنی کسی کو نقصان نہ پہنچایا جائے

امام شافعی نے جواب دیا کہ اُس نے تو خود ہی اپنے کو نقصان پہنچایا ہے۔ پھر امام شافعی رحمۃ اللہ نے امام محمد علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔

ایک شریف خاندانی شخص نے ایک حبشی کی لونڈی غصب کر کے اُس سے جماع کیا اور اس لونڈی سے کئی لڑکے فصیح و بلیغ پیدا ہو گئے۔ عرصہ دراز کے بعد اُس حبشی نے ثبوت پیش کیا کہ لونڈی تو میری ہے۔ اس میں آپ کیا فیصلہ کریں گے۔ امام محمد نے فرمایا کہ وہ لڑکے اس حبشی کی ملک قرار دیئے جائیں گے۔ تب امام شافعی نے امام محمد سے کہا میں آپ کو خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں۔ کہ ان دونوں میں سے کس میں زیادہ ضرر ہے آیا کشتی کے تختہ اکھاڑنے میں یا اُن لڑکوں کے غلام بنانے میں۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ چپ ہو گئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔

غیر موقوعہ مسائل اور مفروضہ صورتوں سے بے حد احتیاط کرنی چاہیئے۔ چونکہ یہ صحابۂ کرام کی روش نہ تھی جو صورتیں پیش آجائیں۔ ان میں غور تدبر تفکر سبھی کچھ کرنا چاہیئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا فتویٰ یہ تھا کہ مہر کی کوئی تعداد معین نہیں ہے۔ نہ اس کی کوئی تحدید ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے لوہے کی انگوٹھی پر بھی نکاح جائز رکھا ہے اور حضرت اُم سلیم نے حضرت طلحہؓ سے صرف اسلام لے آنے پر نکاح کیا تھا۔ اس لیے آپ فرماتے ہیں کہ متعاقدین جس بات پر رضامند ہو جائیں۔ وہی مقدار مہر کی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بعض فقیہوں نے جب آپ سے مباحثہ کرنا چاہا تو آپ نے

مباحثہ کے حدود کو محدود فرما کر یہ ارشاد فرمایا۔ صرف حضور علیہ السلام کے ارشاد سے اس کے خلاف ثابت کرو۔ چنانچہ وہ حضرات اس سے قاصر رہے۔

امام شافعی اور امام ابو یوسف

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں اُلجھ رہے تھے۔ کہ مدعی کی قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ ہونا چاہیے قاضی

ابو یوسف نے فرمایا میں تو اس کو اس لیے نامناسب سمجھتا ہوں کہ خدا نے فرمایا ہے استشہدوا شہیدین من رجالکم یعنی اپنے میں سے دو گواہ لاؤ۔ ایک شخص نے پوچھا وہ دو گواہ کیسے ہیں قاضی صاحب نے جواب دیا کہ دو عادل مسلمان' اہل مدینہ چپ ہو گئے۔ میں نے آہستہ سے اُن سے کہا کہ اگر یہ لوگ آپ سے یہ سوال کریں کہ حقوق کے بارے میں آپ لوگوں نے ذمیوں کی شہادت کیوں جائز قرار دی ہے۔ اور یہاں آپ دو عادل مسلمان کی شرط کیوں عائد کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ یہ سُن کر قاضی ابو یوسف نے کچھ دیر تک سر جھکا کر سوچا پھر مجھ سے مسکرا کر کہنے لگے کہ ان لوگوں کی ذہانت یہاں تک کیسے پہنچ سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ شخص صرف بے علموں پر ہی غالب آسکتا ہے امام محمد۔ امام ابو یوسف و دیگر فقہائے عراق وغیرہم بحث و مناظرہ میں امام شافعی کے حریف تھے لیکن یہ تمام فقہا آپ کی عظمت و جلالت شان کا بیحد لحاظ فرماتے تھے۔

امام محمد اور امام شافعی

امام محمد رحمۃ اللہ ایک دن ہارون رشید کے دربار میں جا رہے تھے۔ راستہ میں امام شافعیؒ ملے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ فوراً اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے اور خادم سے کہا کہ بارگاہِ خلافت میں جا کر اطلاع کر دو۔ کہ چونکہ امام شافعی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اس لیے میں حاضر نہیں ہو سکتا امام نے فرمایا۔ آپ تو تشریف لے جایئے میں پھر آجاؤں گا۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ وہاں جانا اس قدر ضروری ہیں۔ جتنا کہ آپ کی تشریف آوری سے استفادہ ہے۔

امام شافعی کی شکل وشباہت اولاد وازواج

حلیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، آپ میانہ قد، موزوں اندام تھے۔ ہاتھ بہت لمبے تھے۔ آپ کے شاگرد کہتے ہیں کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچتے تھے۔ کشادہ پیشانی، چہرہ زیادہ پُر گوشت نہ تھا، تبسم ہمیشہ نمایاں رہتا۔ بھنویں بھری ہوئی مگر علیحدہ علیحدہ۔ دانت چھوٹے مگر کشادہ۔ ڈاڑھی متوسط۔ آخر عمر میں مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ ناک لمبی اور اس پر ہلکے ہلکے چیچک کے نشان، چہرہ پر وقار نمایاں تھا۔

ازواج واولاد

ان کی ایک اہلیہ اور ایک جاریہ تھی، آپ کی اہلیہ حمدہ حضرت عثمان کے خاندان سے تھیں، ان کا نسب یہ ہے حمدہ بنت نافع بن عنبسہ بن عمر بن عثمان، بن عفان، آپ کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ دو کا بچپن میں انتقال ہو گیا، صرف ابو عثمان محمد رہے، لڑکیوں کا نام فاطمہ و زینب تھا۔ اہل وعیال سے بڑے خوشگوار تعلقات تھے۔ آپ کے مصارف ذی وسعت افراد کی طرح تھے۔ کبھی خانگی معاملات میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔[1]

تذکرہ ابو عثمان خلف اکبر حضرت امام شافعی

امام محمد، کنیت، ابو عثمان محمد بن محمد ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع، جب حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو یہ مکہ میں مقیم تھے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے یہ شاگرد خاص ہیں، وہ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تین

[1] طبقات الشافعیہ، کبریٰ

وجوہ سے تم سے محبت کرتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ تم میرے استاد امام شافعی کے صاحبزادے ہو، دوسرے یہ کہ تم قریشی ہو، تیسرے یہ کہ تم متبع سنت ہو۔ یہ صاحبزادے فرمایا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ میں چھ آدمیوں کے لیے خاص طور پر سجدے میں دعا کرتا ہوں، ان میں سے ایک امام شافعی رحمۃ اللہ ہیں۔ خطاب بن بشر کہتے ہیں کہ جب میں کسی مسئلہ کے متعلق امام احمد سے دریافت کرتا تو امام شافعی کے صاحبزادے کی جانب مخاطب ہو کر فرماتے۔ اس مسئلہ کا یہ وہ جواب ہے، جو ہم کو امام شافعی نے ایک رات امام حمیدی استاذ امام بخاری سے فرمایا۔ حمیدی سنو، جو لوگ اعمال کو داخل ایمان نہیں سمجھتے، ان کے لیے قرآن کریم کی اس آیت کو بطور دلیل کیوں پیش نہیں کرتے۔

وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ	اور ان کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاص عمل
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ	کے ساتھ خدا کی عبادت کریں، اور ایک سو
وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ	ہو کر رہیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور
وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ۔	یہی سچا دین ہے۔

یہ صاحبزادے حلب میں اور جزیرے میں قاضی رہے ۲۴۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

امام صاحب کے تلامذہ اور شاگرد

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے آپ کے شاگردوں کی تعداد تقریباً ۱۹۰ بتائی ہے۔ ربیع بن سلیمان فرمایا کرتے تھے کہ میں نے آپ کے دروازہ پر سات سو سواریاں دیکھی ہیں، ان پر لوگ دور دور سے حدیث و فقہ سیکھنے آیا کرتا تھے۔ آپ کے شاگردوں کی صحیح تعداد متعین نہیں کی جاسکتی۔ ان حضرات میں جو ممتاز ہیں ان میں سے بعض کا مفصل تذکرہ اس لئے کیا جاتا ہے، تاکہ قارئین کرام کو یہ اندازہ ہوسکے کہ مشاہیر و اکابرین آپ سے استفادہ باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔

امام حمیدی استاد امام بخاری۔ حرملہ بن یحییٰ۔ سلیمان بن داؤد۔ ابو محمد حسن بن محمد بن الصباح الزعفرانی۔ ابو ابراہیم۔ اسماعیل بن یحییٰ مزنی۔ ابو ثور ابراہیم بن خالد یونس بن عبد الاعلیٰ۔ ربیع بن سلیمان۔ ابو یعقوب یوسف بن یحییٰ بویطی، اسحٰق بن راہویہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم۔

امام حمیدی

نام عبد اللہ بن زبیر۔
کنیت ابو بکر۔

امام العلم ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر القرشی الاسدی الحمیدی المکی الحافظ الفقیہ اخذ عن سفیان بن عیینۃ و مسلم بن خالد

امام العلم ابو بکر عبد اللہ بن زبیر قریشی اسدی حمیدی مکی حافظ حدیث اور فقیہ ہیں۔ آپ نے حضرت سفیان بن عیینہ، مسلم بن خالد زنجی، فضیل بن عیاض وراوری سے روائتیں کی ہیں۔ اور آپ امام شافعی رحمۃ اللہ کے

وفضیل بن عیاض والدرا
وردی وھو معدود فی کبار
اصحاب الشافعی قال احمد
بن حنبل الحمیدی عندنا
امام وقال ابوحاتم اثبت الناس
فی سفیان بن عیینۃ الحمیدی حدث
عنہ البخاری والذھلی وابوزرعۃ
وابوحاتم وبشر بن موسیٰ وخلق

حلقہ تلامذہ میں سب سے بڑوں میں شمار کیے
جاتے تھے، امام احمد فرماتے ہیں، کہ یہ ہمارے
نزدیک امام ہیں، ابوحاتم فرماتے ہیں سفیان
بن عیینہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ
مستند حمیدی ہیں، آپ سے ایک خلقت نے
اور امام بخاری ذہلی ابوزرعہ وابوحاتم وبشر
بن موسیٰ نے روائتیں کی ہیں[1]۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

وقال ابن عدی ذھب مع الشافعی
الی مصر وکان من خیار الناس روی
عنہ البخاری خمسۃ وسبعین حدیثا

ابن عدی فرماتے ہیں، کہ امام حمیدی امام
شافعی کے ساتھ مصر تشریف لے گیے تھے
اور یہ بڑے مخیر تھے، بخاری نے ان سے
پچھتر روائتیں کی ہیں۔

علامہ سبکی کا ارشاد:

قال الربیع بن سلیمان سمعت
الحمیدی یقول قدم الشافعی
من صنعاء الی مکۃ بعشرۃ
آلاف دینار فی مندیل
فنصب خیاءہ فی موضع خار
جا من مکۃ وکان اناس
یاتونہ فما برح حتی ذھبت

ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں، کہ میں نے امام
حمیدی سے سنا، وہ فرماتے تھے، کہ جب امام
شافعی یمن سے مکہ تشریف لائے تو آپ کے
رومال میں دس ہزار دینار تھے آپ نے
مکہ کی آبادی سے باہر اپنا خیمہ نصب کیا
لوگ آپ سے ملنے آتے تھے اور تا آنکہ
آپ نے ان کل دیناروں کو تقسیم نہیں

[1] تذکرۃ الحفاظ دوم۔

كلها وقال السراج سمعت محمد بن اسمعيل يقول الحميدي امام في الحديث قال ابن سعد والبخاري توفي بمكة سنة تسع عشرة ومائتين۔

فرمادیا شہر مکہ میں تشریف نہیں لائے سراج کہتے ہیں۔ کہ میں نے امام بخاری سے سُنا وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام بخاری سے سنا وہ فرماتے تھے کہ حمیدی حدیث کے امام ہیں۔ ابن سعد و امام بخاری فرماتے ہیں کہ ان کا انتقال مکہ مکرمہ میں ۲۱۹ھ میں ہوا۔[1]

حرملہ بن یحییٰ

حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بن حرملۃ ابو حفص مصری یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے خاص شاگردوں میں سے ہیں۔ ان سے امام مسلم اور ابن ماجہ نے روائتیں کی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے مسودات قلمی کا ذخیرہ ان کے پاس کافی تھا۔ یہ ۱۶۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[2]

سلیمان بن داؤد

سلیمان بن داؤد علی بن عبداللہ بن عباس الہاشمی انہوں نے ابراہیم بن سعد وسفیان بن عیینہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ سے روائتیں کی ہیں۔ اور ان سے امام بخاری رحمۃ اللہ نے کتاب خلق افعال العباد میں اور ابوداؤد نسائی، ترمذی، ابن ماجہ نے بواسطہ ہارون جمال روائتیں کی ہیں۔ حسن بن محمد زعفرانی فرماتے ہیں۔ کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے سنا آپ فرماتے تھے میں نے دو شخصوں کو بڑا عقلمند پایا۔ ایک سلیمان دوسرے احمد بن حنبل۔ ابن سعد کہتے ہیں۔ کہ ان کا انتقال ۲۱۹ھ میں بغداد میں ہوا۔[3]

حسن بن محمد زعفرانی ابو علی البغدادی

انہوں نے سفیان بن عیینہ ابی معاویہ و امام شافعی وغیرہم سے روائتیں کیں ہیں۔ اور ان سے امام بخاری ابوداؤد اور نسائی، ترمذی ابن ماجہ و

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج [2] تہذیب التہذیب [3] تہذیب التہذیب۔

ابن حزید نے روایتیں کی ہیں۔ زعفرانی فرماتے ہیں جب میں نے امام شافعی کا رسالہ ان کے سامنے پڑھا تو فرمانے لگے، تم عرب کے کس خاندان سے ہو۔ میں نے کہا میں عربی نہیں ہوں بلکہ ایک قصبہ زعفرانیہ ہے وہاں کا رہنے والا ہوں۔ فرمایا تم اس کے سردار ہو۔ زعفرانی ہی زیادہ تر امام شافعی کے حلقۂ درس میں قرأت کرتے تھے۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ اس وقت ان سے بہتر فصیح اور لغت کا جاننے والا کوئی نہ تھا۔ یہ پہلے کوفی فقہ پر عمل کرتے تھے لیکن پھر مستقل طور پر امام شافعیؒ کے مسلک کے تابع رہے۔ ان کا انتقال ربیع الآخر ۲۵۹ھ میں ہوا۔[1]

ابو ابراہیم۔ اسمعیل بن یحییٰ مزنی کا خلاصہ یہ ہے:۔ یہ ۱۷۵ھ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے امام شافعی نعیم بن حماد وغیرہم سے روایتیں کیں اور ان سے ابن خزیمہ، طحاوی، زکریا ساجی ابن ابی حاتم نے روایتیں کی ہیں۔ ان کا علم بے حد وسیع تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ اگر یہ شیطان سے مناظرہ کریں تو غالب آئیں گے۔ بڑے زاہد بڑے عابد مرتاض اور دنیا سے کنارہ کش تھے۔ اگر ان کی ایک نماز باجماعت قضا ہو جاتی تو اس کے معاوضہ میں پچیس نمازیں پڑھتے تھے۔ مردوں کو خالصاً لوجہ اللہ غسل دیتے تھے اور فرماتے تھے۔ یہ اس لیے کرتا رہا ہوں کہ میرے دل میں سختی نہ پیدا ہو جائے۔ ابو اسحٰق فرماتے ہیں کہ یہ زاہد، عالم، مجتہد، مناظر اور مشکل علمی مباحث کو سلجھانے والے تھے۔ امام شافعی فرمایا کرتے تھے۔ مزنی میرے مذہب کا ناصر ہے۔ اور اے مزنی۔ اس مصر میں تمہارا مرتبہ بلند ہوگا اور اے ربیع تم میری کتابوں کی نشر و اشاعت خوب کروگے۔ اے ابو یحییٰ اٹھو اور میرا حلقہ درس سنبھالو۔ ربیع فرماتے ہیں، کہ حضرت امام نے جس جس کے متعلق جو کچھ فرمایا

---

[1] تہذیب التہذیب

تھا۔ وہ حرف بحرف صحیح ہوا۔ امام مزنی جب اپنی کتاب مختصر میں کسی مبحث کے لکھنے سے فارغ ہوتے تھے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔ ان کی تصانیف بکثرت ہیں۔ جامع صغیر، جامع کبیر، المختصر، المنصور، سائل معتبرہ، الترغیب فی العلم۔ کتاب الوثائق، کتاب العقارب، کتاب نہایۃ الاختصار۔

آپ بڑے مستجاب الدعوات تھے۔ رمضان ۲۶۴ھ میں انتقال ہوا۔[1]

---

[1] طبقات الشافعیہ الکبریٰ۔

امام صاحب کی روحانی منزلت

صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے سامنے صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک تھی جو انسانیت و اخلاق کا سرچشمہ تھی۔ صحابہ نے اسی شمع ہدایت سے اقتباس نور کیا۔ اس لیے ان کے اجزائے تصوف میں روحانیت۔ اخلاق۔ عمل۔ عبادت، زہد توکل، صبر استقامت وغیرہ کے سوا کوئی فلسفیانہ عقیدہ شامل نہیں تھا۔ یہی حال تابعین کا تھا کہ وہ صحابۂ کرام کے نقش قدم پر چلنا ہی موجب سعادت سمجھتے تھے۔ تبع تابعین اور دوسری صدی کے آخر تک صلحائے امت کے پیش نظر بھی یہی نظریہ تھا۔ وہ کسی ادنیٰ سی بدعت کے متحمل نہ تھے اور ہر صالح۔ عابد۔ زاہد کے اعمال میں ان کی صحیح تنقید یہی ہوتی تھی۔ کہ وہ جادہ شریعت اور اتباع سنت سے تو تجاوز نہیں کر رہا ہے۔ چنانچہ کتب اسماء الرجال کے مطالعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ناقدین فن حدیث نے بلا خوف و خطر اور بلا کسی شخص کے اثر کے صاف صاف ہر شخص کے عیب و ہنر کو اس لیے نمایاں کر دیا کہ حضور علیہ السلام کے ارشادات عالیہ ہر قسم کی گندگیوں سے منزہ و پاک رہیں۔ اس اصول کے تحت ہم کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کی مقدس زندگی کے اس پہلو کو بھی واضح کرنا ضروری ہے۔

آپ کی ابتدائی زندگی بے حد عسرت اور تنگدستی کی رہی، اُس دور میں جب آپ سے لوگوں نے کہا کہ یہ کیا حالت ہے تو آپ نے فرمایا۔ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا جو آپ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا تھا۔

کُن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک من

اھل القبور۔

دنیا میں اس طرح زندگی بسر کرو جیسے ایک غریب شخص یا مسافر اور خود کو یہ سمجھتے رہو کہ ایک روز قبر میں جانا ہے۔

اس لیے اس حدیث پر غور کرو تو لذات و مکروہات دُنیا کی خواہش خود ہی جاتی رہتی ہے یہ تو عسرت کے وقت کا جواب تھا۔ لیکن جب خدا نے اپنے فضل و کرم سے دولت کے خزانے کھول دیئے۔ اس وقت حضرت امام نے اس دولت کو غربا، نادار، یتامیٰ، بیوگان، یتیم الحال طلبا اور علماء پر بے دریغ صرف فرمایا اور اپنے لیے بمشکل چوتھائی کے حساب سے رکھا اس وقت اکابر محدثین نے عرض کیا کہ حضرت اس قدر اوروں پر خرچ فرما رہے ہیں تو فرمایا ہم اتباع سُنت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا تھا۔ وہ بھی آپ حضرات کو یاد ہے۔ جب حضور علیہ السلام نے آپ سے دریافت کیا تو عرض کیا۔ خدا کا نام اور رسول کا نام یہ اہل توحید کے لیے اشارہ ہے۔ پھر فرمایا

ولا بی بکر رضی اللہ عنہ معان اخر مما تعلق بھا اھل الحقائق و ارباب القلوب۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی میں اور بھی صفات تھے۔ جن سے اہلِ حقیقت اور اہلِ دل نے تمسک کیا ہے۔

اب تم بتاؤ کہ یہ چوتھائی میں نے کیوں رکھی میں شرمسار ہوں اور روزِ جزا سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں اس قدر دولت سے انتفاع یا تمتع تو وجہ ناراضی نہ ہو۔ سو، دولت خدا اس لیے عطا کرتا ہے کہ اس کی مخلوق کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اور جب میں اس علیہ و امانت سے خود فائدہ اٹھانے لگوں تو قیامت میں جب محمد الرسول اللہ شفیع بن کر کھڑے ہوں گے تو میرا کیا حشر ہوگا۔ یہ فرماتے تھے اور زار و قطار روتے جاتے تھے۔

امام صاحب کے زہد و عبادت کی کیفیت | آپ کے زہد و عبادت شب

بیداری اور احتساب نفس کا یہ حال تھا کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ ۲۰ سال سے کبھی میں نے جھوٹی یا سچی قسم نہیں کھائی۔ رات کا ایک تہائی حصہ نوافل۔ ذکر الٰہی اور استغفار میں صرف ہوتا تھا۔ ایک تہائی حصہ قرآن وحدیث وفقہ کا مطالعہ اور تالیف وتصنیف میں صرف ہوتا تھا۔ کبھی آپ نے کسی کی غیبت نہیں فرمائی۔ آپ کے شاگرد باہمی زہاد وعباد کا تذکرہ کر رہے تھے، عمرو بن بناتہ نے کہا، میں نے تو امام شافعی سے بڑھ کر کسی کو متقی و پرہیزگار نہیں پایا۔

علامہ ابن جوزی کا ارشاد

علامہ ابن جوزی نے بحوالہ عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل سے پوچھا۔ یہ امام شافعی آخر کون ہیں۔ جن کے لیے آپ اکثر دعائے خیر فرمایا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا جانِ پدر امام شافعی کی مثال ایسی ہے، جیسے آفتاب دنیا کے لیے اور جیسے صحت و تندرستی انسان کے لیے۔ اب تمہیں بتاؤ کہ ان دونوں سے بالاتر دنیا میں کون سی چیز ہے۔[1]

آپ کو حضرت ادریس عابد و حضرت سیدہ نفیسہ رضی اللہ عنہما سے خاص عقیدت تھی

امام صاحب کی چند کرامتوں کا ذکر

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کی متعدد کرامتیں بسند صحیح ثابت ہیں:

(۱)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مالکیہ کے بعض مسائل کے رد میں جب ایک کتاب مرتب فرمائی تو اس کی شکایت والیٔ مصر کو کی گئی اور والی پر زور ڈالا گیا کہ امام شافعی

---

[1] صفۃ الصفوۃ جلد ۲

کا اگر مصر سے اخراج نہ کیا گیا تو شہر میں عام بدامنی ہو جائے گی ۔ والی نے آپ کو بلوا کر حکم دیا ۔ کہ آپ مصر چھوڑ دیجئے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے والی کے چہرہ کو دیکھ کر فرمایا ۔ اگر حرج نہ ہو تو مجھے تین دن کی مہلت عنایت فرمایئے ۔ والی نے غور کرتے ہوئے حکم دیا کہ بہتر ہے ۔ تیسری شب کو اس کا دفعتہً انتقال ہو گیا ۔ لوگوں کو اس پہ استعجاب ہوا ۔ فرمایا : یمحو اللہ ما یشاء و یثبت ۔ خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے ۔

(۲)

امام ربیع فرماتے ہیں کہ ہم سب شاگرد آپ کے دفن کے بعد آپ کے حلقۂ درس کے مقام پہ جمع تھے ۔ دفعتاً ایک بدو آیا ۔ سلام کیا ۔ پھر ہم سے کہا ۔ اس مجلس کا شمس و قمر کہاں چھپ گیا ۔ ہم نے کہا ان کا انتقال ہو گیا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور کہنے لگا خدا ان پہ رحم فرمائے ۔ اور ان کی مغفرت فرمائے ۔ وہ بات کیا کرتے تھے موتی پروتے تھے ۔ دلائل ایسے بیان کرتے تھے کہ سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا ۔ وہ شرمسار چہروں سے شرمندگی دور کر دیتے تھے اور وہ تاریک دلوں میں نور صفا بھر دیتے تھے ۔ افسوس آج وہ آفتاب علم و حکمت چھپ گیا ۔ وہ چیختا روتا ہوا چلا گیا ۔

امام شافعی کی حضورؐ نے شفاعت کی

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ بحوالہ ابی بیان الاصفہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے چچا کی اولاد میں محمد بن ادریس شافعی کا انتقال ہو گیا ہے ۔ کیا حضور انور نے ان کے لیے کچھ شفاعت فرمائی ۔ آپ نے فرمایا ہاں ۔ میں نے خدا سے عرض کیا ۔ پروردگار عالم محمد بن ادریس شافعی کو تو بغیر حساب و کتاب کے بخش دے ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسی شفاعت کس عمل کی وجہ سے فرمائی گئی ۔ ارشاد فرمایا

شافعی مجھ پر ایسا درود پڑھا کرتا تھا۔ جو آج تک کسی نے نہیں پڑھا۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ درود کیا ہے فرمایا:۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ علیٰ محمدٍ کلّ ما ذکرہ الذاکرون وصلّ علیٰ محمدٍ کل ما غفل عنہ الغافلون۔

اس واقعہ کے بعد ہمیں اس حدیث پر غور کرنا چاہیے جو حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے۔ اور جس کو امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہٗ و امام ترمذی و ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ السلام سے سُنا آپ فرماتے تھے کہ میری اُمت سے ستر ہزار اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور تین لب پروردگار عالم کے لبوں سے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں جائیں گے۔ اس لحاظ سے یہ بشارت عظمیٰ حضرت امام عالی مقام کے علوِ شان کی دلیل ہے۔

امام صاحب کی تصانیف نافعہ

امام ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ جس فصاحت و بلاغت سے تقریر فرمایا کرتے تھے اور جو محاورات عرب ان کی گفتگو میں ہوتے تھے۔ ان کے سمجھنے کے لیے بھی انسان میں کافی علم کی ضرورت تھی۔ عرب کے فصیح و بلیغ ان کی تقریر سن کر سر دھنتے تھے۔ اگر وہ اپنی تصانیف میں بھی یہی اسلوب بیان اختیار فرماتے تو غالباً ان کا سمجھنا دشوار ہوتا تا آنکہ انسان کا علم مکمل نہ ہوتا۔ آپ نے اپنی تصانیف میں اتنی سلیس و آسان زبان استعمال فرمائی ہے جس میں تمام خوبیاں ہیں یہ بھی آپ کا "اعجاز" ہے۔ اتحاف النبلا میں نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے بحوالہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تصریح کی ہے کہ آپ کی تصانیف ایک سو تیرہ تھیں۔ توالی التاسیس میں بحوالہ امام بیہقی حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مصر میں چار سال تک بڑی کاوش سے آپ نے ان کتابوں کو مرتب فرمایا:

رسالۂ قدیم۔ رسالۂ جدید۔ اختلاف الحدیث۔ جماع العلم۔ ابطال الاستحسان احکام القرآن۔ بیان الفرض صفتہ الامر والنہی۔ اختلاف مالک والشافعی۔ اختلاف عراقیین۔ اختلاف محمد بن الحسن۔ کتاب علی وعبد اللہ۔ فضائل قریش اور کتاب الام جس کے ابواب یہ ہیں۔ طہارات۔ الصلوٰۃ بشمول صلوٰۃ جمعہ صلوٰۃ خوف صلوٰۃ عید صلوٰۃ کسوف، صلوٰۃ استسقاء۔ نوافل۔ تارک نماز کا حکم۔ نماز جنازہ۔ زکوٰۃ۔ صدقات کے اقسام۔ روزہ۔ اعتکاف۔ حج کے احکام۔ کتاب البیوع۔ صرف۔ بیع سلم۔ رہن کبیر رہن صغیر۔ حجر و تفلیس۔ تمام معاملات۔ وصایا۔ فرائض۔ احیاء اموات۔ ودیعۃ یا

امانت لقطہ، کتاب النکاح اور اس کے تعلقات، جنایات کتاب قتال اہل بغی، کتاب الجہاد سیر الاوزاعی، سیر الواقدی، کتاب الاطعمہ، کتاب الاشربہ، کتاب الضحایا۔ کتاب الصید و الذبائح، قضا بالیمین و الشاہد، کتاب الدعوی و البینات، کتاب الاقضیہ، کتاب الایمان و النذور، کتاب العتق، کتاب الشروط، کتاب الام کے یہ عنوان تقریباً ایک سو چالیس ہیں، اور امام حرملہ نے آپ کی ایک تصنیف کو مرتب کیا ہے، جس کا نام کتاب السنن ہے، مبسوط ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں، حضرت امام شافعی نے صحیح احادیث و آثار کے علم کے بعد اپنے قول قدیم سے رجوع فرما کر پھر فقہ جدید کو مرتب کیا ہے، جس کا اور امام مزنی نے آپ کی ایک کتاب کو مرتب کیا جس کا نام کتاب مبسوط ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں، حضرت امام شافعی نے صحیح احادیث و آثار کے علم کے بعد اپنے قول قدیم سے رجوع فرما کر پھر فقہ جدید کو مرتب فرمایا ہے، ایسے مسائل کا علم حضرت امام احمد بن حنبل و حضرت امام حمیدی استاد امام بخاری، ربیع بن سلیمان، امام بویطی، امام مزنی، امام حرملہ کو تھا، اور یہ حضرات اپنے سارے شاگردوں کو حضرت امام کی یہ وصیت پہنچاتے رہے کہ اگر کبھی کوئی صحیح حدیث آپ کے قول کے معارض مل جائے تو وہی آپ کا مذہب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے علامہ ابوطاہر مدنی سے امام صاحب کا رسالہ حدیث و فقہ و کتاب الام کو شروع سے آخر تک پڑھا اور استنباط مسائل میں حضرت شاہ صاحب کے پیش نظر ہمیشہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے اصول رہے، شاہ صاحب نے انصاف، عقد الجید، حجۃ اللہ البالغہ اور مصفی و مسوّیٰ میں جگہ جگہ اس کی وضاحت فرمائی ہے، کتاب الام کی ضخامت تقریباً چار ہزار صفحات ہے اور رسالہ امام کی ضخامت ۸۲ صفحات ہے، یہ رسالہ عربیت، بلاغت اور مصطلحات علمی کا مجموعہ ہے اور بے حد مشکل ہے۔

مصر میں کتاب الام سات جلدوں میں ۱۳۲۱ھ میں بار ثانی شائع ہوئی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے جس قدر الباب کی تصریح فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ مطبع مصر نے اس کے حاشیہ پر اور کچھ اس کے ساتھ یہ کتابیں بھی چھاپ دی ہیں۔ کتاب اختلاف العراقین۔ کتاب اختلاف مع محمد بن الحسن۔ کتاب ما اختلف فیہ ابو حنیفہ وابن ابی لیلیٰ۔ کتاب اختلاف علی وعبداللہ بن مسعود۔ کتاب اختلاف مالک والشافعی۔ کتاب البطال الاستحسان۔ سیر الاوزاعی۔ سیر الواقدی مسند امام شافعی۔ کتاب اختلاف الحدیث اور امام مزنی رحمۃ اللہ کی کتاب المختصر۔

حضرت امام کی کل تصانیف پر تبصرہ تو آئندہ اوراق میں مفصل ہوگا۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے۔ کہ یوں تو آپ کی تمام تصانیف حرز جان بنانے کے قابل ہیں۔ لیکن ان میں اصولی طور پر یہ کتابیں انتہائی غور وفکر کے قابل ہیں۔ رسالہ اصول احکام القرآن۔ اختلاف الحدیث۔

رسالہ اصول میں آپ نے اصول فقہ وحدیث متعین فرمائے ہیں۔ اور امتداد زمانہ سے فقہ میں جو کدورتیں اور احادیث میں غلط بیانیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ ان کے مٹانے کے لئے اور ان کی اصلاح کے لیے ممالک اسلامیہ کا سفر کرکے ان سب کو سمجھا، غور کیا اور پھر ایسے نفیس اصول وضع فرمائے جو آج تک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً قیاس کے متعلق آپ کا نظریہ یہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ قیاس قرآن پر مبنی ہو یا سنت صحیحہ پر۔ اس کی وضاحت یہ ہے۔ قرآن وسنت راشدہ میں جو قوانین ہیں۔ وہ محدود ہیں۔ جو صورتیں امتداد زمانہ سے پیش آتی رہتی ہیں یا آتی رہیں گی وہ غیر محدود ہیں۔ اس لیے جب کوئی واقعہ پیش آئے تو پہلے قرآن و حدیث میں غور وفکر کرنا چاہیے۔ اور صحابہ کرام کے تعامل پر بھی نظر کرنی چاہیے۔ ایسی صورت میں ان میں سے کسی ایسے واقعہ پیش آمدہ کے متعلق کوئی بات مل جائے۔ جو

صورت حال کے چند پہلوؤں سے تو یکساں ہو، مگر ہو بہو وہی نہ ہو۔ تو قرآن و حدیث کے بیان شدہ امر اور پیش آمدہ واقعہ میں مماثلت پیدا کرنے کے لیے ہمیں یہ حق حاصل ہے، کہ ہم اس امر کی جستجو کریں، کہ قرآن و حدیث کے اس قاعدہ مغیہ کی علت اور وجہ کیا تھی، پھر ہم بھی اس علت کی بنا پر قیاس کے مجاز ہیں۔ قیاس کے متعلق اس دقیقہ سنجی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بڑے بڑے محدثین نے آپ کی اس رائے کو تسلیم کر لیا۔ بہرنوع یہ تو رسالہ کی ایک ادنیٰ مثال ہے، اسی طرح احکام القرآن و کتاب العلل میں آپ کی بے مثال نکتہ آفرینیاں ہیں، جن کی وضاحت آئندہ اوراق میں کی جائے گی۔

امام صاحب کے شیوخ واساتذہ کا مختصر تذکرہ

پہلے آپ کے شیوخ کا تذکرہ مناسب ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے توالی التاسیس میں وضاحت فرمائی ہے۔ کہ آپ کے شیوخ یا جن حضرات سے آپ نے استفادہ فرمایا اُن کی تعداد ۸۰ ہے۔ ان میں مشہور ترین ائمہ یہ ہیں۔ مسلم بن خالد زنجی، حضرت فضیل بن عیاض زاہد، امام سفیان بن عیینہ، امام مالک بن انس، وکیع بن جراح، یحییٰ بن سعید قطان، محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک، امام محمد بن حسن، عبد اللہ بن مبارک مروزی ابراہیم بن سعد انصاری۔

مسلم بن خالد زنجی فقیہ مکہ

تہذیب التہذیب جلد ۱۰/ ۱۲۰ وتذکرۃ الحفاظ جلد ۱/ ۲۳۵ کا ماحصل یہ ہے، یہ اپنے زمانہ میں شیخ الحرم تھے۔ انہوں نے محمد بن شہاب زہری۔ عمرو بن دینار، زید بن اسلم اور ہشام بن عروہ سے تو احادیث روایت کی ہیں۔ اور فقہ کا علم امام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج فقیہ حرم سے حاصل کیا جن کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ۳۰ برس تک مسلم بن خلد زنجی شیخ الحرم رہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اوائل عمر میں فقہ انہیں سے حاصل کی رجملہ محدثین ان کے تفقہ کے معترف ہیں، فن حدیث کے متعلق محدثین سے ان میں یہ کلام کیا ہے۔ کہ روائتوں کو آخر عمر میں محفوظ نہ رکھ سکے۔

حضرت فضیل بن عیاض بن مسعود رضؓ

آپ اولیاء کرام و محدثین میں ممتاز ہیں۔ خراسان کے رہنے والے تھے اور مکہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ تہذیب التہذیب جلد ۸/ ۲۹۴ وصفۃ الصفوہ جلد ۳/ ۱۳۴ کا

ماحصل یہ ہے۔ آپ نے اعمش یحییٰ بن سعید انصاری، امام جعفر صادق سے اور حمید الطویل سے روائتیں کی ہیں۔ اور آپ سے عبداللہ بن مبارک، قتیبہ بن سعید، اصمعی اور امام شافعی رحمہم اللہ وغیرہم نے روائتیں کی ہیں۔ مکہ مکرمہ میں ۱۸۷ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ تمام محدثین آپ کی جلالتِ شان کے معترف ہیں۔ محدثین کے آپ کے متعلق یہ الفاظ ہیں۔ ثقتہ۔ نبیلا۔ فاضلاً۔ عابداً۔ ورعاً۔ کثیر الحدیث آپ دنیا اور اہل دنیا کے مقابلہ میں خلوت کو پسند فرماتے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ سے آپ کو بے حد محبت تھی زہد و ورع کی تعلیم حضرت امام نے آپ ہی سے حاصل فرمائی اور یہ واقعہ ہے۔ کہ حضرت فضیل کے تعلیمی تاثرات امام شافعی کی زندگی میں آخر عمر تک نمایاں رہے۔ علامہ ابن جوزی نے آپ کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

فضل بن ربیع بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید جب حج کو آئے۔ تو میرے گھر تشریف لائے۔ میں نے خلیفہ سے عرض کیا۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھے بلوالیا ہوتا۔ خلیفہ نے کہا اس بات کو تو چھوڑ دو۔ چلو مکہ کے فضلا سے ملیں۔ میں نے عرض کیا یہیں قریب ہی امام سفیان بن عیینہ رہتے ہیں۔ کہا وہیں چلو۔ ان کے مکان پر پہنچے دستک دی۔ سفیان بن عیینہ نے فرمایا۔ کون ہے۔ میں نے کہا امیر المومنین تشریف لائے ہیں۔ وہ فوراً باہر تشریف لائے۔ اور خلیفہ سے کہا۔ آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھے بلوالیا ہوتا۔ خلیفہ نے کہا۔ ہم تو آپ کو کچھ نذر کرنے لائے ہیں۔ یہ کہہ کر نذرانہ پیش کیا۔ اور یہ دریافت کیا۔ آپ پر کچھ قرض تو نہیں ہے۔ حضرت سفیان نے فرمایا۔ جی ہاں ہے۔ خلیفہ نے حکم دیا اے ابوعباس آپ کا قرض ادا کر دو۔ خلیفہ نے کہا اور کہیں چلو۔ میں نے کہا یہ قریب میں امام عبدالرزاق بن ہمام رہتے ہیں۔ ہم وہاں پہنچے۔ دستک دی۔ اندر سے آواز آئی کون ہے۔ میں نے کہا امیر المومنین، وہ بھی فوراً برآمد ہوئے۔ اور خلیفہ سے کہا آپ نے کیوں تکلیف فرمائی مجھے بلوالیا ہوتا۔ خلیفہ نے ان کو بھی کچھ نذر کیا اور پوچھا آپ پر کچھ قرض

ہے۔ فرمایا، ہاں خلیفہ نے حکم دیا اے ابوعباس آپ کا قرض بھی ادا کر دو۔ خلیفہ نے مجھ سے کہا میری منشا یہاں بھی حاصل نہ ہو سکی اور کسی کو بتا دیں نے کہا یہیں پاس حضرت فضیل بن عیاض ہیں۔ کہا وہاں چلو۔ وہاں جب پہنچے تو گھر میں سے ان کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی، وہ قرآنی آیت کو بار بار نماز میں دہرا رہے تھے، جب وہ فارغ ہوئے تو ہارون الرشید نے کہا دستک دو۔ میں نے دستک دی، پوچھا کون ہے، میں نے کہا امیر المؤمنین آپ سے ملنا چاہتے ہیں، اندر سے جواب دیا، مجھے امیر المومنین سے کچھ غرض نہیں ہے۔ میں نے کہا کیا حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد نہیں ہے۔ کہ مسلمان پر لازم ہے وہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے۔ یہ سن کر دروازہ کھولا اور کھڑکی پر چڑھ کر چراغ گل کر دیا اور گھر کے ایک گوشے میں سمٹ کر بیٹھ گئے، ہم دونوں ان کو اندھیرے میں ٹٹولنے لگے، اتفاقاً ہارون الرشید کا ہاتھ ان سے لگ گیا۔ وہ چونکے تو ہارون رشید نے کہا۔ آپ یہ نذر تو قبول کیجئے۔ آپ نے فرمایا، امیر المؤمنین سنئے حضرت عمر بن عبد العزیز جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرو، محمد بن کعب القرظی اور رجاء بن حیوٰۃ کندی کو بلا کر فرمایا۔ اے اصحاب کرام میں اس بلا میں (خلافت) مبتلا ہو گیا ہوں۔ اب آپ حضرات کا کیا مشورہ ہے۔ چونکہ میں ایسے مقدس حضرات کے وجود کو خدا کا انعام سمجھتا ہوں۔ اس پر حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، اے عمر تمہاری زندگی دنیا میں روزہ دار کی طرح ہو اور تمہارا افطار موت کے وقت ہو۔ پھر محمد بن کعب القرظی نے فرمایا، اے عمر اگر خدا کے عذاب سے نجات چاہتے ہو تو ممتاز، متدین اور صالحین امت کو اپنا باپ سمجھو اور متوسط الحال کو اپنا بھائی اور چھوٹوں کو اپنی اولاد۔ اس نقطۂ نظر سے اپنے بزرگوں کا احترام اور اپنے بھائیوں پر اکرام اور اپنے چھوٹوں پر نظر و رگذر رہے گی۔ پھر حضرت رجاء بن حیوٰۃ کندی نے فرمایا۔ اے عمر اگر کل بروز حشر خدا کے عذاب سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو جو بات تم اپنے لیے پسند کرو وہی عام مسلمانوں کیلئے پسند کرتے رہنا اور جو اپنے لیے ناپسند کرو وہی عام مسلمانو کیلئے پسند

کرتے رہنا۔ پھر جب چاہو مر جانا۔

اس لیے اب میں آپ سے یہ کہتا ہوں۔ کہ جس دن اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا جائیں گے اس دن کے تصور سے ڈر رہا ہوں کہ وہاں آپ کا کیا حشر ہوگا۔ یہ تو بتائیے کہ جس طرح عمر بن عبدالعزیز کے ایسے مقدس مشیر تھے۔ آپ کے کون سے مشیر ہیں۔ ہارون الرشید یہ سن کر اس قدر رویا کہ بے ہوش ہو گیا۔ جب قدرے سکون ہوا۔ تو میں نے حضرت فضیل سے کہا۔ آپ امیر المومنین سے ذرا نرم گفتگو فرمائیے۔ فضیل بولے اے ابن ام ربیع تم اور تمہارے ساتھی تو امیر المومنین کو قتل کر رہے ہیں۔ اور میں نرمی کروں۔ اس پر ہارون رشید ذرا سنبھلا پھر کہا۔ آپ تو اور بھی کچھ کہئے پھر آپ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد کا ایک اور واقعہ یاد دلایا۔ جس پر پھر ہارون رشید خوب ہی رویا اور بار بار یہ کہتا جاتا تھا۔ کہ اور کہو۔ آپ نے فرمایا سنو حضرت عباسؓ رسول کریم کے چچا آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کسی امارت پہ مجھے بھی مقرر فرما دیجئے فرمایا یہ امارت قیامت کے دن ندامت و افسوس کا سبب ہوگی۔ ہارون رشید اس پہ بھی خوب رویا اور کہا خدا آپ پہ رحم فرمائے اور کچھ کہیے۔ پھر فرمایا۔ اے حسین و جمیل تم سے قیامت کے دن مخلوق خداوندی کا سوال ہوگا۔ اس لیے ہوشیار ہو جاؤ۔ اگر تم اپنے اس حسین چہرے کو آگ سے بچا سکتے ہو۔ تو یہیں بچا لو اور خبردار یاد رکھنا کہ صبح یا شام تمہارے دل میں تمہاری رعایا کی طرف سے کوئی ذاتی عناد نہ رہے چونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ جو رعایا کی جانب سے میل یا غبار رکھتا ہے۔ اس کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ ہارون رشید خوب رویا پھر کہا آپ پہ کچھ قرض ہے۔ فرمایا۔ ہاں میرے خدا کا مجھ پہ قرض ہے جس کا وہ آخرت میں حساب لے گا۔ اس نے مجھے یہ حکم دیا تھا۔ کہ میں نے تم کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور میں رزق پہنچانے کا ذمہ دار ہوں مجھے نہیں معلوم میرا کیا حشر ہوگا۔ ہارون رشید نے کہا یہ ہزار دینار نذر ہیں ۔ ان کو لیجئے اور اپنے بچوں پر خرچ

کیجئے، فرمایا سبحان اللہ میں تو تمہیں نجات کا راستہ بتاتا ہوں۔ اور تم اس کے بدلے مجھے گڑھے میں دھکیل رہے ہو۔ پھر آپ چپ ہو گئے اور کوئی بات نہ کی، ہارون رشید نے ربیع سے کہا۔ سنو۔ مجھے تو ایسے آدمیوں کے پاس لے چلا کرو۔ یہ شخص سید المسلمین ہے، علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں۔ کہ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ اور میں نے ان کے محامد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اکابر تابعین آپ کے اُستاد ہونے کے باوجود آپ کا بے حد ادب فرماتے تھے۔ آپ کو امام شافعی سے اور امام شافعی کو آپ کی ذات سے خاص نسبت تھی۔

حضرت سفیان بن عیینہ رح

تذکرۃ الحفاظ جلد ۱/۲۴۲ صفۃ الصفوہ جلد ۳/۱۳۰
تہذیب التہذیب جلد ۴/۱۱۷۔

آپ کی پیدائش ۱۰۷ھ میں ہوئی آپ نے فن حدیث عمرو بن دینار، امام زہری بن اسلم، عبداللہ بن دینار، منصور بن معتمر اور دیگر ائمہ حدیث سے حاصل کیا اور آپ سے اعمش، شعبہ عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی۔ امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین امام اسحٰق بن راہویہ اور امام شافعی رحمہم اللہ نے روائتیں کی ہیں۔

محدثین بالاتفاق فرماتے ہیں۔ آپ امام تھے۔ حجۃ الاسلام تھے، حافظ حدیث زاہد عابد اور مکہ مکرمہ میں اپنے وقت کے ممتاز ترین امام تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر امام مالک و امام سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز میں علم حدیث نہ ہوتا۔ امام صاحب فرماتے ہیں احکام کی احادیث امام مالک کے پاس منجملہ ۵۰۰ کے ۴۶۵ تھیں اور امام سفیان بن عیینہ کے پاس ۹۹۵ تھیں۔ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ امام سفیان بن عیینہ حجازیوں میں سب سے زیادہ واقف حدیث تھے امام بخاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ امام سفیان بن عیینہ حماد بن زید سے زیادہ حافظ حدیث ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۹۸ھ میں ہوا۔ آپ کی عمر ۹۱ سال ہوئی۔ آپ نے ستر حج کیے۔ آپ خود فرماتے ہیں

کہ میدانِ عرفات میں جب میں توبہ کیا کرتا تھا تو یہ عرض کرتا تھا۔ الٰہی اس مقدس مقام میں میرا یہ عہد آخری نہ ہو۔ ستر حج ہو چکے اس لیے اب خدا سے اس سوال کے کرنے میں شرم آتی ہے۔ چنانچہ اسی سال آپ کا انتقال ہو گیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عرصہ تک آپ کے فیض صحبت سے مستفیض رہے۔

حضرت امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ سے جب کوئی شخص قرآن کی تفسیر، فتویٰ تشریح لغت یا اختلاف حدیث کے متعلق سوال کرتا تو آپ یہ فرما دیتے تھے کہ ہماری مجلس میں یہ قریشی نوجوان محمد بن ادریس شافعی تو موجود ہیں۔ ان سے پوچھو۔ آپ ہر بات کا جواب دیتے۔ اختلافِ حدیث کو قرآن کی تفسیر اور لغات کی تشریح کو اس خوبی سے بیان فرماتے کہ امام سفیان بن عیینہ نے متاثر ہو کر ارشاد فرمایا کہ اب تم مستقل اپنا حلقۂ درس و فتویٰ حرم محترم میں قائم کر لو۔ مجھے تم پر اور تمہارے علم پر تمہاری ذہانت و حافظہ پر کامل اعتماد ہے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے حضرت سفیان بن عیینہ سے دریافت کیا کہ کوفہ والوں کا یہ مذہب ہے کہ تیمم کے لیے مٹی کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور ان کے بعض شاگرد صعید وجہ ارض کو کہتے ہیں اگرچہ پتھر بلا غبار کے صاف ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے آپ کا کیا فتویٰ ہے۔ آپ نے امام شافعی رحمۃ اللہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ جواب دیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ خدا نے قرآن میں دو جگہ تیمم کا حکم دیا ہے۔ ایک تو یہ ہے فتیمموا صعیداً طیباً۔ یعنی تم پاک مٹی سے تیمم کرو۔ دوسری جگہ فامسحوا برؤسکم و ایدیکم منہ یعنی کچھ مٹی اپنے ہاتھ اور منہ پر مل لو۔ اس لیے عراقیوں کا جواب یہ ہے۔ کہ کلام عرب میں لایقع اسم الصعید الا علیٰ تراب ذی غبار۔ یعنی لفظ صعید کا اطلاق غبار والی مٹی پر ہوتا ہے۔ اس لیے پتھر پر تا آنکہ غبار نہ ہو تیمم ناکافی ہے۔ اس کے علاوہ دوسری آیت نے اس کی وضاحت کر دی کہ تا آنکہ مٹی منہ اور ہاتھوں پر نہ لگے۔ تیمم نہیں

ہوسکتا۔ امام سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ یہ سُن کر بے حد خوش ہوئے۔

امام مالک بن انس

مالک بن ابی عامر کے تین لڑکے تھے۔ انس۔ ربیع اور ابو سہیل نافع، امام مالک کے چچا ابوسہیل نافع ثقات، تابعین اور مشہور محدث ہیں امام مالک نے بھی ان سے روایتیں کی ہیں۔

تہذیب التہذیب جلد ۱۰/۵ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱/۱۹۳ صفتہ الصفوہ جلد ۲/۹۹ کا ماحصل یہ ہے آپ نے زید بن اسلم، نافع مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ حمید الطویل، سعید المقبری، ابوحازم سلمہ بن دینار۔ امام زہری، ہشام بن عروہ و امام جعفر صادق علیہم الرضوان و دیگر محدثین کرام و تابعین عظام سے آپ نے روایتیں کی ہیں اور آپ سے ہزاروں نے روائتیں کی ہیں۔ منجملہ ان کے امام شافعی، عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمٰن بن مہدی مکی بن ابراہیم ہیں تمام محدثین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ آپ کی ذاتِ گرامی۔ علم و عمل تقوی و زہد میں ممتاز ترین ہے۔ جس قدر بلند القاب ہو سکتے ہیں۔ وہ سب آپ کی ذاتِ گرامی پر موزوں ہیں۔

آپ خود فرماتے ہیں کہ جب تک کہ ستر آدمیوں نے یہ فیصلہ نہ کر دیا کہ میں فتویٰ دینے کے قابل ہوں۔ اس وقت تک میں نے فتویٰ نہیں دیا۔ آپ کے حکیمانہ ارشادات یہ ہیں:۔

۱۔ علم کا مدار کثرت روایت پر نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو ایک نور ہوتا ہے۔ جو خدا کی جانب سے قلب پر القا کیا جاتا ہے۔

۲۔ علم حدیث دین ہے۔ ذرا دیکھ لو کہ کس سے حاصل کرتے ہو۔ میں نے مسجد نبوی کے ان ستونوں کے پاس ستر آدمیوں کو دیکھا ہے جو قال رسول اللہ قال رسول اللہ کہا کرتے تھے۔ لیکن میں نے ان میں سے ایک بھی روایت کو نہیں لیا۔ حالانکہ وہ سب انتہائی ایماندار تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا۔ وہ جو کہتے

تھے اُسے خود نہیں سمجھتے تھے۔

۳۔ آپ کے شیوخ میں ایک بھی عراقی نہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا فرمایا میں کیا اُن سے روایت کروں، وہ یہاں آکر ان لوگوں سے روایتیں سیکھتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں، جن پر وثوق نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ علامہ ذہبی نے اسمٰعیل بن داؤد المخزاقی سے روایت کیا ہے۔ کہ میں نے امام مالک سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے امام ربیعہ سے سُنا وہ فرماتے تھے اس مقدس مقام کے رب کی قسم میں نے کسی عراقی کو کامل سمجھدار نہیں پایا۔

۵۔ امام ذہبی نے بواسطہ معن بن عیسیٰ روایت کیا ہے کہ ہارون رشید مع قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے حج کے لیے جا رہے تھے۔ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ امام مالک سے بھی ملے اور آپ کا بیحد احترام کیا۔ قاضی ابو یوسف نے امام مالک سے ایک مسئلہ پوچھا آپ خاموش رہے۔ پھر دوبارہ پوچھا تو بھی آپ خاموش رہے۔ اس پر ہارون رشید نے عرض کیا اے ابو عبیدہ اللہ یہ ہمارے قاضی یعقوب ہیں۔ جو آپ سے مسئلہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کاش آپ مجھ کو لغو آدمیوں میں بیٹھتے دیکھیں تو اس مجلس میں ان کا جواب دے سکتا ہوں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تمام سندوں میں ممتاز سند یہ ہے:۔

مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت امام مالک جہاں بلند پایہ محدث تھے وہاں ممتاز فقیہہ تھے۔ اہل حجاز کو آپ پر امام سفیان بن عیینہ رحمہما اللہ پر اعتماد و اثق تھا۔ آپ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۷۹ھ میں انتقال فرمایا۔ ۸۶ برس کی عمر ہوئی۔ ۱۱۷ھ میں مسند درس پر قدم رکھا۔ ۶۲ برس تک درسِ حدیث میں مشغول رہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ کو مکہ میں جب آپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو آپ

بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمانے لگے ما توک علیٰ وجہ الارض مثلہ یعنی روئے زمین پہ اپنا ثانی نہ چھوڑا۔

آپ کے بعض عادات مسجد نبوی میں شور و غل ناپسند فرماتے تھے اور یہ ارشاد ہوتا رہتا تھا کہ یہ آستانۂ نبوت پر گستاخی ہے۔ کثرت سے گھوڑے تھے۔ مگر کبھی سوار ہو کر نہ نکلے۔ حدیث پڑھانے میں کسی کی جرأت نہ ہوتی کہ بلند آواز سے گفتگو کرے۔ حضور علیہ السلام کا جب اسم مبارک آ جاتا تو کانپ اُٹھتے اور چہرہ زرد ہو جاتا۔

امام مالک کے بارے میں شافعی کی رائے! حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ سے جب کسی نے آپ کے متعلق پوچھا تو فرمایا امام مالک و سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز میں علم حدیث نہ ہوتا۔ امام شافعی سے آپ کو بڑی محبت تھی۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے ایک مرتبہ امام مالک کے خراسانی گھوڑوں اور مصری خچروں کی تعریف کی کہ یہ بہت عمدہ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا یہ سب میری جانب سے تمہارے لیے نذر ہیں۔ امام شافعی نے عرض کیا کہ آپ اپنی سواری کے لیے ایک تو رہنے دیجیے۔ فرمایا نہیں تم سب لے جاؤ مجھے اس بات سے شرم آتی ہے۔ کہ جس شہر کی زمین میں حضور علیہ السلام مدفون ہیں۔ وہاں میں سوار ہو کر پامال کرو۔ چنانچہ پورا اصطبل بڑی محبت و خوشی سے امام شافعی رحمۃ اللہ کے نذر کر دیا۔

ان ائمہ کرام کی علو شان کا اندازہ ان کے تذکرے سے ہو سکتا ہے۔ حضرت امام کے دیگر شیوخ کا تذکرہ بہت طویل ہو جائے گا۔ اس لیے ان کے اسمار مبارک بلحاظ حروف تہجی پیش ہیں۔ یہ شیوخ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمن، عراق اور مصر کے ممتاز ترین ہیں۔

ابراہیم بن سعد بن ابراہیم الزہری ۔ ابراہیم بن عبد العزیز بن ابی محذورہ ۔ ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ ۔ ابراہیم بن ہرم ۔ اسامہ بن زید بن اسلم ۔ اسحٰق بن یوسف الازرق اسمٰعیل بن ابراہیم بن مقسم ۔ اسمٰعیل بن جعفر بن ابی کثیر ۔ اسمٰعیل بن عبد اللہ بن قسطنطین انس بن عیاض ۔ ابو ضمرۃ اللیثی ۔ ایوب بن سوید الرملی ۔ جعفر بن ابراہیم الطائی ۔ حاتم بن اسمٰعیل المدنی ۔ الحارث بن عمیر البصری ۔ الحر بن ابراہیم حسین الاشج ۔ حماد بن اسامہ حماد بن زید البصری ۔ حماد بن خلیف ۔ داؤد بن عبد الرحمٰن عطار ۔ سعید بن سالم القداح سعید بن سلمٰی ۔ سعید بن مسلمہ ۔ سفیان بن عیینہ ۔ سلیمان بن عمر ۔ سماک بن فضل الجندی ۔ ضحاک بن عثمان ۔ عباد بن عوام ۔ عبد اللہ بن ادریس اودی ۔ عبد اللہ بن حارث مکی ۔ عبد اللہ بن مومل ۔ عبد اللہ بن نافع الصائغ ۔ عبد اللہ بن ولید عدنی ۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر الملیکی ۔ عبد الرحمٰن بن حسن ۔ عبد الرحمٰن بن ابی زناد ۔ عبد الرحمٰن بن عبد اللہ العمری ۔ عبد العزیز بن عبد اللہ ۔ عبد العزیز بن محمد دراوردی ۔ عبد المجید بن عبد العزیز ۔ عبد الکریم بن محمد خراسانی عبد الملک بن ولید ۔ عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی ۔ عطاف بن خالد ۔ عمر بن عبد الرحمٰن ۔ عمرو بن حبیب ۔ عمرو بن ابی سلمہ ۔ عمرو بن یحییٰ ۔ فضیل بن عیاض ۔ قاسم بن عبد اللہ ۔ مالک بن انس ۔ محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک ۔ محمد بن حسن شیبانی ۔ محمد بن خالد جندی ۔ محمد بن عباس الشافعی ۔ محمد بن عمر الواقدی ۔ محمد بن عبد اللہ انصاری ۔ محمد بن عثمان ۔ محمد بن علی بن شافع ۔ محمد بن یزید واسطی ۔ مروان بن معاویہ الفزاری ۔ مسلم بن خالد زنجی ۔ مطرف بن مازن صنعانی ۔ معاذ بن موسیٰ جعفری ۔ ہشام بن یوسف ۔ وکیع بن جراح ۔ یحییٰ بن حسان ۔ یحییٰ بن سعید قطان ۔ یحییٰ بن سلیم مکی ۔ یزید بن عبد الملک ۔ یعقوب بن فضاء ۔ یوسف بن اسود ۔ یوسف بن خالد ۔ یوسف بن عمرو ۔ یوسف بن یعقوب ابن ابی الکنات الخزاعی المکی ۔

سے قوال اتاسیس

کچھ فقہ، تفقہ اور اجتہاد کے بارے میں

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے اجتہادات و اصلاحات کے بیان سے قبل فقہ کی تاریخ اور تعریف پیش نظر ہونی چاہیے۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۸۰۷ پر فقہ کی جامع تعریف یہ ہے۔

فقہ کی تعریف

مکلف انسانوں کے افعال و اعمال احکام خدا (از قبیل وجوب و حرام و حلال و مباح) کا جاننا فقہ کہلاتا ہے۔ یہ علم کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے مقرر کردہ اصول و احکام سے مستنبط و ماخوذ ہے، جو احکام کتاب و سنت کے مبادی اصول سے نکالے جاتے ہیں فقہی کہلاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ علم فقہ کی ترتیب و تدوین میں صحابۂ کرام کے مساعی جمیلہ کا جو حصہ شامل ہے، اس کی تاریخ ان عنوانات میں بیان کی جاسکتی ہے

صحابۂ کرام نے حضور علیہ السلام سے فقہ کی تعلیم کس طرح حاصل کی۔

صحابہ کے کتنے طبقات تھے۔

انہوں نے تابعین کو کس طرح فقہ کی تعلیم دی؟

انہوں نے اصول فقہ کے کس قدر قواعد جاری کیے؟

صحابۂ کرام کے اختلافی مسائل کا کیا منشا تھا؟

عہد نبوت میں علم فقہ بلکہ کوئی علم مدون نہ تھا۔ اس لیے صحابہ سوال و استفسار کے ذریعہ سے بے شبہ حضور علیہ السلام سے مسائل دریافت کرتے رہتے تھے یا یہ طریقہ تھا کہ صحابۂ کرام حضور علیہ السلام کے تمام اعمال مثلاً وضو، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا

کا بغور مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ کبھی قرائن سے اور کبھی استفسار سے ان کے شروط وارکان کو فرض، واجب، مباح یا منسوخ قرار دیتے تھے۔ صحابیات کو اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا کم موقع ملتا ہے۔ وہ زیادہ تر اپنے طبقہ کے ضروری مسائل دریافت کرتی تھیں۔ ان میں بھی انصاری عورتیں ذرا جرأت سے کام لیتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں:

نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء یتفقھن فی الدین۔

انصاری عورتیں کس قدر اچھی ہیں کہ تفقہ فی الدین سے ان کو حیا باز نہیں رکھ سکتی جو صحابہ مدینہ منورہ سے باہر رہتے تھے ان کو بھی ہر وقت اس کا موقع نہیں مل سکتا تھا اس لیے وہ لوگ حاضر خدمت ہو کر چند دن قیام کرتے تھے اور فقہی تعلیم حاصل کر کے اپنے اپنے وطن جا کر اپنی قوم کے خود معلم بن جاتے تھے۔ قرآن مجید میں اسی جانب اشارہ فرمایا گیا تھا۔ جس کی تعمیل ہوتی رہی۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ

تم میں ہر قوم سے ایک گروہ کیوں نہیں نکلتا جو تفقہ فی الدین حاصل کرلے اور جب اپنی قوم میں واپس جائے تو ان کو ڈرائے شاید وہ لوگ ڈر جائیں۔

فقہ کی تعلیم عہد نبوی میں

چنانچہ ایسی متعدد سفارتوں کا تذکرہ کتب احادیث میں موجود ہے۔ وفد عبد القیس نے خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم طویل مسافت طے کر کے آئے ہیں۔ درمیان میں کفار مضر حائل ہیں اس لیے اشہر حرم کے سوا ہم حاضر نہیں ہو سکتے ہم کو وہ احکام سکھا دیجئے جن کی ہم اپنی قوم کو تعلیم دیں۔ آپ نے۔ ایمان۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور خمس کا حکم

حکم دیا اور چند ظروف شراب کے استعمال کی ممانعت فرمائی اور فرمایا انہیں یاد کرلو اور واپسی پر اپنی قوم کو بھی سمجھاؤ۔[1] قبیلہ بنی سعد کی جانب سے حضرت ضمام بن ثعلبہ آئے اور نماز روزہ وغیرہ کے متعلق چند سوالات کرکے کہا کہ میں اپنی قوم کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہوں۔ ایسے متعدد واقعات ہیں۔

فقہائے صحابہ کے طبقات ثلثہ

۱۔ وہ جن سے بکثرت مسائل منقول ہیں۔
۲۔ وہ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔
۳۔ اور وہ جن سے ان دونوں کے بین بین مسائل منقول ہیں۔

پہلے طبقہ میں یہ سات حضرات ہیں، حضرت عمرؓ حضرت علی حضرت عائشہ حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت زید بن ثابت دوسرے طبقہ میں بہ کثرت عام صحابہ ہیں۔ آخری طبقہ میں تیرہ ممتاز صحابہ ہیں، حضرت ابوبکرؓ حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری حضرت سلمان فارسی، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاذ بن جبل حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان، حضرت ابوسعید خدری و حضرت ام سلمی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ طبقہ اول کے ان سات مقتدر صحابہ کے فرداً فرداً بڑے بڑے مجلدات مرتب کیے جاسکتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود

حضرت عبداللہ بن مسعود عرصہ تک کوفہ میں رہے حضرت عثمان کے عہد میں آپ وہاں سے واپس ہوئے، وہاں آپ کے تلامذہ میں حضرت علقمہ مسعود ہیں، ان کے بعد ان کے شاگرد امام ابراہیم نخعی ہوئے۔ ابراہیم نخعی نے فقہ کو مدون کیا جس کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہوا جس کے سب سے بڑے حافظ حماد تھے۔ انہیں سے امام ابوحنیفہ نے تعلیم پائی۔

---

[1] بخاری کتاب العلم [2] اعلام الموقعین۔

حضرت زید بن ثابتؓ

حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، یہ سب مستقل طور پر مدینہ منورہ میں رہے اور ان حضرات کی روایتوں کے جامع راوی حضرت سعید بن مسیب، امام نافع، حضرت عروہ بن زبیر اور حضرت قاسم بن محمد دیگر اکابر تابعین تھے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ انہیں حضرات کے فیوض سے مستفیض ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس

حضرت عبداللہ بن عباس کے تلامذہ نے مکہ مکرمہ کو دار العلوم بنایا اور چونکہ اکثر و بیشتر صحابہ کرام حج کے لئے مکہ جاتے رہتے تھے۔ اس لیے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے تلامذہ کو ان سے مستفیض ہونے کا کافی موقع ملتا رہا۔ چنانچہ ابن جریج، سفیان بن عینیہ امام مجاہد، عکرمہ و طاؤس صاحب درس و افتاء رہے۔

تدوین مسائل

جن مسائل کے متعلق احادیث موجود تھیں، اور ان میں باہم کوئی تعارض نہ تھا۔ ان کی بناء پر فتویٰ دینا آسان کام تھا اور اس فرض کو اکثر صحابہ انجام دیتے تھے۔ لیکن جن مسائل کے متعلق سرے سے حدیث ہی موجود نہ تھی ان کی تدوین کا پہلا طریقہ استنباط اور اجتہاد تھا، اس میں صرف حضرت عمرؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود خاص طور پر ممتاز تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اما غیرھولاء الاربعۃ فکانوا یبذلون وسعھم	ان چاروں کے علاوہ اور صحابہ مطلب
فی الدلالۃ علی الاحکام	ضرور سمجھتے تھے۔ لیکن ارکان شروط
ولکنھم کانوا یمیزون الرکن والشرط	آداب و سنن میں امتیاز نہیں کرتے تھے۔
من الادب والسنن ولم یکن	اور جن روایتوں میں تعارض ہوتا تھا یا

ھم قول عند تعارض الاخبار و تقابل الدلائل الا قلیلا کا بن عمر و عائشہ و زید بن ثابت	متضاد دلائل پیدا ہو جاتے ان میں بہت کم دخل دیتے تھے۔ جیسے حضرت ابن عمر حضرت عائشہ و زید بن ثابت۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ جو مسائل پیش آجاتے تھے۔ ان کے متعلق غور و فکر کئی کئی دن کرتے رہتے تھے تا آنکہ وہ حل ہو جاتے۔ بہت سے مسائل تو صحابہ کے مشورہ سے طے کر دیئے جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے۔ اس طریقہ کی ابتدا کی اور حضرت عمرؓ نے اس طریقہ سے بکثرت کام لیا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

کان من سیرۃ عمر انہ کان یشاور الصحابۃ دیناظرھم حتی تنکشف الغمۃ دیاتیہ الثلج فضار غالب تضایاہ فتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض و مغاربھا۔

حضرت عمر کا یہ طریقہ تھا۔ کہ صحابہ سے مسائل فقہیہ میں مشورہ اور مناظرہ کرتے رہتے تھے۔ تا آنکہ آپ کے دل میں اطمینان کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ دنیا میں آپ کے احکام و فتاوے کی پیروی کی گئی۔

اختلاف صحابہ

عہد فاروقی میں جب اکثر صحابہ ممالک مفتوحہ میں پھیلے اور ان کے سامنے نئے نئے واقعات پیش آئے۔ اس لئے ان میں سے جن کو احادیث یاد تھیں یا جو کچھ قرآن و حدیث سے مستنبط ہو سکتا تھا۔ ان کے مطابق وہ احکام دیتے تھے۔ لیکن جن مسائل کی ان کو معلومات نہ تھیں۔ ان میں ان کی آراء کا اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً۔

۱۔ ایک قابل غور واقعہ

ایک صحابی نے کسی مسئلہ کے متعلق حضور علیہ السلام کا فیصلہ سنا تھا۔ لیکن دوسرے صحابی کو اس کے

لہ حجۃ اللہ البالغہ

سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد و رائے سے کام لیا۔ جس کی مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ ایک یہ کہ یہ اجتہاد بالکل حدیث کے مطابق واقع ہوگیا۔ مثلاً ایک عورت کا شوہر تعیین مہر کے بغیر مرگیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے سوال کیا گیا آپ نے فرمایا مجھے اس کے متعلق حضور علیہ السلام کا فیصلہ نہیں معلوم لیکن لوگوں کے اصرار پر آپ نے اس کو مہر مثل اور میراث دینے کا فتویٰ دیا۔ اور عورت کو عدت کرنے کا حکم دیا۔ حضرت معقل بن یسار نے اس فتوے دینے کے بعد فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے بھی ایک عورت کے بارے میں ایسی صورت میں یہی فتویٰ دیا تھا۔ جس سے حضرت عبد اللہ بن مسعود بے حد خوش ہوئے۔

۲۔ اختلافِ صحابہ

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ دو صحابیوں میں اختلاف ہوا اس کے بعد ایک نے دوسرے کے سامنے حدیث پیش کی اور انہوں نے اپنے فتوے و رائے سے رجوع کیا مثلاً ابو ہریرہؓ کے خیال میں جو شخص رمضان میں صبح تک بحالتِ جنابت رہے۔ اس کا روزہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ لیکن ازواج مطہرات کے ذریعہ سے جب ان کو ان کے خیال کے مخالف روایت پہنچ گئی تو انہوں نے اپنی رائے کو تبدیل کر دیا۔ یا جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ غسل کے وقت عورتوں کو بال کھولنے کا حکم دیتے تھے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کو آپ کا یہ قول پہنچا تو آپ نے فرمایا ابن عمر عورتوں کو سر منڈانے ہی کا حکم کیوں نہیں دے دیتے۔ میں خود حضور علیہ السلام کے ساتھ نہائی تھی۔ اور میں سر پر صرف تین بار پانی ڈال لیتی تھی۔

۳۔ فہم نوعیت میں اختلاف

یا مثلاً حضور علیہ السلام نے کوئی کام کیا۔ بعض صحابہ کرام نے اس کو عبادت پر اور بعض نے اباحت پر محمول کیا۔ مثلاً زمانہ حج میں حضور علیہ السلام ابطح میں ٹھہرے حضرت ابو ہریرہ و حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا خیال ہے کہ ابطح میں اترنا و

ٹھہرنا مسنون ہے۔ اور سنن حج میں داخل ہے۔ لیکن حضرت عائشہ و حضرت عبداللہ بن عباس کی رائے میں یہ محض اتفاقی واقعہ تھا۔ اس کا سنن حج سے کوئی تعلق نہیں۔

۴۔ فعل رسول پر مختلف رائیں یا مثلاً حضور علیہ السلام کے کسی فعل کو صحابہ نے دیکھا اور اپنی اپنی رائے کے مطابق سب نے اس کی مختلف حیثیتیں قائم کرلیں۔ مثلاً حجۃ الوداع کے متعلق صحابہ کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض کے نزدیک آپ نے تمتع کا احرام باندھا۔ بعض کے نزدیک آپ "قارن" تھے اور بعض کے خیال میں آپ نے صرف حج کا احرام باندھا چنانچہ جس طرح یہ خیالات پیدا ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس نے اس کی تشریح فرمائی ہے

۵۔ سہو و نسیان کی بنا پر غلط فہمی سہو و نسیان جو فطری خاصہ ہے۔ اس بنا پر بھی اختلافات پیدا ہوئے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر کا خیال تھا کہ حضور علیہ السلام نے رجب میں عمرہ کیا لیکن حضرت عائشہؓ نے اس کو سہو و نسیان کا نتیجہ قرار دیا۔

۶۔ جزئیات کا عدم استحفاظ بعض اختلافات روایت کے تمام جزئیات محفوظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ مثلاً عبداللہ بن عمر نے یہ روایت کی ہے۔ کہ میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے جب یہ روایت سنی تو فرمایا کہ انہوں نے حدیث کو صحیح طور پر یاد نہیں رکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہودیہ مرگئی تھی۔ اس کے گھر والے اس پر نوحہ کر رہے تھے حضور علیہ السلام ادھر سے گذرے تو فرمایا کہ یہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں۔ اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ لیکن عبداللہ بن عمر نے میت پر رونے کو عذاب کی علت قرار دیا۔ حالانکہ یہ الگ الگ واقعے ہیں اور ان میں باہم علت و معلول

کا تعلق نہیں۔ اس طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، یہ روایت فرماتے ہیں کہ نحوست تین چیزوں میں ہے۔ مکان، عورت اور گھوڑا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کو جب علم ہوا تو فرمایا ان کو روایت کا پہلا حصہ غالباً یاد نہیں رہا۔ حضور علیہ السلام تو یوں فرما رہے تھے۔ خدا یہود کو برباد کرے، وہ یہ کہتے ہیں، کہ نحوست ان تین چیزوں میں ہے۔

اختلاف کا ایک اور سبب اختلاف کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ صحابہ میں کسی حکم کی علت کے سمجھنے میں اختلاف ہوا اس لیے اس کے نتائج بھی مختلف ہو گئے۔ مثلاً احادیث میں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کی روائتیں آئی ہیں۔ جس کے مختلف اسباب ہیں۔ اور یہ اسباب صحابہ کے فہم کے نتائج ہیں۔ بعض صحابہ کے نزدیک اس کی علت تعظیم ملائکہ ہے۔ ایسی صورت میں مسلمان یا کافر دونوں کے جنازے کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے۔ چونکہ فرشتے دونوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ بعض کی رائے میں خوفِ آخرت اس کا سبب ہے۔ اس صورت میں بھی کافر اور مومن کے جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہو جانا چاہیے لیکن یہ بھی روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گذرا آپ ایسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں سے وہ جنازہ تقریباً آپ کے سر پر سے گذرتا یا بالکل قریب سے گذرتا اس لیے آپ نے اس کو پسند نہیں کیا۔ اور آپ کھڑے ہو کر وہاں سے ہٹ گئے۔

۸۔ متضاد احکام کی صورت میں اختلاف اختلاف کا بڑا سبب جمع بین المختلفین ہے۔ یعنی ایک ہی واقعہ کے متعلق حضور علیہ السلام کے دو متضاد احکام موجود ہوں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ تدریج وارتقا کے اصول پر اگر غور کیا جائے تو بہت سے ایسے احکام خود ہی صاف ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں کسی قسم کا کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔ عرب کی رسم قدیم متعہ کا رواج رہا۔ لیکن مابعد حضور علیہ السلام نے اس کی صریح ممانعت فرما دی یا مکہ

کے قیام کے زمانہ میں نماز کی ہیئت ادا جو تھی ، وہ مدینہ آکر بدل گئی ۔ لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رکوع میں جاتے وقت دونوں ہاتھ ملاکر دونوں ٹانگوں کے بیچ میں رکھتے رہے یا آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرنے کا مسئلہ یا اونٹ کے گوشت کے کھانے سے پھر دوبارہ وضو کرنا ، ان جیسے متعدد احکام ہیں جو بتدریج وارتقا کے اصول کے پیش نظر فرمائے گئے ۔ ظاہر ہے ، کہ نومسلم حضرات میں اکثر وبیشتر نظافت وطہارت کے خوگر نہ تھے ، ان کو بار بار نظافت کا خوگر بنایا گیا ، زاں بعد ارتقائی منزل پہ پہنچ کر وہ احکام احکام کی طرح نہ رہے[1]۔

حضرت عمر کا طرز عمل

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے ، کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حفظ وضبط وانضباط کے امام الائمہ تھے ۔ آپ کے عہد مبارک میں اختلافات کی بنیاد نہ پڑ سکی آپ خود ۵۳۹ احادیث کے راوی ہیں ۔ لیکن بے حد متشدد فی الحدیث تھے ، اختلاف پیدا ہونے ہی نہیں دیتے تھے ذرا سی جھلک بھی اختلاف کی معلوم ہوتی تو فوراً مجمع صحابہ میں اس کو طے فرما دیتے تھے ۔

ایک بار زدوکوب میں کسی عورت کا حمل ساقط ہوگیا ، تو حضرت عمرؓ نے اس کی دیت کے متعلق صحابۂ کرام سے مشورہ کیا ، مغیرہ بن شعبہؓ نے عرض کیا ، کہ حضور علیہ السلام نے ایسی صورت میں ایک غلام یا ایک لونڈی دیت میں دلوائی ہے ، حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی شہادت پیش کرو ، چنانچہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی ۔

ایک بار حضرت عمرو بن امیۃ الضمری بازار میں چادر خرید رہے تھے ۔ لوگوں نے پوچھا ، کیا کروگے ، بولے اس کو صدقہ میں دوں گا ، حضرت عمرؓ نے بھی سن لیا ۔ بعد میں ان سے پوچھا ، کہو وہ چادر کس کو صدقہ میں دی ۔ کہا میں نے اپنی بیوی کو دے دی ، چونکہ

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حجۃ البالغہ ج ۱

[2] ابوداؤد کتاب الآیات ۔ باب دیۃ الجنین ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے بیوی کو جو کچھ دو گے وہ صدقہ ہوگا۔ حضرت عمر نے فرمایا۔ اے عمرو رسول اللہ پر افترا نہ کرو۔ چنانچہ عمرو بن اُمیہ آپ کو حضرت عائشہ کے پاس لائے اور اس ارشاد کی تصدیق کرا دی۔

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تین بار اجازت چاہی کوئی جواب نہ ملا تو واپس ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے بُلا کر پوچھا واپس کیوں گئے۔ بولے حضور کا ایسا ہی ارشاد ہے۔ فرمایا اس ارشاد پر گواہی پیش کرو حضرت ابو سعید خدری نے شہادت دی زاں بعد فرمایا سنو۔ میں آپ حضرات کو متہم نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن مجھے ہمیشہ اس کا لحاظ رہتا ہے۔ کہ لوگ غلط واقعات بیان کرنے پر دلیر نہ ہو جائیں[1]

آپ نے عدالت کی ایک مجلس قائم فرمائی تھی۔ جس کے ارکان یہ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

ان حضرات کے علاوہ مدینہ منورہ میں نہ تو کسی میں جرات تھی نہ اجازت کہ وہ فتویٰ دے سکے۔ علامہ ذہبی نے دو روایتیں نقل کی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

۱۔ کثرتِ روایت پر قید کی سزا

معین بن عیسیٰ راوی ہیں۔ کہ امام مالک رحمۃ اللہ نے عبداللہ بن ادریس سے انہوں نے شعبہ سے انہوں نے سعید بن ابراہیم سے انہوں نے اپنے والد کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ حضرت عمرؓ نے۔ ابن مسعود۔ ابو مسعود انصاری اور ابو درداء کو قید کر کے فرمایا کہ تم حضور علیہ السلام سے بہ کثرت روایتیں بیان کرتے ہو۔

---

[1] بخاری و ابو داؤد۔ کتاب الاستیذان

۲۔ روایت میں کوڑے کا ڈر

عبدالعزیز بن دراوردی نے محمد بن عمرو سے انہوں نے ابوسلمہ سے روایت کیا ہے، کہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی اسی طرح روایتیں بیان کرتے تھے۔ فرمایا اگر میں ایسا کرتا تو کوڑے بھی کھاتا۔

ان روایتوں سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے، کہ آپ نے اپنے عہد میں بڑے عزم و احتیاط سے سلسلۂ روایات کو قائم رکھا اور اس مقدس گروہ پر بھی سخت سے سخت نگرانی رکھی تاکہ اسلام کا شیرازہ بکھر نہ جائے اور اختلاف کا ادنیٰ سبب بھی نہ پیدا ہو سکے۔

حضرت عمر کا اجتہاد فتح عراق کے بعد

فتح عراق کے سلسلہ میں صحابہ میں شدید اختلاف رونما ہوا، حضرت بلال، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف و بیشتر صحابہ کی یہ رائے تھی، کہ جن کی تلواروں سے ملک فتح ہوا ہے انہیں کو اراضی تقسیم کر دینی چاہیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ و حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی یہ رائے تھی، کہ مفتوحہ اراضی حکومت کی ملک ہے، جس سے آئندہ نسلوں کو فائدہ اٹھانے کا حق ملنا چاہیے، جب بحث کافی بڑھ گئی، تو آپ نے پانچ ذمہ دار و ممتاز انصار کرام منتخب فرمائے اور ان حضرات کے سامنے اس مسئلہ کو پیش فرمایا، کئی دن بحث ہوتی رہی، بالآخر حضرت عمرؓ نے اپنے نظریہ و اصول کی تائید میں قرآن کریم کی اس آیت کو پیش کیا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُو الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔

اس آیت کے آخری حصہ سے آپ نے استدلال پیش کیا، تمام صحابہ سن کر متفق ہو گئے، اور یہ فیصلہ صادر ہوا کہ جو ممالک بھی فتح کیے جائیں، وہ فوج کی ملک نہیں ہیں، بلکہ حکومت کی ملک ہیں، آپ کے عہد مبارک کے بعد اور خلفائے راشدین کے عہد کے بعد

لہ تذکرۃ الحفاظ۔

تابعین کرام نے اپنے اپنے شہروں میں اپنے اپنے اساتذہ و صحابہ کرام کی روایات اور فتاوے کے نشر و اشاعت کے فرض کو بڑی دیانت و امانت سے ادا کیا۔

مدینہ منورہ کے فقہائے کرام

مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن مسیب، حضرت عروہ بن زبیر، حضرت امام زین العابدین، حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ، حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت قاسم بن محمد، حضرت امام باقر، حضرت محمد ابن شہاب زہری، حضرت نافع مولیٰ عبد اللہ بن عمر، حضرت ابو الزناد، حضرت یحییٰ بن سعید انصاری، حضرت ربیعہ بن فروخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ممتاز حلقہ درس و افتاء کا حامل تھا۔

کوفہ کے فقہا

کوفہ میں حضرت علقمہ بن قیس، حضرت اسود بن یزید نخعی، قاضی شریح، حضرت ابراہیم بن یزید نخعی، حضرت امام شعبی، حضرت سعید بن جبیر مسند نشین درس و افتا تھے۔

بصرہ میں حضرت امام حسن بصری، رفیع بن مہران، جابر بن زید، محمد بن سیرین قتادہ رحمہم اللہ ممتاز تابعین و مفتی تھے۔

شام و دمشق کے فقہا

شام و دمشق میں حضرت رجا بن حیواۃ کندی و حضرت مکحول و حضرت عمر بن عبد العزیز جیسی مقدس ہستیاں تھیں، مصر میں یزید بن ابی الحبیب ممتاز تابعی و مفتی تھے، یمن میں حضرت طاؤس بن کیسان و حضرت وہب بن منبہ معتمد علیہ تھے۔

ان تابعین نے اپنے اپنے شہروں کے صحابہ سے استفادہ کیا اور انہیں کے اقوال و ارشادات ان کے پیش نظر و معمول بہا تھے۔ اہل مدینہ کو اس بات پر بجا ناز تھا کہ یہ مقدس شہر مہبط وحی رہا۔ اور عرصہ تک مرکز خلافت تھا۔ اہل مکہ کو حرم محترم کی وجہ سے یہ امتیاز حاصل تھا۔ کہ سارے دیار و امصار کے رہنے والے، جن میں

مقدس سے مقدس ہستیاں بھی شامل تھیں، اس ارض مقدس کی حاضری وطواف سے بہرہ اندوز ہوتے رہتے ہیں ۔ اور ان کے علمی فیوض وبرکات کا سلسلہ لامتناہی جاری تھا۔ تابعین کے عہد میں فتنہ وفساد کی گرم بازاری ہوئی ۔ یہ سلسلہ اگرچہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد سے شروع ہوا۔ پھر حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی شہادت، اہل بیت کی شہادت اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی شہادت اور واقعہ حرہ کے سلسلہ میں مدینہ منورہ میں لوٹ مار قتل وغارتگری کے جس قدر واقعات ہوئے ان سے اکثر طبائع متاثر ہوئیں ۔ کذب وافترا قتل وخونریزی جیسے اشد ترین جرائم کی وقعت اور حیثیت جاتی رہی ۔ اس لیے محدثین کرام وتابعین عظام کو ابتلاء ومحن کی خطرناک وادیوں سے گذر کر قرآن وحدیث کی حفاظت کے اہم ترین فرض کو ادا کرنا پڑا ۔

تابعین وتبع وتابعین کا دور

تابعین وتبع تابعین کے دور میں بنی اُمیہ کے مظالم بحد انتہا پہنچ چکے تھے ۔ ان کے ابتدائی دور میں تو خلیفہ امامت نماز کے فریضہ کو خود ادا کرتا تھا ۔ اور یہ ایک مرتبہ عظیم سمجھا جاتا تھا ۔ مگر تھوڑے دن کے بعد ہی خلفاء نے منصب امامت چھوڑ کر اپنی طرف سے نائب مقرر کر دیئے ۔ ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ۔

> خلفاء راشدین کے بعد کسی خلیفہ نے خود اپنی امارت میں حج ادا نہیں کیا ۔ ان لوگوں کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کے مانند رہی ہے ۔ بس فرق یہ ہے، کہ یہ نماز پڑھتے ہیں اور کلمہ پڑھ لیتے ہیں ۔ ہم اسی تغیر کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں ۔ نہ معلوم آگے چل کر خدا کیا دکھانا چاہتا ہے"

صرف امامت ہی کو ترک نہیں کیا بلکہ نماز کے اوقات میں بھی تبدیلی کر دی سلاطین وامراء کی قصیدہ خوانی اور دربار داری کے لیے بعض علماء تک مجبور ہو گئے ۔ حضرت

علی کرم اللہ وجہہٗ اور اہل بیت اطہار کو خطبہ میں منبر پر برملا گالیاں دی جاتی تھیں۔ بالآخر خدا نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا۔ آپ نے نظام مذہب نظام سیاست۔ نظام اخلاق اور نظام تمدن کو بحد امکان حضرت عمر فاروقؓ کے نظام کے تحت بنا ڈالا۔ یہ اصلاح دو ڈھائی سال ہی میں تکمیل پا سکی تھی۔ کہ پھر انتشار و جبر و استبداد پھیلا۔ بنی عباس نے بنی اُمیہ سے چند قدم آگے بڑھا کر ظلم شروع کیا۔

علما کی ایوانِ حکومت سے بے نیازی

اس ظلم و استبداد کے مقابلہ کی طاقت اچھوں اچھوں میں نہ تھی اسلامی خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ فقہا و محدثین نے اپنے اپنے شہروں میں بیٹھ کر ان فتنوں سے محفوظ رہنا چاہا۔ امراء و سلاطین سے بے نیازی برتی۔ حضرت امام ابوحنیفہ امام مالک و امام شافعی نے کسی قیمت پر بھی خود کو وابستہ دامن خلافت نہ بنایا۔ ذرائع نقل و حمل آج کی طرح آسان نہ تھے۔ راستہ کی دشواریاں حکومت کا استبداد اور پھر روزانہ نئے نئے احکام۔ اس لیے ان ائمہ کرام نے اپنے اپنے شہروں کے سابقین اولین کے ارشادات اور ان کے طرزِ عمل کو اپنی زندگی اور مستقبل کے لیے لائحہ عمل بنایا۔ چنانچہ کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے پیش نظر ان کے استاد امام ابراہیم نخعی کے مسائل فتاوے و روایات کا ذخیرہ تھا۔ اسی پر انہوں نے اپنے مذہب کی عمارت کو قائم کیا اور آپ اصحابِ کوفہ کی روایات اور ان کے فتاووں سے تجاوز پسند نہیں فرماتے تھے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ

امام مالک رحمۃ اللہ و امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کی فقہ میں نمایاں فرق صرف اس قدر ہے کہ جس طرح امام ابوحنیفہ کی رائے میں کوفہ کے اصحاب کی روایتیں۔ ان کے فتاوے ان کے قیاسی مسائل ہی معتمد تھے۔ اسی طرح حضرت امام مالک رحمۃ اللہ صرف

اہل مدینہ کی روایات ان کے قضایا و احکام کو قابلِ عمل قرار دیتے ہیں۔ اور قیاس و رائے کے سلسلہ میں جس طرح امام ابو حنیفہ کے مذہب میں استحسان ہے۔ اس کے قریب قریب امام مالک کے مسلک میں "مصلحت مرسلہ" کی اصطلاح ہے۔ استحسان اور مصلحت مرسلہ کی مکمل وضاحت ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ امام مالک رحمۃ اللہ اور امام ابو حنیفہ کا درمیانی عہد خلیفہ منصور کا عہد تھا۔ جس کے جبر و استبداد سے دنیا تنگ آ گئی تھی۔ اور فقہا و علماء اپنے اپنے حلقہ اثر ہی میں اپنے خیالات کی نشر و اشاعت کرتے رہتے تھے۔ منصور جب حج کو جا رہا تھا۔ تو مدینہ منورہ بھی حاضر ہوا۔ شہر کے شرفاء علماء و محدثین سب ملنے گئے۔ سب سے پہلے امام مالک کو بلایا اور کہا اے ابو عبداللہ میں اختلافات فقہی سے گھبرا گیا ہوں۔ عراق میں کچھ نہیں۔ شام میں صرف جہاد کا شوق ہے۔ جو کچھ ہے وہ حجاز کی سرزمین میں ہے۔ اور مدینہ میں آپ سرخیل محدثین ہیں۔ اس لیے ایسی کتاب مرتب کیجئے۔ جو ابن عباس ابن عمر و ابن مسعود ابن عمر کے اصول فقہ کے بین بین اور معتدل ہو تاکہ اسی کے مطابق عمل درآمد کا میں حکم دے دوں۔ آپ نے فرمایا صحابہ تمام اطراف ملک میں پھیل گئے تھے۔ ان کے فتاوے اور احکام ہر جگہ کے علماء و فقہا کو پہنچ چکے ہیں۔ اور وہی ہر جگہ مقبول ہیں۔ ایسی حالت میں اگر کوئی کتاب مرتب کر بھی دوں تو تمام ممالک کو مجبور کرنا مناسب نہیں ہو سکتا ہے کہ میری رائے غلطی پر ہو۔ آپ چلے آئے۔ پھر سفیان ثوری رحمۃ اللہ پہنچے ان کو خیمہ کے اندر طلب کیا گیا۔ آپ نے فرمایا جب تک کہ یہ شاہی فرش نہ اٹھوایا جائے۔ میں نہیں آ سکتا فرش فوراً اٹھوا دیا گیا۔ آپ نے اس آیت کو پڑھا۔ منہا خلقناکم و منہا نعیدکم و منہا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔ منصور آیت سن کر آب دیدہ ہو گیا۔ حضرت سفیان ثوری دیر تک بالفاظ سخت نصیحت فرماتے رہے۔ پھر اٹھ کر چلے آئے۔ ابو عبیدہ جو دربار کا عہدہ دار تھا۔ اس نے عرض کیا۔ امیر المومنین ایسے

زبان دراز شخص کے قتل کا حکم کیوں نہیں صادر فرمایا جاتا، منصور نے کہا خاموش امام مالک و امام سفیان ثوری قابل ادب ہیں۔ بایں ہمہ عہد منصور ہی میں طلاق مکرہ کے سلسلہ میں حضرت امام مالک کو اونٹ پر بٹھا کر پیٹا گیا۔ اگرچہ اس فعل شنیع کے بعد منصور نے معذرت بھی کر لی۔

فقہا کا مسلک ماحول اور نقطۂ نظر

ان واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ہر شہر میں فقہا نے اپنا اپنا مسلک بنا رکھا تھا اور وہ اپنے ماحول اور حالات کے لحاظ سے معذور تھے۔ مکہ کے فقہا۔ مدینہ کے فقہا۔ عراق کے فقہا۔ یمن کے فقہا۔ مصر و شام کے فقہا ان سب کے فقہی جزئیات اور ان کے معتمد علیہ علیحدہ علیحدہ تھے۔ کوئی جامع ضابطہ نہ تھا۔ کہ جو حدیث کی صحت و ضعف کا معیار قائم کر سکتا۔ نہ کوئی اصول و قاعدہ تھا۔ ہر شہر کی فقہ علیحدہ فقیہ علیحدہ۔ احادیث صحیحہ کے مقابلہ میں مرسل منقطع اور موقوف روایتوں پر انحصار تھا۔ عراق کی فقہ چھائی چلی جا رہی تھی۔ اور بڑے بڑے محدث اہل الرائے سے علیحدگی اختیار کرتے جاتے تھے۔ اُدھر حکومت کی مذہب سے بے اعتنائی اور سیاسی ہیبت و جبروت نے کلمۂ حق کی گونج سے عرب و عجم کو خالی کر دیا تھا۔

حضرت امام شافعی کے اصولوں پر ایک نظر

عین اس وقت حکومت وقت کی طاقت سے بے نیاز اور جابر عہد کی خونخواریوں سے بے پرواہ اور فقہیان بلند پایہ کی شخصیتوں سے نڈر اور متبعان دین کی معاندانہ کارروائیوں سے بے خوف ہو کر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ آگے بڑھے اور اپنے عہد کے تمام حق شناسان کار کو حق پرستی کے راستہ میں اپنے سے پیچھے چھوڑا اور تمام فقہائے عرب و عجم کے سامنے یہ اصول پیش کیے۔

۱۔ دین میں اصل قرآن و حدیث ہے۔ اور اگر ان سے استدلال نہ ہو سکے تو پھر

قیاس جو قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔

۲۔ جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسند صحیح متصل ثابت ہو جائے تو اس پہ عمل لازمی ہے۔

۳۔ حدیث ہمیشہ اپنے ظاہری معانی پہ محمول ہونی چاہیے اور جب اس میں متعدد معانی کا احتمال ہو تو جو معنی ظاہر حدیث کے قریب ہوں وہ لیے جائیں گے۔

۴۔ صحابۂ کرام کا اجماع خبر واحد سے بالاتر ہے۔ اور اجماع صحابہ نہ ہونے پر خبر واحد قابلِ عمل ہے۔ حدیث خواہ وہ کسی درجہ کی ہو قرآن کی ناسخ نہیں۔ ہو سکتی۔

۵۔ جب چند احادیث باہمی متعارض ہوں تو ان میں یہ غور کرنا چاہیے۔ کہ راوی کیسے ہیں۔ دوسرے احکام کی ترتیب۔ تیسرے صحابہ کے تقدم و تاخر ایمان پر لحاظ کرنا چاہیے۔

۶۔ حدیث مرسل بجز سعید بن مسیب کے ناقابلِ قبول ہے۔

۷۔ حدیث موقوف منقطع کی حیثیت حدیث متصل صحیح کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔

۸۔ آپ کے دور میں اقوال صحابہ جمع ہو گئے تھے۔ اور بعض اقوال صحیح حدیث کے خلاف تھے۔ اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ نے یہ طے کیا کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں اقوال صحابہ کچھ وقعت نہیں رکھتے۔ اور یہ فرما دیا ہُم رجالٌ ونحنُ رجال وہ بھی آدمی تھے اور ہم بھی آدمی ہیں۔

۹۔ ہر عام حکم میں مستثنیات بھی ہوتے ہیں۔ اور عام قطعی نہیں ہوتا۔

۱۰۔ جلب منفعت سے دفع مضرت اولیٰ ہے۔

امام شافعی کے افکار کی قدر شناسی

آپ نے ان اصولوں کو مع دلائل مدون و مرتب کیا۔ پھر اس کی نشر و اشاعت

میں آپ نے عالم اسلام کا دورہ کیا۔ بغداد و عراق چونکہ اہل الرائے کا مرکز تھا۔ اس لیے وہاں پہنچ کر آپ نے مذاکرات و مباحثوں سے بڑے بڑے فقہائے اہل الرائے کو قائل کر دیا۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ، یمن، شام، دمشق، مصر، غرضیکہ ہر جگہ پہنچ کر آپ نے سارے اصول دنیا سے منوا لیے۔

ان اصولوں کی نشر و اشاعت کے بعد اکابر محدثین نے اپنے جن خیالات و افکار عالیہ کا اظہار کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

(۱)

امام حسین کرابیسی فرماتے ہیں۔ ہم اور ہم سے اگلے لوگ یہ نہیں جانتے تھے۔ کہ قرآن و حدیث کو کس طرح سمجھا جائے۔ یہاں تک کہ ہم نے اس کا طریقہ امام شافعی سے سنا

(۲)

ابو موسیٰ ضریر سے پوچھا گیا کہ امام شافعی کی کتابیں کس طرح لوگوں کے دل پر اثر کر گئیں۔ فرمایا۔ خدا کی منشا یہی تھی۔ کہ ان کا علم نمایاں ہو۔ اس لیئے ان کی ذات کو خدا ہی نے بلند فرمایا۔

(۳)

امام اسحق بن راہویہ سے کسی نے پوچھا کہ اتنی کم عمر میں امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس قدر نادر کتابیں کیسے لکھ دیں۔ فرمایا۔ خدا نے اسی کم عمر کی وجہ سے ان کو مکمل عقل عطا فرمائی تھی۔

(۴)

ہلال بن عطاء فرماتے ہیں۔ خدا نے چار مقتدر ہستیوں کو پیدا فرما کر دنیا پہ احسان فرمایا۔ منجملہ ان کے ایک امام شافعی ہیں۔

جاحظ فرماتے ہیں، میں نے امام شافعی کی کتابوں کو دیکھا، حقیقتاً موتی پروئے ہیں۔

(۶)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، فیضانِ رحمت باری تعالےٰ یہ ہے کہ وہ ہر صدی پر ایسا شخص پیدا فرماتا ہے، کہ جو حضور علیہ السلام کی سنتِ صحیحہ کی تعلیم دیتا ہے۔ اور غلط منسوبات کو محو کرتا ہے، اس صدی میں عمر بن العزیز تھے، اور اس دوسری صدی میں شافعی ہیں، مجھے کامل ۳۰ برس ہو چکے ہیں۔ میں ہر ہر نماز کے بعد امام شافعی کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں۔

(۷)

امام علی بن مدینی اُستاد امام بخاری رحمۃ اللہ نے اپنے صاحبزادے کو ہدایت فرمائی کہ دیکھو امام شافعی کے ایک حرف کو بھی نظر انداز نہ کرنا، میں نے ان کی تمام تحریرات کو جمع کر رکھا ہے، ان کی تصانیف میں معرفت ہے۔

(۸)

امام نسائی فرماتے ہیں، امام شافعی کا شمار ہمارے ثقہ اور محفوظ علما میں ہے۔

(۹)

امام مسلم نے اپنی کتاب الانتفاع بجلود السباع اور کتاب الرد علی محمد بن نصر میں بعید امام شافعی کا شمار ہمارے ثقہ اور علما میں ہے۔

(۱۰)

امام مسلم نے اپنی کتاب الانتفاع بجلود السباع اور کتاب الرد علی محمد بن نصر میں بعید امام شافعی کی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔

قرآن فہم قرآن، تفسیر قرآن اور امام شافعی

امام شافعی رحمۃ اللہ کی کتاب احکام القرآن کا ملخص یہ ہے۔ قرآن مجید میں جن احکام کی پابندی مسلمانوں پر لازم کی گئی ہے۔ ان کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ عقائد جس میں توحید، رسالت، کتب سابقہ، انبیا علیہم السلام حشر و نشر و قرآن پر ایمان لانا فرض ہے۔

۲۔ عبادات میں ان کا ادا کرنا بھی فرض ہے۔ ان کی حیثیتیں یہ ہیں۔ ایک وہ معاملہ ہے۔ جو خدا اور بندے کے درمیان ہے۔ جیسے نماز و روزہ۔ زکوٰۃ مالی اور تمدنی عبادت ہے۔ حج بدنی اور تمدنی ہے۔ یہ چاروں ایمان کے بعد بنیاد اسلام ہیں۔ اور یہ ایمان میں داخل ہیں۔

بندوں کے باہمی معاملات ان کی دو حیثیتیں ہیں ایک قوانین تحفظ۔ دعوت اسلام و جہاد دوسرے قوانین معاشرت جیسے نکاح، طلاق اور وراثت کے احکام

۳۔ قوانین معاملات باہمی یعنی بیع اجارہ وغیرہ۔

۴۔ قوانین تعزیری یعنی حدود و قصاص۔

قرآن مجید کے احکام کو کس طرح سمجھنا چاہیے۔ آپ اکثر اس جملہ کا اعادہ فرماتے رہتے تھے۔ کہ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جو لغتِ عرب ایام عرب سے ناواقف ہونے کے باوجود قرآن مجید کی تفسیر کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ کوئی شخص قرآن مجید سے نصیحت حاصل نہیں کر سکتا۔ وہ بایں طور کہ اس کا نفس قرآنی وعدوں پر مطمئن ہو جائے۔ وعید سے لرز جائے۔ وحدانیت اور رسالت کے حقائق سے صحیح

طور پر آشنا ہو سکے، تا آنکہ وہ اس کے معانی کو سمجھنے کی اہمیت پیدا نہیں کر لیتا۔ اور اس کے طریقہ ہائے بیان کی حلاوت محسوس نہیں کر لیتا اور حضور علیہ السلام کے حالاتِ زندگی پر اور ان وقائع پر جن کے لحاظ و مناسبت سے نزولِ قرآن ہوا ہے، باخبر نہیں ہو جاتا۔

ظلم سے کیا مراد ہے

لغات اور کلام عرب اور ان باتوں پر عبور ہو جانے کے بعد سب سے بالاتر موہبت باری تعالیٰ ہے جس کا نام نورِ بصیرت ہے۔ فرماتے ہیں قرآن کریم کی اس آیت کو سمجھنا چاہیے۔

الذین اٰمنو ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولٰئک لھم الامن وھم مھتدون

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا۔ انہیں کیلئے امن ہے۔ اور وہ سیدھے راستہ پر ہیں۔

یہاں پر اگر ظلم کے لغوی معنی لیے جائیں تو الّا ماشا اللہ اور کوئی نہیں بچ سکتا۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں سے کون ہے، جس نے اپنے نفس پر ظلم نہ کیا ہو۔ آپ نے فرمایا یہاں "ظلم" سے مراد "شرک" ہے۔ اس حدیث نے لغت میں یہ اضافہ کیا کہ ظلم کے معنی وضع الشی فی غیر محلہ یعنی کسی شے کا استعمال بے محل کرنا ظلم ہے۔ اس لیے مقصد یہ ہے، کہ ایمان بجائے خود وہ قوت ہے، جس میں بجز توحید کے اور کچھ نہ ہو اور شرک کا اختلاط وضع الشی فی غیر محلہ کا صحیح مصداق ہوا۔

قرآن کی تفسیر میں امام شافعی کا درجہ

امام یونس بن عبد الاعلیٰ فرماتے ہیں۔ امام شافعی اس خوبی سے قرآن مجید کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے، گویا آپ نزول قرآن کے وقت

موجود تھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو امام شافعی سے زیادہ سمجھنے والا کوئی نہیں ہے۔ آپ خود فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں ایسا کوئی کلمہ نہیں ہے۔ جس کا مطلب محاورۂ عرب کے لحاظ سے میں نہ جانتا ہوں[1]۔

وجوہ نظم قرآن مثلاً مجمل۔ مبین۔ محکم۔ متشابہ۔ عام۔ خاص۔ ناسخ منسوخ اعتبار امثال۔ قصص۔ احکام، اسباب نزول اور محاورات عرب سب پر آپ کی غائر نظر تھی۔ ہم صرف کتاب الام جلد ۵/۱۲۷ واحکام القرآن کے کچھ حصہ کو پیش کرتے ہیں۔

تکلفات شرعیہ کی بنیاد

تمام تکلفات شرعیہ کی بنیاد دو لفظوں پر ہے۔ "کرو" اور "نہ کرو" جن کا نام امر و نہی ہے۔ قرآن وحدیث دونوں میں او امر و نواہی موجود ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں یعنی امر و نہی کے احکام جن باتوں کے کرنے یا نہ کرنے پر دلالت کرتے ہیں۔ آیا ان کا کرنا لازمی اور جن کی ممانعت ہے۔ ان کا نہ کرنا لازمی ہوگا۔ یا اگر قرآن و حدیث کے امر و نہی واجب التعمیل ہیں۔ تو اگر مامور بہ عبادت دوسرے امر کے ساتھ متعلق ہو۔ تو اس کے کیا احکام ہوں گے۔ خدا فرماتا ہے۔ جس کی یہ چند مثالیں ہیں۔

یا ایھا الذین امنوا لیستاء ذنکم الذین ملکت ایمانکم والذین لم یبلغوا الحکم منکم ثلاث مرات	مسلمانو۔ غلام اور وہ لوگ جو تم میں سے بالغ نہیں ہوئے ہیں۔ تم سے تین بار اجازت طلب کریں۔ لیکن اجازت طلبی کا یہ امر کسی دوسری چیز کے ساتھ متعلق نہیں ہے

یا

---

[1] تو الی التاسیس

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم	مسلمانو۔ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے منہ کو دھولو۔ لیکن وضو کا یہ حکم ایک دوسری عبادت یعنی نماز کے ساتھ متعلق ہے۔

یا خدا فرماتا ہے :۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمّٰی فاکتبوہ	مسلمانو۔ جب تم ایک مدت کے قرض کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو۔

کتابت کا یہ حکم بھی ایک مقصد یعنی قرض کے تحفظ کا ذریعہ ہے۔ یا خدا فرماتا ہے ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن	اے مسلمانو۔ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت میں طلاق دو۔

اس امر میں بھی طلاق کی ابتدائی مدت کے لحاظ رکھنے کا جو حکم دیا گیا، وہ ایک مقصد یعنی طلاق کا ذریعہ ہے، تاکہ وہ مطلقہ کے نقصان کا سبب نہ بن جائے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ خدا نے جس چیز کا حکم دیا ہے۔ وہ لازمی ہے۔ اگر وہ چھوڑ دیا جائے تو جس چیز کے ساتھ متعلق ہے۔ کیا اس میں وہ مؤثر ہو گا۔ یہاں تک کہ بغیر وضو کے نماز۔ بغیر تحریر و کتابت کے قرض اور عورت کے حائضہ ہونے کی حالت میں طلاق باطل ہو گی ۔

ان سب باتوں کے پیش نظر آپ فرماتے ہیں ، قرآن و حدیث و عام لوگوں کے کلام میں امر کے متعدد معانی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا نے پہلے ایک چیز کو حرام کیا۔ پھر مباح فرما دیا۔ اس لیے کسی موقع پر امر کے معنی ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کے ہیں۔ مثلاً واذا حللتم فاصطادوا جب تم نے حج کا احرام کھول دیا تو شکار کرو اور فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض

وابتلغوا من فضل اللہ ۔ جب نماز جمعہ ادا کی جا چکی ہو تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور خدا کے فضل کی تلاش کر دیا۔

واتوا النساء صدقاتھن نحلہ یعنی عورتوں کو ان کا مہر ادا کرو۔ اگر وہ بخوشی چھوڑ دیں تو پھر اس کو مزے سے کھاؤ۔ یا واذا وجبت جنوبھا وکلوا منھا۔ جب قربانیاں ذبح ہو چکیں تو ان میں سے کھاؤ۔ اور ایسے متعدد احکام ہیں۔ لیکن احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا۔ نماز جمعہ کے بعد تجارت کے لیے منتشر ہو جانا اگر کوئی عورت بخوشی اپنے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اس سے فائدہ اٹھانا اور ذبح ہونے کے بعد قربانی کا گوشت کھانا واجب اور فرض نہیں ہے۔ یا وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عادکم اپنی بیواؤں اور نیک لوگوں کا نکاح کر دیا کرو۔ اس کو فرض یا واجب کیسے کہا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم کا انداز بیان قرآن مجید نے طلب و تخییر کے متعلق ایک طرز بیان کا التزام نہیں کیا بلکہ استقرا و تلاش سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مختلف طریقوں سے افعال کا مطالبہ کرتا ہے

۱۔ کبھی وہ صریح امر کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مثلاً

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ — خدا عدل و احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

یا

ان اللہ یامرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل — خدا تم کو حکم دیتا ہے۔ کہ امانت داروں کی امانت ان کو ادا کرو۔ اور جب تم لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو

۲۔ کبھی یہ حکم دیتا ہے۔ کہ یہ فعل مخاطبین پر فرض کیا گیا ہے۔

کتب علیکم القصاص بالقتلی	مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص فرض
کتب علیکم الصیام ان الصلوٰۃ	کیا گیا ہے، تم پر روزے فرض کیے گیے
کانت علی المؤمنین کتابا	ہیں، نماز مسلمانوں پر ایک موقت فرض
موقوتا۔	ہے۔

۳۔ کبھی یہ خبر دیتا ہے، کہ اس فعل کی ذمہ داری تمام لوگوں پر یا کسی خاص گروہ پر ہے۔

وللہ علی الناس حج البیت من	خدا کے لیے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج
استطاع الیہ سبیلا وعلی المولود لہ	فرض ہے، ان لوگوں پر جو استطاعت
رزقھن وکسوتھن بالمعروف	سفر رکھتے ہیں، اور جس شخص سے لڑکا پیدا ہوا
للمطلقات متاع م بالمعروف	اس پر ان عورتوں کا کھانا فرض ہے، جن
حقاً علی المتقین۔	کو طلاق دی جائے ان کے ساتھ دستور
	کے مطابق سلوک کرنا مناسب ہے، چونکہ
	پرہیزگاروں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

۴۔ کبھی وہ فعل مطلوب کی ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال دیتا ہے، جس سے اس فعل کا تعلق ہے۔ مثلاً

والمطلقات یتربصن بانفسھن	مطلقہ عورتیں تین حیض کے آنے تک
ثلاثۃ قروء ولا یحل لھن ان	اپنے آپ کو روک رکھیں اور جو لوگ
یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن	تم میں مر جائیں اور بیویوں کو چھوڑ کر مریں
ان کن یؤمن باللہ والیوم الآخر	وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ دس
وبعولتھن احق بردھن فی ذلک	دن تک روک رکھیں۔
ان ارادوا اصلاحا۔	

کبھی ایسے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، جن سے مطالبہ فعل کی تاکید

ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے، کہ یہ فعل فرض نہیں ہے۔ مثلاً

والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن ارادان یتم الرضاعہ	اور جو اپنی اولاد کو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔ تو مائیں اپنی اولاد کو پورے دو برس دودھ پلائیں۔

۵۔ کبھی وہ صیغۂ طلب (یعنی صیغۂ امر مضارع مقرون باللام کے ساتھ افعال کا مطالبہ کرتا ہے۔ مثلاً

ثم لیقضوا تفثھم ولیوفوا نذورھم ولیطوفوا بالبیت العتیق۔	پھر چاہیے کہ وہ اپنے میل کچیل کو دور کریں اپنی نذریں پوری کریں۔ اور پرانے گھر کا طواف کریں۔

۶۔ کبھی وہ اس کی تعبیر فرض سے کرتا ہے۔ مثلاً۔

قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم	ہم نے جو کچھ ان کی بیویوں اور لونڈیوں کے بارے میں ان پر فرض کیا ہے۔ اس کو ہم نے جان لیا۔

۷۔ کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر کسی شرط کی جزا کے طور پر کرتا ہے۔ مگر یہ بیان عام طور پر نہیں مثلاً،

فان احصرتم فما استیسر من الھدی	اگر تم (حج سے) روک دیئے جاؤ تو جو قربانی ہو اس کو روانہ کرو۔
فمن کان منکم مریضاً او بہ اذی من رأسہ ففدیۃ من صیام او صدقۃ او نسک	اور جو لوگ تم میں سے بیمار ہوں ان کے سر میں تکلیف ہو تو بال اتروانے کے بدلے میں روزہ یا صدقہ خیرات یا قربانی
وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ	کرے اگر مقروض تنگ دست ہو تو

الی میسرۃ" فراخ دستی تک مہلت دینی چاہیے۔

کبھی وہ فعل مطلوب کا ذکر لفظ خیر کے ساتھ ملا کرتا ہے۔ جیسے

ویسألونک عن الیتامیٰ قل اصلاح لھم خیر	اور جو لوگ تجھ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہدو کہ ان کی اصلاح بہتر ہے۔

۹۔ کبھی وہ کسی فعل کا ذکر کسی وعدے کے ساتھ کرتا ہے جیسے :۔

من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً فیضاعفہٗ لہٗ اضعافاً کثیرۃ	وہ کون ہے جو خدا کو قرض حسنہ دے گا۔ تو خدا اُس کو اس کے لیے کئی گنا زیادہ دے گا۔

۱۰۔ کبھی وہ فعل مطلوب کی نسبت کہتا ہے۔ کہ وہ خود نیکی ہے۔ یا نیکی کی طرف پہنچانے والا ہے۔ جیسے :۔

لن تنالوا البرّ حتیٰ تنفقوا مما تحبون۔	تم لوگ ہرگز نیکی کو نہ پاؤ گے۔ یہاں تک کہ جن چیزوں کو تم محبوب رکھتے ہو۔ ان میں سے کچھ خرچ نہ کرو۔
ولکن البر من اتقیٰ	نیکی اُس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا

جس طرح بطور مثال یہ احکام کی آیتیں ہیں۔ اسی طرح کسی فعل کی یا افعال کی ممانعت کے لیے بھی مختلف طرز بیان ہیں۔ مثلاً ۱۔ صریح ممانعت

وینھی عن الفحشاء والمنکر	خدا بے حیائی کے کاموں اور بُری باتوں سے روکتا ہے۔
انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم	جن لوگوں نے تم سے مذہب کے بارے میں جنگ کی اور تمہارے دشمنوں

کم من دیارکم وظاھروا	کی تمہارے نکلوائے جانے پر مدد دی۔
علی اخراجکم ان تولوھم	خدا انہیں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے۔

۲۔ شے ممنوعہ کو حرام کرنا۔ مثلاً

انما حرم ربی الفواحش ما	میرے خدا نے بے حیائی کے کاموں کو حرام
ظھر منھا وما بطن والاثم	کر دیا ہے، وہ ظاہر ہوں تو پوشیدہ ہوں تو
والبغی بغیر الحق وان تشرکو	اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو اور
باللہ مالم ینزل بہ سلطانا	اس بات کو کہ تم کسی کو خدا شریک قرار دو
وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون	جس کی اس نے کوئی سند نہیں اتاری اور
	یہ کہ بغیر سوچے سمجھے خدا پر بہتان باندھو۔

۳۔ فعل ممنوع کو حلال نہیں کہتا۔ جیسے

ولا یحل لکم ان تاخذوا مما	تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے۔ کہ جو کچھ تم نے
آتیتموھن شیئاً الا ان یخاف	عورتوں کو دیا ہے اس میں سے کچھ لے
الا یقیما حدود اللہ	لو بجز اس صورت کے کہ میاں بیوی دونوں
	کو یہ خوف ہو کہ حدود خداوندی کو قائم نہ رکھیں گے
ولا یحل لھن ان یکتمن	اور عورتوں کے لیے یہ حلال نہیں کہ خدا نے
ما خلق اللہ فی ارحامھن	ان کے رحموں میں جو پیدا کیا ہے اسکو چھپائیں

۴۔ صیغۂ نہی (یعنی فعل مضارع کا جس کے پہلے لائے نہی ہو) سے یا ایسے فعل امر کا جس سے ممانعت مقصود ہو مثلاً "دع" "در" کا استعمال کرنا۔ مثلاً

ولا تقربوا مال الیتیم الا	اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ بجز
بالتی ھی احسن۔	اس طریقہ کے جو عمدہ ہو۔
وذروا ظاھر الاثم وباطنہ	کھلے اور پوشیدہ گناہوں کو چھوڑ دو

وداع اذاھم — اوران کی ایذارسانی کو چھوڑ دو

۵۔ فعل ممنوع سے نیکی کی نفی کرنا۔

لیس البرّان تولّوا وجوھکم قبل المشوق والمغرب — یہ نیکی کا کام نہیں ہے کہ اپنے چہروں کو مشرق ومغرب کی طرف پھیرو۔

۶۔ فعل ممنوع کی نفی کرنا

فمن فرض فیھن الحج فلارفث ولافسوق ولاجدال فی الحج — تو جو شخص ان مہینوں میں حج کا ارادہ کرے تو حج میں نہ شہوت کی بات ہے نہ گناہ کی نہ لڑائی کی۔

لاتضارّ والدۃ بولدھا ولامولود لّہ بولدہٖ۔ — ماں کو اس بچہ کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے نہ اس کو جس کا بچہ ہے۔ اس بچہ کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔

۷۔ گناہ کے استحقاق کے ساتھ ملاکر فعل ممنوع کا ذکر کرنا مثلاً۔

فمن بدلّہٗ بعد ما سمعہٗ فانما اثمہٗ علی الذین یبدلونہ — جو وصیت سن کر اس کو بدل دے تو اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہے جو وصیت کو بدلیں

۸۔ فعل ممنوع کو عذاب کی دھمکی کے ساتھ ملاکر ذکر کرنا جیسے۔

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقون فی سبیل اللہ فبشّرھم بعذاب الیم — اور جو لوگ سونے وچاندی کو جمع کرتے ہیں۔ اور ان کو خدا کے راستہ میں صرف نہیں کرتے تو ان کو دردانگیز عذاب کی دھمکی دو۔

۹۔ فعل ممنوع کے وصف میں "شر" کا لفظ استعمال کرنا۔ جیسے۔

ولاتحسبن الذین یبخلون بما آتاھم اللہ من فضلہ ھوَ — جو لوگ اس فضل کے ساتھ جس کو خدا نے ان کو دیا ہے۔ بخل کرتے ہیں یہ نہ گمان

کریں کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ
ان کے لیے بدتر ہے۔

قرآن کا طرزِ ادا اور طرزِ کلام قرآن مجید میں بعض ایسے اوامر بھی ہیں جن کے کرنے یا نہ کرنے کا مکلف کو اختیار ہے، ان کو بھی مختلف طریقوں سے ظاہر فرمایا ہے۔

۱۔ حلت کی اسناد اس فعل کی طرف کرنا یا اس کو اس کے ساتھ متعلق کرنا جیسے

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم	آج کے دن تمہارے کھانے کی پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور ان لوگوں کا ذبیحہ جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔
یسألونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبات وما علمتم من الجوارح مکلبین	لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا کیا حلال کیا گیا تو ان سے کہہ دو کہ کھانے کی پاک چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں اور شکاری جانور کا شکار جو تم نے سدھا رکھا ہے۔

۲۔ فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی کرنا۔ جیسے۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ	جو بے قرار ہو جائے اور عدول حکمی اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو اس پر کوئی گناہ نہیں۔
فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ	پھر جو شخص جلدی کرے اور دو ہی دن میں چل کھڑا ہو۔ اس پر بھی کچھ گناہ نہیں ہے پھر جو شخص دیر تک ٹھہرا رہے اس پر بھی

کچھ گناہ نہیں۔ یہ رعایت ان کے لئے ہے جو
پرہیزگاری کریں۔

۳۔ فعل کے کرنے پر گناہ کی نفی لفظ 'جناح' سے کرنا جیسے

ان الصفا والمروۃ من شعائر	صفا و مروہ خدا کے شعائر ہیں۔ تو جو شخص
اللہ فمن حج البیت او اعتمر	خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اُس پر یہ
فلا جناح علیہ ان یطوّف بھما	گناہ کی بات نہیں ہے، کہ ان دونوں کا طواف
	کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ نے اوامر و نواہی کے اور بھی متعدد اقسام بیان فرمانے کے بعد پھر یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ ان احکام خداوندی کی وضاحت بحکم حضور علیہ السلام کے ناممکن ہے۔ اور یہ کہ حدیث صحیح کا قرآن سے کیا رابطہ ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین	خدا کی وہ ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں
رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ	میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو
ویزکیھم ویعلمھم الکتاب	اللہ کی آیتیں سناتا ہے۔ اور ان کو پاک
والحکمۃ وان کانوا من قبل	وصاف کرتا ہے، اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے
لفی ضلال مبین	اور وہ اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں تین باتوں کا تذکرہ ہے۔

۱۔ آپ خدا کے احکام یا آیات پڑھ کر لوگوں کو سناتے ہیں۔

۲۔ آپ سننے والوں کو شرک اور دیگر گندگیوں سے پاک کرتے ہیں۔

۳۔ ان کو آپ کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اس لیے اگر رسول کا فرض محض وحی خداوندی کو پڑھ کر دوسروں کو سنا دینا ہوتا اور صرف اس پر اس کا فرض تبلیغ ختم ہو جاتا تو آخری حکم یعنی تعلیم کتاب و حکمت کیا

معنی رکھتا ہے۔ اس لیے اس کی وضاحت یہ ہے پیغمبر علیہ السلام کو جو علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وحی حقیقی۔ یعنی وہ علم جس کو خدائے لم یزل وقتاً فوقتاً ان پر نازل فرماتا ہے۔ جس کے مجموعہ کو کتاب الٰہی، صحیفہ ربانی یا قرآن مجید کہا جاتا ہے۔ دوسرا وہ علم جو پیغمبر کے تکملہ نبوت نور نبوت یا فہم نبوت کا نتیجہ ہوتا ہے پہلا علم اصلی اور دوسرا ضمنی ہے۔ علم اول شریعت غیر متبدل اور ازلی احکام کلیہ اور مہمات کو واضح کرتا ہے۔ اور دوسرا علم پہلے علم کے اصول کلیہ کے تحت اس کے مقصود اصلی کی وضاحت اور اس کے جزئیات کی تفصیل کرتا ہے۔ اور غیر اہم و متبدل امور کے متعلق ہنگامی اوقات میں مصلحتی احکام بھی نافذ کرتا ہے۔

اقوال رسول کی تین حیثیتیں

اس اصل کے تحت حضور علیہ السلام کے ارشادات عالی کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ وہ جو بعینہٖ قرآن مجید میں موجود ہیں۔
۲۔ وہ جو قرآن مجید کے مجمل احکام کی تشریح ہیں۔
۳۔ وہ جن کا ذکر بظاہر قرآن مجید میں نہ تفصیلاً ہے نہ اجمالاً۔

پھر فرماتے ہیں خدا نے حضور علیہ السلام کی اطاعت کلیتاً فرض کی ہے۔ حضور علیہ السلام نے کوئی حکم ایسا نہیں دیا جس کی کچھ نہ کچھ اصل قرآن میں نہ ہو تمام احادیث حضور علیہ السلام کے قلب عالی میں وہ باتیں ڈال دی تھیں اور یہی حکمت ہے جب کوئی نیا واقعہ حضور علیہ السلام کے سامنے پیش آتا اور وحی نازل نہ ہوتی تو حضور علیہ السلام خود اجتہاد فرما کر حکم صادر فرماتے تھے۔ وہ امت کے لیے واجب العمل اور ہر لغزش اور غلطی سے پاک و منزہ ہے۔ اس لیے امور رسالت اور امور دین میں آپ کی رائے کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ پھر فرماتے ہیں میرے ماں باپ حضور علیہ السلام پر فدا ہو جائیں پیغمبرانہ اجتہاد و رائے علم

کا وہ کوثر ہے، جس کی دھاریں دل کے سرچشمہ سے بہتی ہیں۔ وہ الہام الٰہی، القائے ربانی، فہم رسالت، ملکہ نبوت اور حکمت خداوندی سے ماخوذ ہو کر نمودار ہوتی ہیں، اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

یا ایھا الناس انما الرای کان من رسول اللہ مصیبتا لان کان یریہ واللہ ھو منا الظن والتکلف	اے لوگو! حضور علیہ السلام کی رائے عالی غلطی سے پاک تھی، چونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو وہ رائے دکھاتا تھا اور ہماری رائے ہمارا گمان اور از خود کہنا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ استنباط قرآن مجید سے کیا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ۔	ہم نے تم پر کتاب سچائی کے ساتھ اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ تم کو سمجھائے فیصلہ کرو۔

اور حضور علیہ السلام نے خود ارشاد فرمایا ہے۔

انا اقضی بینکم برای فیما لم ینزل علیّ	میں تم لوگوں کے مابین اس مسئلہ میں جس کی نسبت مجھ پر وحی نہیں آئی تو اپنی رائے سے فیصلہ کر دیتا ہوں۔

حضور علیہ السلام دنیا میں جس شریعت کو لے کر تشریف لائے وہ آخری اور ابدی ہے، ایسی آخری اور ابدی شریعت کے لیے یہ لازمی و ضروری تھا کہ وہ زیادہ زور شریعت کے اصول کلی پر دے۔ اس لیے اس آخری وحی الٰہی نے اپنی کتاب مقدس قرآن کو اصول و کلیات تک محدود رکھا اور جزئیات کے لیے اپنی آیتوں میں ایسے اشارے رکھے جن کے سہارے سے وہ دل جو علم و معرفت سے پُر نور اور علم و حکمت سے معمور اور شرح صدر و تائید ربانی سے فیضیاب ہوں، وہ

زمانہ کے لحاظ سے ان جزئیات پر غور کریں۔

ہمارے لیے نقش اوّل ذاتِ گرامی حضور انور علیہ السلام ہے۔ آپ کی رائے آپ کا ارشاد آپ کا عمل ہر خطا و لغزش سے محفوظ و مصئون ہے۔ اس لیے اس منصب کے نتائج بھی ہر خطا سے محفوظ ہیں ہم آپ کے توسل سے یہ رتبہ خلفائے راشدین اکابر صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور علماء اعلام کو ہمیشہ سے ملتا چلا آرہا ہے، اور چلا جائے گا۔ اس کا اصطلاحی نام "اجتہاد" ہے۔

مگر سب سے بالاتر اور سب سے اہم و مقدم فرض یہ ہے، کہ حضور علیہ السلام کے صحیح ارشادات عالیہ و صحیح اعمال طیبہ کے حاصل کرنے میں ہماری تمام صلاحیتیں صرف ہوں اور ہمارا ایمان بالکل اس پر ہو کہ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس
نے خدا کی اطاعت کی۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے دس اصول معیّنہ حدیث و قرآن کی یہ توضیح آپ ہی کے کلام سے کی گئی ہے۔ ماخوذ از رسالہ اصول کتاب الام جلد ۵، ۷)

حدیث کے پہچاننے کے اصول سے قبل آپ نے جو اصول مقرر فرمائے ہیں، کہ روایت مرسل بجز حضرت سعید بن مسیب کے ناقابل قبول ہے۔ اور روایت موقوف معلق منقطع کی حیثیت حدیث متصل صحیح کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پہلے اس کی وضاحت اس لیے ضروری ہے، کہ پھر خود بخود صحیح حدیث کی پہچان کا طریقہ قارئین کرام کے لیے آسان ہو جائے گا۔

حدیث کی بحث، اصطلاحیں، درجے

مرسل اس کو کہتے ہیں۔ کہ راوی حضور علیہ السلام کا قول یا فعل تو بیان کر دیتا ہے مگر سلسلۂ روایت کو تابعی تک ختم کر دیتا ہے۔ صحابہ میں سے کسی کا نام نہیں لیتا۔

مرسل خفی اُس کو کہتے ہیں کہ ایک ایسا صحابی روایت کر رہا ہے۔ جس نے حضور علیہ السلام کو تو بچشم خود دیکھا ہے۔ مگر اس کا کسی روایت کو سننا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسرے کسی صحابی سے رویت کرتا ہے۔ اور اس کا نام نہیں لیتا۔

المرسل هو ما سقط من آخرة من التابعي وصورته ان يقول التابعي سواء كان كبيراً او صغيراً قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كذا او فعل كذا او فعل بحضرته او نحو ذلك وانما ذكرنا في القسم المردود وللجهل بحال المحذوف فلانه يحتمل ان يكون قد لعياذ على الثاني يحتمل ان يكون ثقة ويحتمل ان يكون حمل عن صحابي ويحتمل ان

یعنی مرسل کی تعریف یہ ہے۔ کہ تابعی کے بعد سے کارروائی ساقط ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی خواہ بڑا ہو جیسے (قیس بن ابی حازم وحضرت سعید بن مسیب) یا چھوٹا ہو جیسے (یحییٰ بن سعید انصاری) یہ کہدے کہ حضور علیہ السلام نے ایسا فرمایا، ایسا کیا، یا اس کی موجودگی میں ایسا ہوا یا ان جیسے الفاظ استعمال کرے۔ مرسل کا تذکرہ مردود یا ساقط الاسناد میں اس لیے کیا گیا کہ جس آخری راوی کا نام حذف کیا گیا ہے۔ اس کے حالات پوشیدہ ہیں۔ اور اس میں کئی احتمالات پیدا ہوتے ہیں یہ کہ ممکن ہے۔ کہ وہ صحابی ہو یا تابعی

یکون حمل عن تابعی اٰخر ہو"۔ اگر تابعی ہے تو احتمال ثقہ وغیر ثقہ کا پیدا ہوتا ہے۔ ثقہ ہونے کی صورت میں یہ بھی احتمال ہوتا ہے۔ کہ اس شخص نے صحابی سے روایت کیا ہو۔ یا کسی دوسرے ہمعصر تابعی سے روایت کیا ہو۔

امام حاکم فرماتے ہیں

النوع الثامن من هذا العلم معرفة المراسيل المختلف فى الاحتجاج بها وهذا النوع من علم الحديث صعب قل مايهتدى اليه الا المتبحر فى هذا العلم فان مشائخ الحديث لم يختلفوا فى ان الحديث المرسل هو الذى يرويه المحدث باسانيد متصلة الى التابعى فيقول التابعى قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم واكثر ما تردى المراسيل من اهل المدينة عن سعيد بن المسيب ومن اهل مكة عن عطاء بن ابى رباح ومن مصر عن سعيد بن ابى هلال ومن اهل الشام عن مكحول الدمشقى ومن

اس علم کی آٹھویں قسم "مرسل" کو پہچاننا ہے جس کے ذریعہ سے احتجاج میں اختلاف ہے اور یہ قسم فن حدیث میں اس قدر مشکل ہے۔ جس پر مجبوریا اس کی واقفیت صرف عالم متبحر ہی کو ہو سکتی ہے۔ مشائخ حدیث کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ مرسل روایت وہ ہے جس کو محدث بہ سند مسلسل تابعی تک روایت کرے اور تابعی یہ کہہ دے کہ حضور علیہ السلام نے ایسا فرمایا ہے۔ اکثر مرسل روایتیں اہل مدینہ میں سے حضرت سعید بن مسیب مکہ والوں میں سے عطاء بن ابی رباح مصر والوں میں سے سعید بن ابی ہلال شام والوں میں سے مکحول دمشقی۔ بصرہ والوں میں سے حسن بن ابی الحسن اور کوفہ والوں میں سے ابراہیم بن یزید نخعی روایت کرتے ہیں۔ اور

اهل البصرة عن الحسن بن ابی
الحسن و من اهل الکوفة عن
ابراهیم بن یزید النخعی و
اصحها مراسیل سعید بن المسیب
والدلیل علیه ان سعیداً من
اولادِ الصحابة و اباه المسیب
بن حزن من اصحاب الشجرة و بیعة
الرضوان وقد ادرک سعید عمر و
عثمان علیاً و طلحة و الزبیر الی
آخر العشرة المبشرة ولیس فی جماعة
التابعین من ادرکهم و سمع منهم
غیر سعید و قیس بن ابی حازم
ثم مع هذا فانه فقیه اهل
الحجاز و مفتیهم و ادل من
فقهاء السبعة الذین یعد
مالک بن انس اجماعهم
کما نقله النّاس سمعت ابا
العباس محمد بن یعقوب یقول سمعت
العباس الدوری یقول سمعت
یحیی بن معین یقول اصح المراسیل
سعید بن المسیب و ایضاً فقد تامل

ان تمام مراسیل میں سب سے زیادہ صحیح
حضرت سعید بن مسیب کی مراسیل ہوتی ہیں۔
اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت سعید اولاد
صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے والد مسیب
بن حزن بیعۃ الرضوان میں شریک تھے
اور آپ نے حضرت عمر حضرت عثمان حضرت
علی حضرت طلحہ و حضرت زبیر و دیگر عشرۂ مبشرہ
کی جماعت سے استفادہ کیا ہے۔ تابعین کی
جماعت میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جسے اکابر
صحابہ سے بجز حضرت سعید بن مسیب و قیس بن ابی
حازم کے استفادہ کیا ہو۔ علاوہ ازیں اہل حجاز
کے فقیہہ اور مفتی تھے اور فقہائے سبعہ کے
ہم خیل تھے۔ جو مدینہ کا ممتاز طبقہ تھا۔ امام
مالک فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ کے فقہاء سبعہ کا اجماع
ایسا ہے گویا سب کے سب متفق ہیں میں نے ابوالعباس
محمد بن یعقوب سے سنا انہوں نے عباس
دوری۔ انہوں نے یحیی بن معین سے سنا
وہ فرماتے تھے۔ تمام مرسل روایتوں میں صحیح
روایتیں حضرت سعید بن مسیب کی ہیں۔ اس
کی یہ بھی وجہ ہے۔ ائمۂ متقدمین نے جب آپ
کی مرسل روایتوں پر غور و فکر و تنقید سے کام

الائمة المتقدمون من اصحابه
فوجدوها صحيحةً وهذه الشرائط
لم توجد فی مراسیل غیره فهذه
صفة المراسیل عند اهل الحدیث
وقال الحاکم بسنده الی یزید بن
هارون یقول قلت لحماد بن زید یا
ابا اسمٰعیل هل ذکر الله اصحاب
الحدیث فی القرآن فقال بلیٰ الم
تسمع الی قول الله لیتفقهوا فی الدین
ولینذروا قومهم اذا رجعوا الیهم
لعلهم یحذرون فهذا فی من
رحل فی طلب العلم ثم رجع به
الی من وراءه لیعلمهم ایاه قال
الحاکم ففی هذا النص دلیل علی ان
العلم المحتج به هو المسموع غیر المرسل
هذا من کتاب الله واما من السنة
فحدثنا ابو جعفر محمد بن علی بن دحیم
الشیبانی فی ثنا احمد بن حازم بن ابی غرزة
ثنا ضرار بن صرد ثنا ابو بکر بن عیاش عن
الاعمش عن عبد الله بن عبد الله الاسدی
عن سعید بن جبیر عن عبد الله
بن عباس قال قال رسول الله صلی الله

لیا تو اس کی سندیں مل گئیں اور یہ صفت دوسروں
کی مرسل روایتوں میں نہیں پائی جاتی اگر
حدیث کے نزدیک مرسل کی یہ حقیقت
ہے۔ پھر امام حاکم فرماتے ہیں۔ یزید بن
ہارون نے حماد بن زید سے پوچھا اے ابو اسمٰعیل
کیا اصحاب حدیث کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے
انہوں نے فرمایا ہاں کیا تم نے خدا کے اس
ارشاد کو نہیں سنا۔ تاکہ وہ دین میں تفقہ
کریں۔ اپنی قوم کو سمجھائیں جبکہ وہ واپس ہوں
تاآنکہ وہ ڈریں۔ پس یہ فرمان ایسے شخص کے
لیے ہو سکتا ہے۔ جو طلب علم کے لیے سفر
کرے پھر واپس آکر اپنے اصحاب کو تعلیم
دے حاکم کہتے ہیں کہ اس نص قرآنی سے یہ
دلیل ثابت ہوئی کہ علم وہی قابل حجت ہے
جو سنا ہوا نقل کیا جائے نہ یہ کہ اس کو
مرسل کیا جائے یہ تو قرآنی دلیل ہے۔ اب
حدیث کی روایت بطریقہ سعید بن جبیر
یہ ہے۔ کہ ان سے حضرت عبد اللہ بن عباس
نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا
تم جس طرح مجھ سے سنتے ہو۔ اسی طرح
تم سے دوسرے سنیں گے پھر ان سے وہ

علیہ وسلم تسمعون ویسمع منکم و یسمع ممن یسمع منکم

سنیں گے۔ جنہوں نے تم سے سنا ہوگا۔ اس لیے سند کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔

حدیث موقوف، منقطع اور معلق

جو متن حدیث صحابی تک پہنچ جائے اور صحابی سے یہ ثابت نہ ہو سکے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے سنا بھی ہے۔ یا نہیں۔ اس کو موقوف کہتے ہیں[1]۔

یہ بھی حافظ صاحب فرماتے ہیں تیسری قسم ایسی روایتوں کی جو ساقط الاعتبار ہیں وہ یہ ہے۔ کہ اگر راوی حدیث پے در پے دو یا اس سے زیادہ چھوٹ جائیں تو اس کو "معضل" کہتے ہیں۔ لغت میں معضل تھکے ہوئے کو کہتے ہیں۔ اور اگر راوی متفرق طور پر چھوٹ جائیں یعنی پے در پے نہ چھوٹیں تو اس کو منقطع کہتے ہیں۔

امام حاکم معرفۃ علوم حدیث صفحہ ۲۷ میں فرماتے ہیں۔

النوع التاسع من هذا العلم معرفة المنقطع من الحديث وهو غير المرسل وقل ما يوجد في الحفاظ يميز بينهما والمنقطع على ثلاثة اقسام فمنها ما حدثنا ابو عمر وعثمان بن احمد ببغداد ثنا ايوب بن سليمان السعدي ثنا عبد العزيز بن موسى ثنا هلال بن حق عن الجريري عن ابي العلاء وهو ابن الشخير عن رجلين من بني حنظلة

اس علم کی نویں قسم حدیث منقطع کو پہچاننا ہے۔ اور یہ مرسل حدیث کے علاوہ ہے بہت کم حفاظ حدیث ہیں۔ جو مرسل اور منقطع میں فرق کر سکتے ہیں۔ منقطع کی تین قسمیں ہیں۔ منجملہ ان کے مثال یہ ہے ہم سے حدیث بیان کی ابو عمر و عثمان بن احمد نے بغداد میں ان سے عبد العزیز بن موسیٰ نے ان سے ہلال بن حق نے وہ جریری سے وہ ابو العلا ابن شخیر سے وہ بنی حنظلہ کے دو آدمیوں سے وہ دونوں شداد بن اوس سے کہ حضور علیہ السلام ہم کو

---

[1] نخبۃ الفکر لابن حجر عسقلانی

عن شداد بن اوس قال کان
رسول اللہ صلعم لعلیم احدنا ان یقول فی صلاتہ — یہ دعا تعلیم فرماتے ہیں، کہ ہم نمازمیں اسکو پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسَالُکَ التَّثَبُّتَ فِی الْاَمْرِ وَعَزِیْمَۃَ الرُّشْدِ وَ اَسْاَلُکَ قَلْبًا سَلِیْمًا وَلِسَانًا صَادِقًا وَاَسْاَلُکَ شُکْرَ نِعْمَتِکَ وَ حُسْنَ عِبَادَتِکَ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا تَعْلَمُ۔

قال الحاکم ھذا الاسناد مثل لنزع من المنقطع لجھالۃ الرجلین بین ابی العلاء بن الشخیر واشداد بن اوس وشواھدہ فی الحدیث کثیرۃ

امام حاکم فرماتے ہیں۔ اس سند میں انقطاع اس لیے ہے، کہ دو آدمی جو ابن شخیر اور حضرت شداد بن اوس کے درمیان واسطہ ہیں، وہ مجہول الحال ہیں۔ اور اس قسم کی مثالیں احادیث میں بکثرت ہیں۔

منقطع کی دوسری قسم کے متعلق امام حاکم فرماتے ہیں۔

حدثنا ابوالعباس محمد بن یعقوب حدثنی یحیی بن ابی طالب ثنا علی بن عاصم عن داؤد بن ابی ھند قال نزلت جزیرۃ قیس فسمعت شیخا اسمی یقال لہ ابوعمر یقول سمعت اباھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیاتین علی الناس زمان یخیر الرجل بین العجز والفجور فمن

حدیث بیان کی کہ ہم سے ابوالعباس محمد بن یعقوب نے ان سے یحیی بن ابی طالب نے ان سے علی بن عاصم نے وہ داؤد بن ابی ہند سے وہ کہتے ہیں، کہ میں جب جزیرۂ قیس پر اترا تو وہاں ایک بڈھے بوڑھے شخص نے جس کو لوگ ابوعمر کہتے تھے یہ کہتے سنا کہ اس نے ابوہریرہؓ سے سنا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس کو کمزوری یا نافرمانی میں سے ایک

ادرك ذلك الزمان فليتخير العجز على الفجور قال الحاكم مثل النوع من المنقطع الذى لايقف عليه الا الحافظ الفهم المتبحر فى الصنعة وله شواهد كثيرة جعلت هذا الواحد مثالا لها

راستہ اختیار کرنا پڑے گا، اس لیے جو شخص ایسا دور پائے تو وہ کارِ نافرمانی کے کمزوری کو اختیار کرے۔ اس روایت میں اندھے شیخ کو ابو عمر کہہ دیا گیا جس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں، یہ از قسم منقطع ایسی مثال ہے، جس کو بہت ہی بڑا ماہر فن حدیث اور متبحر ہی پہچان سکتا ہے۔ ایسی بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے میں نے یہ ایک مثال پیش کی ہے۔

تیسری مثال یہ ہے۔

حدثنا ابو النضر محمد بن محمد بن يوسف الفقيه حدثنا محمد بن سهل ثنا عبد الرزاق قال ذكر الثورى عن ابى اسحٰق عن زيد بن يثيع عن حذيفة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان وليتموها ابا بكر فقوى امين لا تاخذه فى الله لومة لائم وان وليتموها عليا فهادٍ مهدى يقيمكم على طريق مستقيم۔ قال الحكم هذا

ہم سے ابو النضر محمد بن یوسف فقیہ نے روایت بیان کی کہ ان سے محمد بن سلیمان حضری نے ان سے محمد بن سہل نے ان سے عبد الرزاق نے کہا کہ ثوری نے تذکرہ کیا کہ ابو اسحٰق سے وہ زید بن ثیع سے وہ حذیفہ سے کہ حضور علیہ السلام نے خلافت کے متعلق فرمایا اگر تم لوگ ابو بکر کو خلیفہ بناؤ گے، تو وہ قوی اور امین ثابت ہوں گے خدا کے احکام کی تکمیل میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کریں گے اور اگر تم لوگ علی کو خلیفہ بناؤ گے تو وہ ہدایت یافتہ اور ہدایت کرنے والے ہیں

لا سناد لا یتامله احد الا علم اتصاله وسندہ فان الحضرمی ومحمد بن سہیل ثقتان وسماع عبد الرزاق من سفیان الثوری واشتہارہ بہ معروف و کذالک سماع الثوری من ابی اسحٰق واشتہارہ بہ معروف وفیہ القطاع فی موضعین فان عبد الرزاق لم یسمعہ من الثوری والثوری لم یسمعہ من ابی اسحٰق ۔

تم کو سیدھے راستہ پر چلائیں گے۔ حاکم فرماتے ہیں کہ جب اس روایت پر غور کیا جائے گا۔ تو بظاہر یہ سند متصل نظر آئے گی۔ اس لیے کہ محمد بن سہل اور حضرمی دونوں ثقہ ہیں اور عبد الرزاق کی سماعت سفیان ثوری سے مشہور و معروف ہے اس طرح سفیان ثوری کی روایت ابی اسحٰق سے مشہور و معروف ہے لیکن اس روایت میں دو جگہ انقطاع ہے اس روایت کو عبد الرزاق یوں بیان نہیں کرتے کہ انہوں نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے یا ان سے خود سنا ہے یا سفیان ثوری یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابو اسحٰق سے سن کر روایت کیا ہے یہ ایسی فقہی نزاکت ہے جس پر ہر محدث کی نظر ہونی چاہیئے۔

روایت معلق کی وضاحت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

ومن سورہ المعلق ان یحذف جمیع السند ویقول مثلا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنہا ان یحذف الا الصحابی او الا التابعی والصحابی معًا ومنہا ان یحذف من حدیث ویضیفۃ الی من فوقہ فان کان من

معلق کی تعریف یہ ہے کہ ابتدائی راوی سند کے کل راویوں کو حذف کر دے اور یوں کہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ سند میں صرف صحابی کا نام لے اور باقی راویوں کو حذف کر دے یا تابعی اور صحابی کو رہنے دے ایک صورت یہ بھی ہے کہ معلق کرنے والا اپنے شیخ کو

وقد شیخا لذالک المصنف فقد
اختلف فیه هل یسمی تعلیقا
اولا والصحیح فی هذا التفصیل
ان عرف بالنص والاستقراء
ان فاعل ذلک مدلس قضی
بهذا والا فتعلیق

حذف کردے اور شیخ کے شیخ کا نام ظاہر کردے ایسی صورت میں اس روایت کو معلق کہنا چاہیے یا نہیں صحیح قول یہ ہے کہ اگر ائمہ حدیث میں سے کسی کی تصریح مل جائے یا کامل تلاش یا جستجو سے یہ پتہ چل جائے کہ ایسے فعل کا کرنے والا مدلس ہے تو اس پر تدلیس کا اطلاق ہوگا۔ ورنہ ایسی روایت معلق رہے گی۔

تدلیس اور مدلس کی وضاحت

عہد صحابہ و تابعین میں روایت میں اس درجہ احتیاط تھی کہ ممتاز محدثین تابعین میں سے بحدامکان الفاظ نبوی کی نقل بجنسہٖ ضروری سمجھتے تھے اور اگر بالمعنی روایت بھی کرتے تھے تو مفہوم حضور علیہ السلام کو کسی طرح نہ فوت ہونے دیتے تھے ان کے پیش نظر یہ احکام تھے۔

کفی بالمرء کذبا ان یحدث
بکل ما سمع

آدمی کے جھوٹے ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات بلا تحقیق بیان کردے جو

۲۔ من کذب علیّ معتمداً
فلیتبوأ مقعدہ فی النار

جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ جہنم کو اپنا مسکن بنالے۔

اس لیے خلاف واقعہ بیان کرنے کی جرأت کا تصور بھی نہ ہوتا تھا زمانہ بعد حکومت کے انقلاب جبر و استبداد اور شخصی اثرات سے ایسی صورتیں پیدا ہونے لگیں جن سے جھوٹ کو بہ اشکال مختلف چھپانے کی کوشش کی گئی جس کی معمولی شکل تدلیس ہے۔ یعنی

کسی ضعیف کذّاب یا مشتبہ شخص کے نام کو چھپا کر اور کچھ الفاظ روایت کو گھٹا کر بڑھا کر یا اپنے مقصد کے پیش نظر بعض جملوں کو حذف کر کے کسی روایت کو بیان کر دینا تدلیس ہے سلف صالحین جب درس دیتے تھے۔ تو مع سند کے بیان کرتے تھے۔ لیکن وہ علمی مذاکرات یا مجالس وعظ میں سند حذف کر کے روایت بیان فرماتے تھے۔ یہ طریقہ اور رواج معیوب نہ تھا۔ تاہم محدثین نے بکمال احتیاط ایسے مقتدر تابعین و تبع تابعین کے ناموں کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ لیکن اس روش کو دیکھ ضعیف الحافظ غیر محتاط اور غیر متدین افراد نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا۔ اور محدثین کو ان کا پردہ تلاش کرنا پڑا۔

وھوان اھل الحجاز والحرمین	یعنی اہل حجاز۔ حرمین، مصر اور عوالی مصر کا
ومصر والعوالی لیس التدلیس	طریقہ تدلیس کا نہ تھا۔ اسی طرح خراسان
من مذھبھم وکذلک	وامانِ کوہ۔ اصفہان۔ بلاد فارس و خوزستان
اھل خراسان والجبال واصبھان و	اور ماوراء النہر کے ائمہ محدثین کے متعلق بھی
بلاد فارس وخوزستان وما وراء النھر	تدلیس کا علم نہیں ہوا۔ البتہ بیشتر محدثین
لا یعلم من ائمتھم من دلس واھل	کوفہ اور کچھ بصرہ والوں کی عادت تھی۔
اکثر المحدثین تدلیس اھل	
الکوفۃ وتدلیس من اھل البصرۃ	

امام حاکم علوم حدیث صفحہ ۱۰۳ پر فرماتے ہیں۔

خبرکم عبد اللہ محمد بن	ہم سے ابو عبد اللہ محمد بن احمد نے ان سے
احمد قال حدثنا محمد بن	محمد بن عبد اللہ نے ان سے سلیمان بن داؤد
عبد اللہ قال حدثنا سلیمان بن	منقری نے وہ کہتے تھے۔ کہ میں نے عبد الصمد
داؤد بنقر قال سمعت عبد	بن عبد الوارث سے سنا اور وہ اپنے والد

الصمد بن عبد الوارث عن ابیہ قال — یعنی عبدالوارث کا قول نقل کرتے تھے، کہ
التدلیس ذل قال سلیمان التدلیس — تدلیس ذلت ہے۔ دھوکہ، غرور، مکر، جھوٹ
والغش والغرور والخداع والکذب۔ — قیامت کے دن ڈھکے چھپے احوال ظاہر
یجلو یوم تبلی السرائر فی فقاذ واحد — ہوں گے تو یہ سب ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہوں گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے ایک چھوٹا سا رسالہ از نام طبقات المدلسین بہترین مرتبہ فرمایا ہے، جو مصر میں طبع ہو چکا ہے۔ اس رسالہ میں آپ فرماتے ہیں۔

مدلسین کے پانچ طبقات ہیں۔ پہلا دوسرا طبقہ ان حضرات کا ہے۔ جو انتہائی ثقہ و متدین تھے۔ ان کی روش یہی تھی۔ کہ مجلس درس کے علاوہ بے سند روایتیں بیان کرتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں واضح کر دیا ہے۔

تیسرا طبقہ ان افراد کا ہے، جس سے یہ فعل اکثر سرزد ہوا ہے۔ اور ائمہ حدیث ان کی روائتیں اس وقت تک قبول نہیں کرتے۔ جب تک وہ صریح طور پر اپنے سماعت کی وضاحت نہ کریں۔ ان میں ایسے بھی ہیں، جن کی روایتیں قطعاً ناقابل قبول ہیں۔ اور ایسے بھی ہیں۔ جن کی روایتیں بعد وضاحت قابل قبول ہیں۔ جیسے ابی زبیر مکی۔

چوتھا طبقہ ایسے حضرات کا ہے۔ جن کے متعلق متفقہ طور پر محدثین نے یہ طے کر دیا کہ چونکہ وہ ضعیف اور مجہول لوگوں کے ناموں میں تدلیس کرتے ہیں۔ اس لیے جب تک وہ سماع حدیث کے راوی کے نام کی صحیح طور پر وضاحت نہ کریں۔ ان کی روایتیں قابل تسلیم نہیں ہیں۔

پانچواں طبقہ ان حضرات کا ہے۔ جن میں علاوہ اس نقص تدلیس کے اور بھی سبب ضعف ہیں۔ ایسے لوگ اگر چہ وضاحت سند بھی کر دیں تو بھی ان کی روائتیں مردود ہیں۔ البتہ جن میں ضعف کی کوئی معمولی وجہ ہو۔ جیسے ابن لہیعہ وہ اس شرط پر مستثنیٰ کئے جا سکتے ہیں۔ کہ دیگر وجوہ توثیق موجود ہیں۔ اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ تدلیس

کبھی سند میں ہوتی ہے۔ کبھی اپنے شیوخ میں اور اس نزاکت کو ماہرین فن حدیث ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں چونکہ وہ رواۃ حدیث کے سنہ ولادت سنہ وفات یا جس صدی میں وہ موجود ہوں۔ اور ان کے ہمعصروں کے حالات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ چوتھے طبقہ کے مشہور تدلیس بارہ ہیں۔

البقیہ بن ولید۔ ابو محمد کنیت۔ حمیری کلاعی۔ تیمی حمصی یہ سب ان کی نسبتیں ہیں ابو اسحٰق جوزجانی فرماتے ہیں خدا بقیہ پر رحم فرمائے۔ وہ جب خرافات روایت کرتے ہیں تو انہیں یہ لحاظ نہیں ہوتا ہے کہ کیا اور کس سے روایت کر رہے ہیں۔ اگر وہ ثقات سے روایت کریں تو وہ روایت صحیح ہے ائمۂ حدیث کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ جب الفاظ۔ حدثنا۔ ابنانا کہیں۔ یعنی ہم کو خبر دی۔ ہم سے حدیث بیان کی ہم کو مطلع کیا تو یہ روایت صحیح ہو سکتی ہے لیکن جب یہ لفظ۔ عن کہہ دیں تو وہ سند صحیح نہ ہوگی۔ چونکہ یہ مجہول اور غلط لوگوں سے تدلیس کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت صرف ایک روایت ہے جو صحیح ہے مضر بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے بقیہ کے متعلق پوچھا۔ آپ نے کہا وہ بذات خود تو ثقہ ہیں مگر ان کی روایت میں یہ شرط ضروری ہے کہ وہ مشہور و معروف مشائخ سے روایت کریں تو ٹھیک ہے ورنہ ان کے بعض مشائخ ایسے مجہول الحال ہیں جن کا پتہ نہیں چلتا۔ ۱۹۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

۲۔ حجاج بن ارطاۃ مشہور فقیہ و محدث ہیں۔ محدثین کہتے ہیں کہ ان میں تکبر نمایاں تھا مسجد میں نہیں آتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جہاں حمال و بقال مزاحم ہوں وہاں میں کیا آؤں۔ امام احمد و یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے۔ کہ ان میں تدلیس کا عیب تھا۔ اور ۶۰۰ روایتیں اسی قسم کی ان سے مروی ہیں۔ اصمعی کہتے ہیں۔ کہ بصرہ کے قاضیوں میں صرف انہیں نے رشوت لی۔ عبداللہ

بن ادریس فرماتے ہیں ۔ کہ حجاج بن ارطاۃ پہلے خود کپڑے دھوتے تھے ۔ جب مہدی کے دربار میں پہنچے اور واپس آئے تو چالیس اونٹوں پر ان کا سامان لدا ہوا تھا ۔ محدثین کا یہ فیصلہ ہے ۔ کہ یہ تدلیس تھے ۔

۳ ۔ حمید بن ربیع بن حمید بن مالک بن شمیم ابو الحسن لخمی کوفی یحیٰی بن معین فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ چار جھوٹے ہیں ۔ حسین بن عبد الاول ، ابو ہشام رفاعی ، حمید بن ربیع ، قاسم بن ابی شیبہ ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث میں چوری کرتے تھے ۔ موقوف روایت کو مرفوع کر دیتے تھے ۔ مشہور تدلیس ہیں ۔

۴ ۔ سوید بن سعید الحدثانی ۔ یہ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے ۔ اور حافظہ بھی کمزور ہو گیا تھا ۔ اس عمر کی روایتیں نا قابلِ اعتبار ہیں ۔ جوانی کی عمر کی ٹھیک ہیں ، بڑھاپے میں تدلیس کرتے تھے ۔

۵ ۔ عباد بن منصور ناجی بصری ۔ یہ بصرہ کے قاضی تھے ۔ قدری عقیدہ رکھتے تھے ۔ امام احمد و امام بخاری نے وضاعت کی ہے ۔ کہ یہ ضعیف راویوں کے نام کے چھپانے کے عادی تھے ۔

۶ ۔ عطیہ بن سعید کوفی ۔ مشہور تابعی ہیں ۔ لیکن تدلیس مشہور ہیں[۴]

۷ ۔ محمد بن اسحٰق بن یسار مطلبی مدنی صاحب المغازی ۔ امام ابن شہاب زہری کے شاگرد ہیں ۔ علی بن مدینی اُستاد امام بخاری نے فرمایا ہے ۔ آدمی نیک تھے ۔ ان کی روایتیں بھی صحیح ہیں ۔ کبھی وہم ہو جاتا تھا ۔ علامہ ذہبی کے میزان میں فرمایا ہے یہ حسن الحدیث ۔ صالح الحال اور سچے ضرور ہیں ۔ لیکن جن روایتوں کو وہ منفرد بیان کریں ۔ ان میں ان کے حافظہ کی وجہ سے ضعف ہو ہی جاتا ہے ۔ حافظ ابن حجر

[۱] میزان الاعتدال ذہبی [۲] میزان [۳] میزان [۴] لسان المیزان

بحوالہ امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ یہ ضعفا اور مجہول لوگوں کے نام چھپاتے تھے۔

۸۔ محمد بن عیسیٰ بن قاسم سمیع دمشقی۔ یہ بھی تدلیس ہیں۔

۹۔ یعقوب بن عطاء بن ابی رباح۔ ان کو امام احمد و یحییٰ بن معین و ابو حاتم نے ضعیف کہا ہے۔ اور یہ تدلیس میں مشہور تھے۔

۱۰۔ عمر بن علی المقدمی۔ مشہور تبع تابعی ہیں۔ ثقہ اور معتبر شخص ہیں۔ ان کے متعلق محدثین نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ جب تک یہ حدثنا۔ اخبرنا یا ابنانا نہ کہیں اُس وقت تک ان کی روایت ناقابلِ التفات ہے۔

۱۱۔ ولید بن مسلم دمشقی۔ باوجود اس کے کہ بہت بڑے امام عابد زاہد تھے لیکن تدلیس میں مشہور تھے۔

۱۲۔ عیسیٰ بن موسیٰ البخاری۔ یہ بذاتِ خود نیچے ہیں۔ لیکن تقریباً سو مجہول الحال لوگوں سے روایت کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں۔ اس طبقہ کے یہ بارہ مشہور تدلیس ہیں۔ ان کی روایتیں جب ہی قابل قبول ہوں گی۔ جب یہ صریح و صحیح سند ظاہر کریں۔

طبقہ پنجم کے یہ ۲۴ مشہور مدلس ہیں۔

۱۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ اسلمی۔ جمہور محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔ امام شافعی امام احمد نے ان کو مدلس کہا ہے۔

۲۔ اسمٰعیل بن خلیفہ ابو اسرائیل الملائی۔ ترمذی نے ان کو مدلس کہا ہے۔

۳۔ بشیر بن زاذان۔ دارقطنی نے ان کو ضعیف کہا اور مشہور مدلس ہیں۔

۴۔ تلمید بن سلیمان محاربی کوفی۔ امام احمد و عجلی و دارقطنی نے ان کو مدلس کہا ہے۔

۵۔ حسان بن یزید جعفی کوفی۔ امام سفیان ثوری و عجلی نے ان کو مدلس کہا ہے۔

۶۔ حسن بن عمارہ کوفی ۔ ابو محمد فقیہ ۔ جمہور نے ضعیف کہا۔ ابن حبان نے کہا کہ اس پر مصیبت یہ ہے کہ یہ مدلس بھی ہے ۔

۷۔ حسین عطاء بن یسار ۔ ابو حاتم نے منکر الحدیث ابن جارود نے کذاب کہا ہے اور یہ مشہور مدلس ہیں۔

۸۔ خارجہ بن مصعب خراسانی ۔ جمہور نے ضعیف کہا ہے ۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں ۔ کہ یہ جھوٹے راویوں کے نام چھپاتے تھے ۔

۹۔ سعید بن مرزبان بقال ۔ امام احمد نے ان کو مدلس قرار دیا ہے ۔

۱۰۔ صالح بن ابی الاخضر مشہور مدلس ہیں ۔

۱۱۔ عبداللہ بن لہیعہ حضرمی قاضی مصر آخر عمر میں حافظہ خراب ہو چکا تھا ۔ ان کی روایتوں میں غلط باتیں نمایاں ہو گئیں تھیں ۔ ابن حبان فرماتے ہیں ۔ آدمی بنفسہ نیک تھے ۔ لیکن مدلس بھی تھے ۔

۱۲۔ عبداللہ بن زیاد بن سمعان مدنی ۔ ابن حبان نے ان کو مدلس قرار دیا ہے

۱۳۔ عبداللہ بن معاویہ بن عاصم بن منذر بن زبیر بن عوام ۔ ابن حبان نے ان کو مدلس قرار دیا ہے ۔

۱۴۔ عبداللہ بن واقد ابو قتادہ ۔ الحرانی ۔ امام احمد نے ان کو مدلس قرار دیا ہے ۔

۱۵۔ عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ۔ ابن حبان نے ان کو مدلس قرار دیا ہے ۔

۱۶۔ عبدالعزیز بن عبداللہ بن وہب کلاعی ۔ ابن حبان نے ان کو مدلس قرار دیا ہے

۱۷۔ عبدالوہاب بن مجاہد بن جبیر ۔ امام حاکم نے ان کو مدلس ظاہر کیا ہے ۔

۱۸۔ عثمان بن عبدالرحمٰن الطرائفی ۔ ابن حبان نے ان کو مدلس ظاہر کیا ہے ۔

۱۹۔ علی بن غالب مصری ۔ امام محمد و ابن حبان نے ان کو مدلس ظاہر کیا ہے ۔

۲۰۔ عمرو بن حکام ۔ امام حاکم نے ان کو مدلس قرار دیا ہے ۔

۲۱۔ مالک بن سلیمان قاضی ہرات ۔ امام نسائیؒ اور ابن حبان نے ان کو مدلس قرار دیا ہے۔

۲۲۔ محمد بن کثیر صنعانی ۔ عقیلی نے ان کو ضعیف و مدلس کہا ہے۔

۲۳۔ ہشیم بن کثیر عدی الطائیؒ ۔ امام بخاری نے فرمایا ہے یہ کذب سے متہم تھے امام محمد نے ان کو اخباری مدلس قرار دیا ہے۔

۲۴۔ یحییٰ بن ابی حیۃ الکلبی ۔ متفقہ طور پر طے کیا گیا ہے کہ یہ مدلس ہیں۔

احادیث اگر آپس میں متعارض ہوں تو کیا کیا جائے؟

جب چند احادیث باہمی متعارض ہوں تو ان پر یہ غور کرنا چاہیے کہ راوی کیسے ہیں دوسرے احکام کی ترتیب تیسرے صحابہ کے تقدم و تاخر ایمان پر لحاظ چوتھے تابعین کی قربت پر نظر ہو اور ناسخ و منسوخ پر کافی عبور ہونا چاہیے۔

حافظ ابوبکر محمد بن موسےٰ بن عثمان بن حازم نے اس اصول کی جو بے نظیر توضیح فرمائی ہے وہی محدثین کا مختار طریقہ ہے۔ اس اصول کے ذیل میں، قواعد ناقد کیے گئے ہیں[1]۔

۱۔ یہ دیکھنا چاہیے کہ دونوں روایتوں میں آیا تطبیق ممکن ہے۔ اگر ناممکن ہے۔ تو بلحاظ شہرت و کثرت طریقہ ہائے اسناد جو روایت ثابت ہوگی وہ قابل قبول ہوگی۔

۲۔ دونوں روایتوں کے راویوں میں اس پر لحاظ کرنا چاہیے کہ ان میں سب سے زیادہ حافظ محتاط اور بلند پایہ کون اور کس روایت میں ہیں، مثلاً امام محمد بن شہاب زہری کے مدینہ میں دو مشہور شاگرد ہیں امام مالک اور شعیب بن ابی حمزہ ایسی صورت میں امام مالک کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی۔

۳۔ دونوں روایتوں کے راویوں میں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ کس روایت کے راویوں کی عدالت اور دیانت پر اتفاق ہے اور کس کی ثقاہت میں اختلاف ہے۔ جس پر اتفاق ہو وہ روایت قابل قبول ہوگی۔

۴۔ یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ان حدیثوں کے راویوں میں سے کس نے اپنے شیخ

---

[1] کتاب الاعتبار حازمی

سے پختگی عمر میں روایت کی ہے اور کس نے کم سنی میں اگر عاقل بالغ اور ذی فہم کی روایت ہے تو اسے کم سن کی روایت پر ترجیح ہے۔ جیسے امام زہری کے شاگردوں میں امام مالک و امام سفیان بن عیینہ ہیں۔ سفیان بن عیینہ نے نو عمری میں اور امام مالک نے ۶۰ سال تک پختگی عمر میں استفادہ کیا ہے۔

۵۔ جب دو روایتیں مختلف ہوں تو یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ کون سی روایت راوی نے اپنے شیخ سے بلا کسی واسطہ کے بالمشافہ سنی ہے اور کون سی روایت ایسی ہے جو بذریعہ تحریر کے شاگرد کو پہنچی یا استاد کی کتاب سے شاگرد نے نقل کی۔ اس تحقیق کے بعد جو روایت بالمشافہ ہوگی وہ قابل ترجیح ہوگی۔

۶۔ دو راوی ہوں ایک نقل واقعہ کرے دوسرا اس واقعہ سے متعلق بھی ہو۔ اس لیئے جو شخص اس واقعہ سے متعلق ہوگا اس کی رائے قابل ترجیح ہوگی۔ جیسے حضرت میمونہ کے نکاح کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضور علیہ السلام نے بحالت احرام ان سے نکاح کیا تھا۔ اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عباس ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ محرم نہ تھے اس کے راوی حضرت ابورافع ہیں۔ ابورافع کی روایت اس لیے قابل ترجیح ہے کہ وہی اس نکاح کے طے کرانے میں واسطہ تھے۔ اس بنا پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب کسی نے پوچھا کہ موزوں پر مسح کس طرح یا کب تک کیا جائے تو آپ نے فرمایا حضرت علی سے جا کر پوچھو۔ اس لیے کہ وہ سفر میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ رہتے تھے۔

۷۔ دو راویوں میں یا روایتوں میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ جو واقعہ بیان کیا جا رہا ہے وہ عملاً کس سے ثابت ہے مثلاً بعض صحابہ سے روایت ہے کہ غسل انزال سے لازم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ نے اس خیال کی یا اس روایت کی اصلاح یا وضاحت یا یوں فرمائی کہ صرف دخول ہی لزوم غسل کا سبب ہے۔

۸۔ اگر دو روائتیں ہوں ایک حجازی دوسری عراقی تو حجازی روایت کو ترجیح ہوگی امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یوں تو بصحت سند و رجال ہر شہر کی حدیث قابل قبول ہے لیکن حجاز کی روایت کو اس لیے حق ترجیح ہے کہ بیشتر صحابہ مدینہ منورہ ہی میں حاضر باش تھے اور ہر حکم کی کچھ نہ کچھ اصل ان کے علم میں تھی۔

۹۔ ایسی دو روائتیں ہوں جن میں سے ایک تو ایسے لوگوں کی روایت ہو جو تدلیس کو عیب نہیں سمجھتے تھے جیسے بیشتر اصحاب کوفہ و بعض اہل بصرہ اور دوسری روایت ان لوگوں کی ہو جو تدلیس کو عیب سمجھتے تھے تو یہ روایت قابل ترجیح ہوگی۔

۱۰۔ ایسی دو روایتیں ہوں جن میں اس طبقہ کے راوی ہوں جو روایت بالمعنی کے قائل ہوں۔

اور دوسری روایت میں اس طبقہ کے راوی ہوں جو روایت باللفظ کے قائل ہوں تو ان کی روایت مستند ہوگی۔

۱۱۔ ایسی دو روائتیں ہوں جن میں ایک پر تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد خلافت تک بلا چون وچرا عمل ہوا۔ اور دوسری ایسی نہ ہو تو پہلی پر عمل کیا جائے گا۔

۱۲۔ ایسی دو روائتیں ہوں جن میں ایک تو ظاہر قرآن کے بالکل موافق ہو۔ تو دوسری ایسی نہ ہو تو پہلی پر عمل کیا جائے گا۔

۱۳۔ دو ایسے راوی ہوں۔ جو ایک ہی شیخ کے شاگرد ہوں۔ ان دونوں کی علیحدہ علیحدہ روایتوں میں اگر تصادم ہو تو ایسی حالت میں جو راوی بکثرت اپنے شیخ کے پاس رہتا سہتا ہو اس کا قول یا اس کی روایت قابل تسلیم ہوگی۔ جیسے امام زہری کے شاگردوں میں دو شخص تھے ایک نعمان بن راشد، دوسرے یونس بن یزید۔ یونس بن یزید آپ کے ساتھ اکثر سفر و حضر میں رہتے تھے۔ اس لیے بمقابلہ نعمان ان کی روایت معتمد ہے۔

۱۴۔ ایک صورت یہ ہے کہ ایک راوی تو مشائخ کرام سے روایت کرتا ہے اور دوسرا اسی شہر کے کم فہم اشخاص سے روایت کرتا ہے۔ تو پہلی روایت معتبر ہوگی۔

۱۵۔ ایسی ہی صورت یہ ہے کہ ایک روائت میں ثقہ محدثین ہیں اور دوسری روایت میں ثقہ فقیہ اور محدث ہیں تو دوسری قابل ترجیح ہوگی۔

۱۶۔ ایسی دو روائتیں جن میں ایک طرف تو حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی اور فعل مبارک بھی ہو۔ اور دوسری روائت میں ارشاد عالی ہو عمل نہ ہو تو پہلی روائت قابل ترجیح ہوگی۔

۱۷۔ ایسی دو روایتیں جن میں ایک روایت کے راوی تو صرف اپنے حافظ کے اعتماد پر روایت کرتے ہیں اور دوسری روایت میں ایسے راوی ہوں۔ جو اپنے حافظ کے اعتماد کے باوجود اپنی کتاب میں بھی لکھ لیتے ہوں۔ پھر بیان کرتے ہوں۔ تو یہ دوسری روایت قابل اعتماد ہوگی۔

یہ ہے اصول تشریح جو ہر محدث کے لیے قابل عمل ہیں۔

ترجیح روایات کے سلسلہ ہی میں ناسخ و منسوخ کی بحث ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا۔ آپ نے دریافت کیا تمہیں ناسخ منسوخ کا بھی پتہ ہے۔ اس نے کہا نہیں فرمایا تم خود بھی تباہ ہوگے اور دوسروں کو بھی برباد کروگے۔ کتاب الاعتبار صفحہ ۴ بجنسہ ایسی ہی روایت حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ امام محمد بن شہاب زہری فرماتے ہیں۔

لم یدون فی ھذا العلم احد قبل قد وینی	مجھ سے پہلے کسی نے اس علم کو مدون نہیں کیا۔

یوں تو منسوخ احادیث کی تعداد سو کے قریب بتائی جاتی ہے لیکن محققین

محدثین اس کی تعداد کو ۲۰ تک بتاتے ہیں ۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم الطالب صفحہ ۲۰۸ پر فرماتے ہیں ۔

اما احادیث منسوخہ پس باید دانست کہ مجموع آں بحسب استقرا حافظ ابن جوزی در رسالہ اخبار اہل الرسوخ فی بیان الحدیث المنسوخ و استقرار دیگرا کابر علوم سنت مطہرہ بست و یک حدیث است بلکہ نوزدہ حدیث ونزد شیخ الاسلام ابن تیمیہ دہ حدیث ونزد حافظ ابن قیم ازدہ ہم کمتر "

مگر قاضی ابوبکر حازمی کی تحقیق یہ ہے کہ اکثر محدثین کا ستائیس روایتوں پر اتفاق ہے امام شافعی رحمۃ اللہ نے ناسخ منسوخ کے محفوظ کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور یہ اصول معین فرماتے ہیں ۔

۱۔ یہ کہ حضور علیہ السلام نے نفس نفیس یہ ارشاد فرمایا ہو کہ پہلا میرا یہ حکم تھا ۔ اور اب میں یہ حکم دیتا ہوں ۔

۲۔ بصحت سند اکثر صحابہ سے یہ مروی ہو کہ ابتداً ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا ۔ زاں بعد یہ دوسرا حکم دیا گیا ۔

۳۔ یہ کہ تاریخ یا سنہ حکم اول اور تاریخ یا سن حکم ثانی معلوم ہو ۔

۴۔ یہ کہ امت کا اس پر اجماع ہو ۔ مثلاً

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں ۔ ہم حبشہ کی ہجرت سے قبل مکہ میں بحالت نماز حضور علیہ السلام کو سلام کرتے تھے ۔ آپ جواب دیتے تھے ۔ جب ہم ہجرت حبشہ سے واپس آئے ۔ پھر ہم نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا ۔ بلکہ نماز سے فارغ ہو کر ارشاد فرمایا ۔ " خدا نے بحالت نماز کلام کرنے کی ممانعت فرمائی ہے "

۲۔ جاہلیت میں متعہ کا رواج تھا ، وہ مدینہ منورہ میں بھی رائج تھا فتح خیبر

میں حضور علیہ السلام نے پالتو گدھوں کے کھانے کو اور متعہ کو حرام فرمادیا خیبر میں چونکہ عام اجتماع نہ تھا اس لیئے بنظر تاکید مزید فتح مکہ میں اس کا اعلان عام طور پر ان الفاظ میں پھر کیا گیا۔

آج کے دن سے قیامت تک کے لیے متعہ حرام کیا گیا۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ زاد المعاد جلد ۱/۴۰۱ میں فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک مروی ہے کہ متعہ قطعی طور پر حرام نہ تھا۔ اضطراری کیفیت میں مباح تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہ کی روایت سننے کے بعد آپ نے بھی اپنے اس خیال سے رجوع کرلیا۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرو۔ یہ روایت منسوخ ہے۔ خلفائے راشدین تابعین اور جمہور محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اس سلسلہ میں ایک روایت نقل فرمائی ہے کتاب اخبار اہل الرسوخ صفحہ ۳

وقد روی عکراش انہ اکل مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصعۃ من ثرید ثم اتی بماء فغسل یدیہ ومسح وجھہ وقال یا عکراش ھذا الوضوء مما مست النار۔

ترجمہ حضرت عکراش نے حضور علیہ السلام کے ساتھ ایک پیالہ میں ثرید کھایا کھانے کے بعد پانی لایا گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ اور منہ دھولیا۔ پھر چہرہ پونچھ کر فرمایا عکراش آگ سے پکی ہوئی چیز کا یہ وضو ہے یعنی ہاتھ کا دھونا۔ کلی کرنا اور منہ کسی کپڑے سے پونچھ لینا کافی ہے۔

۴۔ سلیمان بن بریدہ نے اپنے والد حضرت بریدہ سے روایت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے تم کو زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم زیارت

کیا کرو ابوبکر حازمی فرماتے ہیں کہ اس روایت سے صرف مردوں کو اجازت دی گئی ہے۔ عورتوں کے لیے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت موجود ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر خدا کی لعنت ہے۔

۵۔ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ہر بالغ پر جمعہ کا غسل واجب ہے۔ یہ وجوب کا حکم ہے منسوخ ہے۔ ناسخ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کیا جمعہ کا غسل واجب ہے، فرمایا نہیں۔ جمعہ کے غسل کا لزوم اس وجہ سے تھا۔ ابتدا میں صحابہ دولت مند نہ تھے۔ کمبل اوڑھتے تھے۔ مزدوری کرتے تھے۔ مسجد تنگ اور مختصر تھی۔ ایک دن گرمی کے زمانہ میں حضور علیہ السلام نماز جمعہ کے لیے تشریف لائے۔ لوگ پسینہ میں شرابور تھے اور اس کی بو سے ہر شخص کو اذیت ہو رہی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن غسل کرو اور خوشبو لگا کر آؤ۔ لیکن اب خدا کے فضل سے حالت بدل گئی ہے۔ اب لوگ نہ تو اون کے کپڑے پہنتے ہیں۔ نہ ویسی محنت مزدوری کرتے ہیں مسجد بھی وسیع ہو گئی ہے اس لیے اب نہ اس طرح پسینہ آتا ہے جس کی بدبو باعث اذیت ہو حضرت ابن عباس کی تقریر کا مفہوم یہ ہے کہ حکم کا وجود و عدم علت کے وجود و عدم پر منحصر ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کتاب الام جلد ۱/۱۶۴ میں فرماتے ہیں۔

فحب للرجل ان یتنظف یوم	ہم کو یہ پسندیدہ ہے۔ کہ آدمی جمعہ کے دن
الجمعة لبنده واخذ شعر	غسل کرے حجامت بنوائے، ناخن ترشوائے
وظفر وعلاج لما یقطع تغیر	اور اپنے جسم سے ہر قسم کی کثافت کو دور
الریح من جمیع جسده وسواك	کرے، مسواک کرے، اور خوشبو لگائے
وعلی مانظفه وان لیس طیباً	اور بحد امکان اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو

مع هذا ان قدر علیه ویتحسن من ثیابه ما قدر علیه ویطیبها ابتغاءً للسنة ولا یؤذی احداً قاربه بحال وهذا لک احبه له فی کل عید وآمره به واحبه فی کل صلوٰة جماعته وآمره به واحبه فی کل امر جامع للناس۔

ملے یہ سارے افعال اتباع سنت کے نقطۂ نظر سے کیے جائیں اور اپنی کثافت سے اپنے کسی قریب کے بیٹھنے والے کو اذیت نہ پہنچائے اور یہی عمل میں عید کے لیے اور ہر جماعت کی نماز کے لیے یا جہاں قومی اجتماع ہو پسند کرتا ہوں اور اسی کی تاکید کرتا ہوں۔

۶۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ ابتداءً عاشورہ کا روزہ حضور علیہ السلام بھی رکھتے تھے، اور لوگوں کو اس دن روزہ رکھنے کا حکم بھی دیتے تھے، لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے، تو عاشورہ کا روزہ ترک ہو گیا، جس نے چاہا رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا۔

حدیث کے ظاہر معنی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا

صحیح حدیث میں آیا ہے۔

ینزل ربنا عزوجل الی السماء	آخر شب کو جب ایک تہائی رات رہ جاتی ہے
الدنیا حتی یبقی ثلث اللیل الآ	تو خدائے عزوجل آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے
خو فیقول من یدعونی فا ستجیب	اور کہتا ہے کہ کون ہے، جو مجھ سے مانگے تاکہ
لہ من یسالنی فاعطیہ من یستغفرنی	میں اس کو دے دوں، کون ہے، جو مجھ سے
فاستغفرلہ	مغفرت طلب کرے، تاکہ میں اسکو بخش دوں

اس روایت میں لفظ "ینزل" سے یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ خدا تو جسم سے مبرّا و منزّہ ہے اوپر سے نیچے اُترنا اور نقل و حرکت کرنا جبھی ممکن ہے، جبکہ جسم بھی ہو اس لیے خدا کا جسم ماننا پڑے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "تنقیح طلب امر یہ ہے، کہ اہل عرب نزول سے کیا کیا معنی مراد لیتے ہیں۔ کلام عرب میں نزول پانچ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ نقل و حرکت، جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وانزلنا من السماء ماءً	ہم نے آسمان سے پانی برسایا

۲۔ آگاہ کرنا مثلاً اللہ فرماتا ہے

نزل بہ الروح الامین	یعنی روح الامین نے اس کو مطلع کیا

۳۔ کہنا۔ مثلا اللہ فرماتا ہے۔ سانزل مثل ما انزل اللہ
جیسے خدا نے کہا ہے، ویسا میں بھی کہوں گا۔

۴۔ کسی شے کی جانب توجہ کرنا۔ یہ محاورہ کلام عرب میں روزمرہ استعمال ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں:

فلاں شخص خوش اخلاقی سے بد اخلاقی پر اُتر آیا یا نزل قدر فلاں۔ فلاں کا درجہ گھٹ گیا۔

۵۔ حکومت و اقتدار۔ عرب کہتے ہیں۔

کنا فی خیر وعدل حتی نزل بنا بنو فلاں

ہم لوگ آسائش سے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ فلاں شخص نازل ہوا یعنی اس کا حکم و اقتدار جاری و نافذ ہوا۔

اور ایک روایت میں بجائے لفظ "نزل" کے تینزل ہے، جس سے اور معنی صاف ہو جاتے ہیں، اس لیے حدیث کا مقصد یہ ہے کہ خدا کی عظمت و جلال و بے نیازی کی شان تو یہ ہونی چاہیے تھی، کہ وہ کسی حقیر مخلوق کی جانب توجہ نہ کرے لیکن اس کا رحم و کرم ہے، کہ وہ التفات فرماتا ہے، اسی طرح سماء و دنیا کے الفاظ ہیں، کلام عرب کے محاورہ میں سماء دنیا سے مراد وہ حالت ہے، جو ہم سے قریب ہے، چونکہ دنیا کے معنی خود قریب کے ہیں۔

اسی طرح اس حدیث کے معنی کی وضاحت یہ ہے۔

ذکر عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجل فقیل ماذال نائما حتی اصبح ما قام الی الصلوٰۃ فقال بال الشیطان فی اذنہ

حضور کی خدمت میں ایک شخص کا تذکرہ ہوا کہ وہ صبح تک سوتا رہا اور نماز کے بعد اٹھا۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان نے اس کے کان میں پیشاب کر دیا ہے، بال کے

معنی کے متعلق ارشاد ہے۔

معناہ افسدوا العرب یقولون للفساد بالبول ویقولون

بال سہیل افصح فقد۔

پیشاب کرنے سے خراب کرنا مراد ہے۔ عرب خرابی کے لیے کنایتاً "بال" کا لفظ بولتے ہیں۔ مثلاً محاورہ ہے۔ سہیل نے اونٹنی کے دودھ میں پیشاب کر دیا۔ یعنی اس کو خراب کر دیا۔

جلبِ منفعت اور دفعِ مُضرّت

جلب منفعت سے دفع مضرت اولیٰ ہے۔ یعنی کسی کام میں نفع بھی ہے۔ اور نقصان بھی تو سب سے بہتر یہ ہے۔ کہ نقصان کو رفع کرنا چاہیئے۔ مثلاً۔

حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ جب کوئی شرمگاہ سے ہاتھ لگائے تو کیا اس کو وضو کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا، نہیں وہ تو تمہارے جسم کا ایک حصہ ہے۔ یہ روایت ہے۔ (اس کو ابوداؤد ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ امام احمد و دار قطنی نے روایت کیا ہے، یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ و امام سفیان ثوری۔ حضرت حسن بصری وغیرہم کا ہے۔ ابن حبان۔ طبرانی۔ ابن عربی اور حازمی نے یہ طے کیا ہے۔ کہ یہ روایت منسوخ ہے ایک تو اس وجہ سے کہ طلق بن علی نے خود ہی اس کے خلاف روایت کی ہے۔ کہ شرمگاہ کے ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے بسند صحیح روایت کیا ہے، دوسرے حضرت بسرۃ بن صفوان سے مروی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو اپنی شرمگاہ سے ہاتھ لگالے اُس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے اس روایت کو امام مالک نے موطا میں اور امام شافعی نے کتاب الام میں امام احمد۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی ابن ماجہ۔ ابن خزیمہ۔ ابن حبان اور امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں۔ کہ امام بخاری نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس بارے میں یہ روایت اصح ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی تلخیص الحبیر تخریج احادیث رافعی الکبیر صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں کہ یہی روایت حضرت جابر بن عبداللہ۔ حضرت ابوہریرہ۔ حضرت انس ابی

بن کعب۔ معاویہ بن حیدہ قبیصہ راوی بنت انیس۔ عبداللہ بن عمرو۔ زید بن خالد سعید بن ابی وقاص۔ عبداللہ بن عمر۔ علی بن طلق۔ نعمان بن بشیر۔ حضرت عائشہ صدیقہ حضرت ام سلمہ۔ حضرت ام حبیبہ سے بھی مروی ہے قاضی شوکانی نیل الاوطار جلد ۱/۱۹۳ میں فرماتے ہیں۔ یہی مذہب حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ حضرت عبداللہ بن عباس۔ حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عائشہ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص۔ امام عطا۔ امام محمد ابن شہاب زہری۔ حضرت سعید بن مسیب۔ امام مجاہد۔ ابان بن عثمان سلیمان بن یسار۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد بن خلیل امام اسحٰق بن راہویہ کا ہے کہ شرمگاہ کے ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس مسئلہ کی حقیقت پہ اگر غور کیا جائے تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی موجود ہے کہ تم صبح اٹھو تو اپنا ہاتھ کسی برتن میں نہ ڈالو چونکہ سونے میں نہ معلوم تمہارا ہاتھ کہاں کہاں رہا۔ اس لیئے پہلے ہاتھ دھو ڈالو

اس حدیث میں ایک لطیف ارشاد ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سونے میں انسان کا ہاتھ شرمگاہ سے لگا ہو اس لیے بلحاظ نظافت کسی برتن میں تا آنکہ ہاتھ نہ دھو لیا جائے۔ نہ ڈالا جائے۔ اب بحث یہ رہ جاتی ہے۔ کہ آیا شرمگاہ کے ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے تو کیوں؟ حضرت عائشہ و ام حبیبہ نے ایسی روایتیں کی ہیں کہ اگر عورت اپنی شرمگاہ سے ہاتھ لگالے تو وضو کرے اور صحابہ کرام کا عام مسلک اور بالخصوص حضرت عمر رضہ جیسی جلیل القدر ہستی نے بھی وضو کرنا اختیار فرمایا ہے۔ تابعین مدینہ کا ممتاز گروہ بھی اس جانب ہے اور ائمہ محدثین کا تقریباً اتفاق اسی پر ہے اس لیے بعض محدثین نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ آخری روایت ناسخ ہے اور پہلی منسوخ ہے۔ فقہائے احناف نے یہ دعویٰ کیا کہ نہیں یہ منسوخ ہے اور پہلی ناسخ مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محل موطا امام محمد کے حاشیہ الموسوم بہ تعلیق الممجد صفحہ ۳۹

میں فرماتے ہیں۔

والانصاف فی هذا البحث ان یقال لاسبیل الی الجزم بالنسخ فی هذا البحث فی طرف من الطرفین لکن الذی یقرب انه ان کان هنای نسخ لحدیث طلق فالامر بالعکس

انصاف اس بحث میں یہ ہے کہ یقینی طور پر طے نہیں کیا جاسکتا کہ دونوں روایتوں میں سے کون سی منسوخ ہے لیکن اگر کوئی بات (اصول کے) قریب تر ہو سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ طلق کی حدیث منسوخ ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے اصول معینہ کے تحت اگر اس پر غور کیا جائے تو مسئلہ صاف ہے یعنی جلب منفعت سے دافع مضرت اولیٰ ہے۔ صحیح حدیث میں ہے نماز بغیر وضو کے نہیں ہوتی۔ بظاہر طلق بن علی کی روایت سے وضو نہ کرنے کا منشاء معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری روایت نقض وضو کی صحیح سند سے موجود ہے اور بکثرت صحابہؓ ازواج مطہراتؓ تابعین وائمہ محدثین کا اتفاق ہے اس لیے ہر آئینہ دفع مضرت اولیٰ ہے اور وضو کرنا لازمی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام جلد ۱/۱۶ باب الوضو میں مس الذکر میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے، جو یہ ہے۔

قال واذا افضی الرجل بیطن کفه الی ذکره لیس بینها وبینه ستر وجب علیه الوضوء قال وسواء کان عامدا او غیر عامد

جب کوئی شخص اپنی ہتھیلی کی جانب سے شرمگاہ کو ہاتھ لگائے اور کوئی کپڑا حائل نہ ہو تو خواہ قصداً یا بلا قصد کے ہاتھ لگایا جائے وضو کرنا لازمی ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔

وكذلك لو مس دبر ه او مس
قبل امراته او بر جها او مس
ذلك من صبي او جب عليه الوضوء
فان مس انثيه او اليه او ركبتيه
ولم يمس ذكره لم يجب عليه
الوضوء وان مس ذكره بظهر
كفه او ذراعه او شيء غير بطن
كفه لم يجب عليه الوضوء
فان قال قائل فما فرق بين
ما وصفت قيل الافضاء باليد انما
هو بظنها كما لو قول افضى بيده
مبايعا او افضى بيده الارض ساجداً

اگر کسی شخص نے اپنے مبرز یا اپنی عورت کی
شرمگاہ یا اس کے مبرز یا کسی لڑکے کی شرمگاہ
سے ہاتھ لگا لیا تو وضو کرنا چاہیے چونکہ مبرز
سے ہاتھ لگ جانے پر وضو کرنے کو بھی
روایت صحیح ثابت ہے لیکن اگر کسی شخص
نے علاوہ شرمگاہ ہوں اور کسی بھی حصہ
بدن سے ہاتھ لگا لیا تو اس پر وضو نہیں
ہے یا اگر شرمگاہ کو ہتھیلی کی جانب کے
علاوہ کسی اور حصہ بدن سے چھو لیا یعنی کہنی
لگ گئی یا ہتھیلی کی پشت لگ گئی تو وضو
عائد نہیں ہوتا اگر کوئی کہے کہ ہتھیلی میں اور
اس میں کیا فرق ہے تو اس کا یہ جواب ہے
کہ ہاتھ لگانے سے مراد ہی یہ ہے کہ ہتھیلی
کی جانب سے اس کو چھوا جائے جیسے محاورہ
ہے کہ اس نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اس نے ہاتھ سجدے کے لیے ٹیک
دیے۔

بہر حال اس مسئلہ کی وضاحت اسی اصول معینہ کے تحت ہے۔

متعارض احادیث کے راویوں کی جرح وتعدیل

مسئلہ قربانی

ابن ماجہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۲۳۲ میں یہ روایت ہے :۔

حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثنا زید بن الحباب ثنا عبد اللہ بن عباس عن عبد الرحمٰن الاعرج عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من کان لہ سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔

یعنی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں استطاعت ہو۔ اور وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ میں یا نماز پڑھنے کی جگہ پر نہ آئے۔

اس روایت سے احناف نے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ قربانی واجب ہے۔

الاضحیۃ واجبۃ علی کل حر مسلم مقیم موسر فی یوم الاضحی عن نفسہ وعن ولدہ الصغار اما الواجب فقول ابی حنیفۃ ومحمد وزفر والحسن واحدی الروایتین عن ابی یوسف وعنہ انہا سنۃ ذکرہ فی الجوامع وھو قول الشافعی۔

یعنی قربانی ہر آزاد مسلم مستطیع مقیم پر قربانی کے دن واجب ہے۔ وہ اپنے اور اپنے چھوٹے بچوں کی جانب سے کرے۔ وجوب کا قول امام ابوحنیفہ۔ امام محمد۔ زفر۔ حسن کا ہے اور جوامع میں امام ابویوسف نے اس کو سنت قرار دیا ہے۔ اور یہی قول امام شافعی رحمۃ اللہ کا ہے۔

ان روایتوں کے پیش نظر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:۔

ولو زعمنا ان الضحایا واجبة ما اجزاء اهل البیت ان یضحوا الا عن کل انسان بشاة۔

اگر ہم یہ خیال کرتے کہ قربانی واجب ہے۔ تو پھر ایک گھر والوں کی طرف سے ایک بکری نہ ہوتی۔ بلکہ ہر شخص ایک بکری قربانی کرتا۔ پھر فرماتے ہیں۔

ولا یلزم الرجل ان یضحی عن امراتہ ولا ولدہ ولا عن نفسہ وقد بلغنا ان ابا بکر وعمر رضی اللہ عنہما کانا لا یضحیان کراھتہ ان یقتدی بھما یظن من رآھما انھما واجبة وعن ابن عباس انہ جلس مع اصحابہ ثم ارسل بدرھمین فقال اشتروا بھما لحما ثم فقال ھذہ اضحیة ابن عباس وقد کان قلما یریح یوم الا ضحی فیہ او ذبح ممکنہ و انما اراد بذلک مثل الذی روی عن ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما قال الشافعی الضحایا سنة لا احب ترکھا۔

یعنی یہ لازم نہیں ہے۔ کہ آدمی اپنے یا اپنے اولاد یا بیوی کے جانب سے قربانی ہی کرے اس لیے کہ ہم کو یہ روایت پہنچی ہے۔ کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس احتمال کی وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے۔ کہ لوگ اس لیے ان کا اقتدا نہ کرنے لگیں کہ قربانی واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے کسی کو دو درہم دے کر بازار بھیجا اور گوشت خرید کر منگایا اور پھر فرمایا ابن عباس کی یہی قربانی ہے۔ حالانکہ آپ کا مستقل قیام مکہ میں رہتا تھا۔ جہاں منیٰ اور مکہ میں قربانی کی جاتی تھی۔ آپ کا مقصد بجنسہ وہی تھا۔ جو حضرت ابوبکر و عمرؓ کا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ اس لیے قربانی مسنون ہے۔ اور میں اس کا چھوڑنا پسند نہیں کرتا

صاحب ہدایہ نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قربانی نہ کرنے پر ایک احتمال پیدا کیا تھا۔ کہ ان دونوں حضرات نے بحالتِ سفر ایسا کیا ہوگا۔ اس کا جواب

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے یہ دیا ہے۔

لما جد بل صح عنهما انهما كان الايصحيان مطلقا احيانا خشيته ان يظن وجوبهما

یہ روایت کہ بحالت سفر ایسا کیا ہو۔ مجھے نہیں ملی بلکہ بسند صحیح ان حضرات سے یہ ثابت ہے کہ یہ اس خطرہ کی وجہ سے قربانی نہیں کرتے تھے کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وعن ابی مسعود البدری قال انی لادع الاضحیة وانا من ایسر کم کراهته ان یعتقد الناس انها حتم واجبا خرجه سعید بن منصور

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ باوجودیکہ میں ذی حیثیت ہوں۔ لیکن قربانی اس لیے نہیں کرتا کہ لوگ اس کو قطعی طور پر واجب نہ سمجھ لیں۔

امام مالک امام احمد امام شافعی امام ترمذی و مستدرک حاکم نے بسند صحیح یہ روایت کیا ہے کہ:۔

"عطاؑ بن یسار نے فرمایا کہ ان سے ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم عہد نبوی میں اپنے اور اپنے گھر والوں کی جانب سے صرف ایک بکری قربانی کیا کرتے تھے لیکن اب لوگوں نے فخر سمجھ کر ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکرا قربانی کرنا شروع کر دیا۔"

قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

من قال ان الاضحیة غیر واجبة بل سنة وهم الجمهور قال النووی قال بهذا ابوبکر وعمر وبلال وابومسعود البدری وسعید بن المسیب وعلقمه والاسود وعطاء

یعنی جن اصحاب کا یہ قول ہے، کہ قربانی واجب نہیں ہے۔ بلکہ مسنون ہے۔ اس میں جمہور علما شامل ہیں امام نووی نے کہا ہے، صحابہ میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت بلال و حضرت ابو مسعود البدری تابعین میں حضرت سعید بن

ومالک واحمد وابو یوسف واسحٰق
وابو ثور والمزنی وابن المنذر وداؤد
غیرھم انتھی وحکاہ فی البحر
ایضا عن العترۃ والشافعی وابو یوسف
ومحمد وقال ربیعۃ والاوذاعی وابو
حنیفۃ وبعض المالکیہ انھا واجبۃ
علی المرسو قال ابن حزم لا یصح
عن احد من الصحابۃ انھا واجبۃ
وصح انھا غیر واجبۃ عن الجمھور

مسیب علقمہ، اسود، عطاء ائمہ میں امام مالک۔
امام احمد۔ امام ابو یوسف، امام اسحٰق ابو ثور
مزنی۔ ابن منذر امام داؤد ظاہری ہیں اور
صاحب بحر نے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن
مسعود حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی تذکرہ کیا ہے
اہل بیت اطہار۔ امام شافعی، امام ابو یوسف
وامام محمد بھی ہیں، صرف ربیعہ، امام اوزاعی
امام ابو حنیفہ اور بعض مالکیہ ذی حیثیت کے
لیے واجب قرار دیتے ہیں، امام ابن حزم اندلسی
فرماتے ہیں، صحابہ میں سے کسی سے یہ ثابت نہیں
ہوتا کہ قربانی واجب ہے، بلکہ جمہور صحابہ اس
کو سنت سمجھتے ہیں۔

ابو ہریرہ کی روایت

وجوب کا مدار صرف حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر ہے جس کے متعلق محدثین کرام نے اپنا یہ رجحان ظاہر کیا کہ یہ روایت موقوف ہے، یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے اور حضور علیہ السلام کا ارشاد نہیں ہے، اس کے مقابلہ میں یہ تمام روایتیں ہیں، جن کی وضاحت کی گئی، عقل سلیم کا تقاضہ بھی یہی ہے، کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت موقوف ہی ہوگی چونکہ حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد بعید از عقل ہے، (یعنی) اگر کسی کو گنجائش نصیب ہو، اور وہ قربانی نہ کرے تو ہمارے مصلّے کے قریب نہ آئے، اگر یہاں "مصلّی" سے مراد عیدگاہ ہے، تو ظاہر ہے، کہ

لہ نیل الاوطار ج ۴۔

قربانی بعد نماز ہوتی ہے۔ اور قبل نماز کسی فعل کا ظاہر ہونا ناممکن ہے۔ اور اگر "مصلی" سے مراد مسجد نبوی میں نماز کی حاضری ہے۔ تو حضور علیہ السلام کی ذات گرامی ایسے فعل کے ترک پر مفروضہ نماز کی حاضری سے کیسے روک سکتی تھی۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ سنت ابراہیمی ہے۔ جس کا احیاء بعد امکان ثابت ہے۔

حج کے سلسلہ میں امام شافعی کا استدلال

علاوہ ازیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے کتاب الام میں قرآن مجید سے حج کے سلسلہ میں بڑا نفیس استدلال فرمایا ہے۔

نظام حج میں مسلمانوں کے لیے متعدد فوائد ہیں۔

۱۔ مکہ چونکہ ایک غیر مزروعہ سرزمین ہے۔ اس لیے حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کے ذریعہ سے حج کا پہلا فائدہ تو خاص اہل مکہ کو پہنچتا ہے۔ اور وہ علاوہ مالی منفعت کے قربانی سے متمتع ہوتے ہیں۔ اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی مقبولیت کا اثر ہے۔ جو تا بہ قیام دنیا میں رہے گا۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ

(ترجمہ) اے ہمارے پروردگار میں نے آباد کیا اپنی اولاد کو بغیر کھیتی والے میدان تیرے باحرمت والے گھر کے نزدیک۔ اے میرے مالک تاکہ وہ قائم رکھیں نماز کو پس لوگوں کے دلوں کو مائل کر ان کی طرف اور ان کو میووں سے روزی پہنچا تاکہ وہ شکر ادا کریں۔

۲۔ چونکہ بہت سے حجاج زمانہ حج میں اپنا تجارتی سامان ساتھ لاتے ہیں۔ جس کی تجارت ہوتی ہے اور ہر ہر شخص "بلد حرام" میں اپنی جان و مال سے محفوظ ہوتا ہے

اس بناء پر حج کا دوسرا فائدہ بھی سب کو اور بالخصوص اہالی مکہ کو پہنچتا ہے۔ قرآن میں اسی جانب اشارہ ہے۔

لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ تاکہ وہ لوگ اپنے فوائد کو حاصل کریں۔

۳۔ مسلمانوں کے عام اجتماع۔ باہمی تعارف۔ اتحاد و طریقہ عبادت۔ اتحاد لسانی اور قبلہ کی یک جہتی کا فائدہ تمام مسلمانوں کو پہنچتا ہے۔ ہر انسان اپنی علمی دینی اور دنیاوی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اور پھر دس ذی الحجہ کو عید کا دن اور قربانی کے لیے بدیں وجہ منتخب کیا گیا۔ کہ عید الاضحیٰ عین مابعد نویں ذی الحجہ جب کہ حضور علیہ السلام پر آخر قرآن نازل ہوا اس کی اور سنتِ ابراہیمی کی یادگار کی عید ہے۔ لہذا ایسی سنت راشدہ کی بقا کے لیے ہر قسم کی آسانی کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ فخر و مباہات کا سلسلہ جاری نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر و عمر و حضرت عبداللہ بن عباس و دیگر انصار کرام کے فعل سے نمایاں ہے

یہ ہے اس معرکۃ الآرا مسئلہ کی حقیقت جس کی وجوب کے سلسلہ میں وہ ہنگامہ خیزی ہوتی ہے اور بے تکلف بلا ضرورت ایک ایک آدمی متعدد ذبیحے محض واجب سمجھ کر کرتا ہے حالانکہ قرآن میں صاف ارشاد ہے۔

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

یعنی اگر تم روکے جاؤ تو قربانی جس کی آسان ہو وہ کرو یا

لَنْ يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ

خدا کو اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارے دلوں کی پرہیزگاری پہنچتی ہے۔

بدیں وجہ حضرت امام شافعی نے اس صحیح حدیث پر عمل کیا اور حسب روایت صحیحہ یہ ارشاد فرمایا کہ ایک بکرا۔ بکری۔ مینڈھا ایک گھر والوں کی طرف سے ہو سکتا ہے۔

حدیث قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی

آپ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اوامر خداوندی کی تعمیل کرانے والے تھے اور اس کی توضیح یا تشریح کا قولاً و عملاً آپ کو حق عطا فرمایا گیا تھا۔ لیکن آپ کا کوئی حکم یا فعل قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس کا ادّعا کرے۔ کہ حدیث ناسخ قرآن ہے تو یہ دعویٰ بے بنیاد اور غلط ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ہم نے ابن کریمہ سے انہوں نے ابو جعفر سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ حضور علیہ السلام نے یہود کو بلایا۔ انہوں نے اپنی مذہبی روایات حضور انور کو سنائیں۔ ازاں جملہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے متعلق جھوٹی روایتیں بیان کیں اس کے بعد حضور انور منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ دیا فرمایا سنو! عنقریب مجھ سے روائتیں بیان کی جائیں گی۔ اور وہ پھیلیں گی اس لیے یاد رکھو میری جو حدیث قرآن کے مطابق ہو وہ تو میرا کلام ہوگا۔ اور جو قرآن کے خلاف ہو وہ ہرگز میرا کلام نہ ہوگا۔ مسعر بن کدام اور حسن بن عمارہ نے عمرو بن مرہ سے انہوں نے بختری سے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس حدیث رسول پہنچے تو اس پر یہ غور کیا کرو کہ بہت زیادہ ہدایت کرنے والی بہت زیادہ صاف اور بہت زیادہ دل کو زندہ رکھنے والی ہے یا نہیں اگر ان صفات سے متصف ہو تو یقین کر لینا کہ یہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اشعث بن سوار اور اسمٰعیل بن خالد نے امام شعبی سے اور انہوں نے قرضہ بن کعب انصاری سے روایت کیا ہے کہ ہمارا گروہ انصار جب کوفہ روانہ ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیدل

ہماری مشایعت کی۔ یہاں تک کہ ہم ایسے مقام پر پہنچے جو آبادی سے دور تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اے گروہ انصار تم سمجھے کہ میں کیوں پیدل یہاں تک آیا۔ انصار نے کہا۔ جی ہاں۔ آپ نے ہمارے حق کا لحاظ فرمایا۔ فرمایا یقیناً تمہارا حق تو یہی ہے کہ مجھے آنا چاہیے تھا۔ مگر تم ایسی قوم کے پاس جارہے ہو، جہاں شہد کی مکھیوں کی گنگناہٹ کی طرح قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اس لیے تم وہاں حضور علیہ السلام کی روایتیں کم بیان کرنا۔ قرظہ نے کہا کہ میں کبھی حضور علیہ السلام کی حدیث ہی بیان نہ کروں گا۔

پھر امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، یاد رکھو روایتیں بہت بڑھ گئی ہیں اور ان میں بیشتر نامعلوم ہیں۔ اس لیے وہ حدیثیں لو جن پر ایک جماعت کا اتفاق ہو۔ اور وہ قرآن کریم کے مطابق ہوں۔ فرماتے ہیں ہم سے معتبر لوگوں نے بیان کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے مرض الموت میں قرآن و مشہور روایات کے عمل کا حکم صادر فرمایا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اگر محدث و فقیہ بنظر امعان غور کرے اور وہ قریش کے حالات حضور علیہ السلام کی بعثت سے لے کر آپ کی وفات تک کے صحیح واقعات سے باخبر ہو اور پھر نزول قرآن کے اسباب و علل سے آگاہ ہو تو اس کے قلب میں منجانب اللہ ایک نور بصیرت پیدا ہو جاتا ہے۔

ہر کلیہ میں استثنا ضروری ہے

آپ فرماتے ہیں جس قدر فرائض باری تعالیٰ ہیں۔ ان میں استثناء ضرور ہے۔ اسی طرح احکام نبوی میں بھی بعض وجوہ سے احکام قرآنی سے استثناء ہے۔ مثلاً نماز فرض ہے۔ لیکن نابالغ۔ حائضہ بچے والی عورت اور دودھ پلانے والی عورت۔ معذور۔ مجنون۔ مسافر۔ شیخ فانی۔ مریض اس سے مستثنیٰ ہیں۔

عبادات کے علاوہ اور بھی متعدد صورتوں میں مستثنیات ہیں۔ جن کا علم ایک فقیہ و محدث کے لیے ضروری ہے مثلاً سورۃ مائدہ میں ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ

یعنی جو شخص بھوک کی وجہ سے مجبور کیا جائے اور آں حالیکہ اس کا دل کسی حرام چیز کے کھانے کی جانب مائل نہ ہو۔ ایسی مجبوری اور اضطرار کی حالت میں مردار وغیرہ کھانا جائز ہے یا

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اے محمد کہہ دو کہ مجھے جو حکم پہنچا ہے اس میں کسی کھانے والے کے لیے نہ کسی چیز کو حرام کیا گیا ہے بجز اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت چونکہ وہ ناپاک ہے۔ یا وہ گناہ کی چیز جس پر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا گیا ہو لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ وہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہ ہو تو تیرا رب معاف کرنے والا ہے

مستدرک حاکم میں حضرت عمار بن یاسر کا واقعہ مروی ہے ایک روز مشرکین نے ان کو پانی میں اس قدر غوطے دیئے کہ وہ بالکل بدحواس ہو گئے۔ ایسی حالت میں ان جفاکاروں نے جو چاہا ان کی زبان سے اقرار کرا لیا۔ اس کے بعد چھوڑا۔ غیرت ملی نے عرق عرق کر دیا۔ دربار نبوت میں حاضر ہوئے آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ عمار کیا ہوا۔ عرض کیا یا رسول اللہ بُری خبر ہے آج میرا چھٹکارا اس وقت ہوا جب میں نے آپ کی شان میں بُرے الفاظ استعمال کیے اور ان کے معبودوں کے لیے کلماتِ خیر استعمال کیے۔ ارشاد ہوا رتم اپنا دل کیسا پاتے ہو عرض کیا میرا دل ایمان سے مطمئن ہے۔ حضور علیہ السلام نے انتہائی شفقت سے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھا۔ فرمایا۔ عمار کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر یہ صورت پھر بھی پیش آئے تو پھر ایسا ہی کرنا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔ طبقات ابن سعد صفحہ $\frac{۳}{۱۷۸}$۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

یعنی جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے۔ مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان سے معمور و مطمئن ہو تو اس پہ کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

حدیثِ صحیح اور اقوالِ صحابہ رض

آپ کے دور میں اقوالِ صحابہ جمع ہو گئے تھے۔ اور بعض اقوال صحیح احادیث کے خلاف بھی تھے۔ اس لیے امام شافعی رحمۃ اللہ نے یہ طے کیا کہ صحیح احادیث کے مقابلہ میں اقوالِ صحابہ کچھ وقعت نہیں رکھتے اور یہ بھی فرمایا۔ ہم رجال و نحن رجال۔ وہ بھی آدمی تھے ہم بھی آدمی ہیں۔

اس کا مقصد صاف اور واضح ہے کہ جب اقوالِ صحابہ صحیح حدیث کے خلاف ہوں اور صحیح حدیث ان کے مقابلہ میں موجود ہو تو حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تمام صحابہ تو ہمیشہ بارگاہِ نبوی میں حاضر نہیں رہتے تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بعض اکابرین صحابہ تک اس مجمع میں نہ تھے۔ چنانچہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا طرزِ عمل جو ان کی خلافتِ راشدہ میں جاری تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے اور ان حضرات کو اس بارے میں حضور علیہ السلام کے ارشاد کا علم نہ ہوتا تو صحابہ کو جمع کر کے دریافت فرماتے رہتے تھے اور بنظرِ احتیاط ہر حدیث بیان کرنے والے سے ایک شہادت بھی لیتے تھے۔

حدیث پر عمل کرنا لازمی ہے

ائمہ محدثین کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے۔ کہ ان کی سند عالی ہو۔ یعنی حضور علیہ السلام تک جس قدر واسطے کم ہوں۔ وہ بہتر ہے اور اس کا ہر راوی معتمد۔ ثقہ قوی الحافظہ۔ متدین۔ راست باز اور مسلمہ متبع سنت ہو اسی کا نام سندِ عالی ہے۔ سند نازل وہ ہے۔ جس میں حضور علیہ السلام تک واسطے زیادہ ہوں۔ مثلاً امام بخاری رحمۃ اللہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ گویا امام بخاری ۴۴ سال آپ سے چھوٹے تھے امام بخاری رحمۃ اللہ کا انتقال شب عید الفطر ۲۵۶ھ میں ہوا اور امام شافعی کا انتقال ۲۰۴ھ ہجری میں ہوا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے انتقال کے وقت امام بخاری تقریباً دس سال کے تھے۔ اس لحاظ سے اب سند عالی اور سند نازل کا فرق بآسانی سمجھ میں آجائے گا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے ممتاز و مشہور استاد امام مالک و امام سفیان بن عیینہ ہیں۔ امام شافعی روایت فرماتے ہیں۔

حدثنا مالک، عن نافع، عن ابن عمرؓ یا حدثنا مالک، عن ابنِ شہاب، عن سعید بن المسیب عن ابی ھریرۃ۔

یہ سند عالی ہے اور اس سند کو محدثین نے سلسلہ الذہب فرمایا ہے یعنی سونے کی لڑی۔ اور یہ بھی ہے۔ احمد بن حنبل۔ امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ نافع سے وہ عبداللہ بن عمر سے۔ حالانکہ رجال کے اعتبار سے یہ سند بے حد بلند ہے مگر پھر بھی

امام احمد کے لیے نازل ہے۔ یعنی صحابی تک امام احمد بن حنبل کے چار واسطے ہیں۔ اگر امام احمد کو کوئی شیخ ایسا معمر، معتمد۔ اور ثقہ مل جائے جو امام مالک کا ہمعصر ہو، جیسے حضرت سفیان بن عینہ یا لیث بن سعد جو ابن شہاب زہری کے شاگرد ہیں تو امام احمد کی یہ روایت بسند عالی کہلائے گی۔

متذکرہ بالا اصول کی وضاحت کے بعد بحیثیت مجموعی ان پر تبصرہ ضروری ہے۔

امام احمد بن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ جو فن حدیث، مغازی اور تفسیر کے امام الائمہ ہیں اور یہ حقیقت ہے، تمام کتب حدیث میں آپ کی روایتیں سب سے اعلیٰ و مستند سمجھی جاتی ہیں۔ آپ سے امام سفیان بن عینہ رحمۃ اللہ نے کہا کہ آپ پر محدثین کو وثوق کامل ہے آپ تو روایت بلا سند بیان فرمایئے۔ فرمایا کیا بغیر زینہ کے چھت پر چڑھنا چاہتے ہو۔ امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء

اسناد اب دین میں داخل ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر شخص جو چاہے وہ کہہ دے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے الاسناد سلاح المومنین۔ سند مومن کا ہتھیار ہے

حدیث قبول کرنے کے لیے امام شافعی کے شرائط

ازانجملہ ایک طریقہ یہ رائج تھا کہ کسی صحابی یا تابعی کے قول کو نقل کر کے اس کو معمول بہ بنا لیا جاتا تھا۔ امام شافعی نے فرمایا یہ طریقہ بھی غلط ہے، بلکہ یوں ہونا چاہیے کہ پہلے قرآن مجید کو دیکھا جائے۔ پھر حضور علیہ السلام کی صحیح روایتوں کو دیکھا جائے یا بکثرت صحابہ کے عمل کو دیکھا جائے۔ کوئی موقوف منقطع روایت یا اقوال صحابہ کسی صحیح روایت کے مقابلہ میں قابل تسلیم نہیں ہیں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کو کوفہ کی حدیثوں پر اعتماد تھا۔ اور وہ اپنے شہر کی ضعیف روایتوں کے مقابلہ

میں دوسرے شہروں کی صحیح روایتیں قبول نہیں کرتے
تھے امام مالک رحمۃ اللہ کو مدینہ منورہ و حجاز کی روایتوں پر اعتماد تھا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ
نے اپنا نقطۂ نظر یوں ظاہر کیا کہ صحیح اور متصل روایت خواہ کوفہ کی ہو، بصرہ کی ہو، مصر کی ہو
شام کی یا حجاز کی قابل قبول ہے۔ آپ نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا کہ اگر ایک میں کچھ الفاظ
کم ہوں اور دوسری روایت میں کچھ الفاظ زائد ہوں تو ان زیادہ الفاظ کا راوی۔ اگر پہلی
روایت کے راوی سے ہر اعتبار سے معتبر و مستند نہ ہوگا۔ تو ایسے زائد الفاظ کی روایت
ناقابل قبول ہوگی۔ آپ نے یہ بھی طے کیا۔ اگر دو حدیثوں میں تعارض ہو تو بلا دلیل کسی
حدیث کو رد نہ کرنا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے ان دونوں کے احکام میں تطبیق
دینے کی کوشش کی جائے اس طرح آپ نے تطبیق کے اصول و قواعد مقرر کیے اور
صرف اس اصل کے تحت آپ نے ایک کتاب مرتب فرمائی۔ جس کا نام اختلاف الحدیث
ہے اور جو کتاب الام کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔

فقہ، اصولِ فقہ، مذاہبِ فقہ

علم فقہ کی فضیلت کے لیے یہ چند آیتیں کافی ہیں۔

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْنِ

خدا جس کے لیے بھلائی چاہتا ہے۔ اس کو دین میں فقہ (سمجھ) عطا کرتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

جس کو حکمت (دین کی سمجھ) عطا ہوئی اس کو بڑی بھلائی مل گئی۔

ایک مرتبہ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بمجلسین فی مسجدہ فقال کلاھما اعلی خیر واحد ھما افضل من صاحبہ اما ھولاء فیدعون اللہ ویرغبون الیہ فان شاء اعطاھم وان شاء منعھم واما ھولاء فیتعلمون الفقہ او العلم ویعلمون الجاھل فھم افضل وانما۔

مسجد نبوی میں حضور علیہ السلام تشریف لائے ملاحظہ فرمایا تو وہاں صحابہ دو جماعتوں میں منقسم بیٹھے ہوئے تھے ایک طبقہ تو خدا سے دعا کر رہا تھا اور اس کی جانب متوجہ تھا دوسرا طبقہ تعلیم دین دے رہا تھا آپ نے فرمایا یہ دونوں گروہ اچھے ہیں ایک تو خدا کی جانب متوجہ ہے اگر وہ چاہے تو ان کی حاجتیں پوری فرمائے اگر چاہے تو نہ دے یہ دوسرا گروہ ان سب سے افضل ہے، چونکہ یہ دین کی باتوں کو خود بھی سیکھتے ہیں۔ اور نادانوں

کو بھی سکھاتے ہیں، یہ ارشاد فرما کر آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا میرا منصب بھی تعلیم ہی دینا ہے۔

آپ نے بکمال شفقت حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لیے دعا فرمائی۔

اللھم افقھہ فی الدین — الٰہی اس کو دین میں فقیہ بنا

اس قسم کی متعدد روایات ہیں، جن سے علم فقہ کی فضیلت نمایاں ہوتی ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

فقہ کی تعریف معرفۃ النفس الانسان کے ذمہ جو جو عملی فرائض ہیں، ان کو

مالھا وما علیھا عملاً وقیل العلم بالاحکام الشرعیۃ العملیۃ المفضیلۃ من ادلتھا — جاننا علم فقہ ہے بعض علما نے کہا ہے احکام شرعیہ عملیہ کو تفصیلی دلائل سے سمجھنے کا نام علم فقہ ہے۔

تمام فقہا اور محدثین متفق ہیں، کہ اصل اصول صرف دو ہیں، قرآن اور حدیث یہی دونوں قانون ہیں، اور ان کے تحت فقہ کی حیثیت قواعد کی ہے، قیاس اور اجماع انہیں کے تابع ہیں، قیاس کے لیے جب تک مقیس علیہ اور دوسری شرطیں متحقق نہ ہوں نہیں ہوتا۔ اجماع کے لیے بھی کسی نہ کسی سند کا ہونا ضروری ہے۔

الجمھور علی انہ لا یجوز الاجماع الا عن سند من دلیل او امارۃ لان عدم السند یستلزم الخطاء اذ الحکم فی الدین بلا دلیل خطاء

جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں، کہ اجماع بغیر دلیل کے جائز نہیں ہے، چونکہ بلا دلیل کے اجماع سے غلطی لازم آتی ہے، اور دین میں بلا دلیل کوئی حکم دینا غلط ہے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

اتفقوا علی القول بالاجماع الذی — یعنی علماء اس اجماع کے قائل ہیں، جس

لہ سنن دارمی لہ تلویح۔

مستند لا الکتاب والسنۃ او لاستنباط من احدھما ولم یجز والقول بالاجماع الذی لیس مستندا الی احدھما۔

کی دلیل قرآن وحدیث سے ہو یا ان سے مستنبط ہو اور جس اجماع کے سند ان سے نہ ہو وہ قابل تسلیم یا مستند نہیں ہے"۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

قال جماعۃ لا ابد لہ من مستند فوجب ان یکون عن مستند ولانہ لو انعقد عن غیر مستند لاقتضی اثبات نوع بعد النبی علیہ السلام وھو باطل۔

یعنی ایک جماعت علماء کہتی ہے۔ کہ اجماع کے لیے دلیل کی ضرورت لازمی ہے۔ اس لیے یہ قطعاً لازمی ہے۔ کہ اجماع کی کوئی سند ہو اگر بلا دلیل اجماع ہو گا تو حضور علیہ السلام کے بعد کسی شرعی حکم کا نافذ کرنا غلط ہے۔

اس توضیح کے بعد اب یہ امر قابل لحاظ ہے۔ کہ سلف صالحین کا طریقہ کار کیا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فقہائے اہل حدیث و فقہائے اہل الرائے کے فرق کو بیان فرمایا ہے۔ یہ مباحث قابل غور و فکر ہیں۔ تاکہ آئندہ اوراق میں ان کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے فقہ و طریقہ اجتہاد کا مقابلتاً اندازہ ہو سکے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

فقہائے اہل الرائے کا طرز اجتہاد و فقاہت

وذالک انہ یکن عندھم من الاحادیث ولا ثار ما یقدرون بہ علی استنباط الفقہ علی الاصول التی اختارھا اھل الحدیث ولم تنشرح صدورھم للنظر فی اقوال علماء البلدان وجمعھا والبحث عنھما وانتھوا انفسھم فی ذالک ولکانوا لعتمدون

سلہ حجۃ اللہ البالغہ ۲ ارشاد الفحول

فی التفہم فی درجۃ العلیا من التحقیق وکان قلوبہم امیل شئی الی اصحابہم کما قال علقمۃ ھل احد منھم اثبت من عبداللہ وقال ابوحنیفۃ ابراھیم افقہ من سالم ولا لولا فضل الصحبتہ لقلت علقمۃ افقہ من ابن عمر۔

یعنی ان لوگوں کے پاس احادیث رسول اللہ اور آثار صحابہ اس قدر نہ تھے۔ جس سے وہ محدثین کے اصول پر اور ان کی طرح مسائل استنباط کرتے نہ ان کے دل پر اس بات کا انشراح ہوا کہ علماء امصار یعنی صحابہ و تابعین کے اقوال جمع کرتے اور ان پر غور و فکر کرتے۔ اس بارے میں انہوں نے اپنے نفس کو متہم کیا اور ان لوگوں نے اپنے اماموں کی نسبت یہ عقیدہ بنا لیا تھا۔ کہ صرف انہیں کا تحقیق میں بڑا درجہ تھا۔ اور ان لوگوں کا میلان طبع صرف اپنے ہی استادوں کی طرف تھا۔ جیسے علقمہ نے کہا کہ عبداللہ بن مسعود سے بڑھ کر صحابہ میں کوئی نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہہ دیا کہ ابراہیم نخعی کو فی فقاہت میں حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے بڑھ کر ہیں اور اگر صحابی ہونے کا فخر حضرت عبداللہ بن عمر کو نہ ہوتا تو میں یہ کہتا علقمہ ان سے بڑھ کر فقیہ ہیں۔

فقہا محدثین کا طرز اجتہاد و تفقہ

پھر شاہ صاحب فقہائے محدثین کے طرز اجتہاد اصول فقاہت پر روشنی ڈالتے ہیں۔

وکان عندھم انہ اذا فی المسلۃ قرآن ناطق فلا یجوز التحول منہ الی غیرہ واذا کان القرآن محتملاً لوجوہ فالسنۃ قاضیہ علیہ فاذا لم

فقہائے محدثین (امام شافعی وغیرہم) کا اجتہاد میں یہ قاعدہ تھا۔ کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآنی واضح فیصلہ موجود ہوتا تو وہ صرف اسی کو تسلیم کر لیتے تھے لیکن اگر آیات قرآنی میں احتمالات

لہ حجۃ اللہ البالغہ۔

يجد وانى كتاب الله اخذ بسنة
رسول الله صلى الله عليه وسلم
سواء كان مستفيضا رايا بين
الفقهاء او يكون مختصا باهل بلدا
واهل بيت او بطريقته خاصة
وسواء عمل به الصحابة والفقها
اولم يعلموا به ومتى كان فى المسئلة
حديث فلا يتبع فيها خلاف اثر من
الآثار والاجتهاد احد من المجتهدين
واذا قرعوا جهد هم فى تتبع الاحاديث
ولم يجد وا فى المسئلة حديثا اخذوا
باقوال جماعة من الصحابه والتابعين
ولا يتقيدون بقوم دون قوم ولا
بلد دون بلد كما يفعل من قبلهم
فان اتفقوهم هور الخلفاء والفقهاء
على شئ فهو المقنع وان اختلفوا
اخذ وا بحديث اعلمهم علماء واورعهم
وارعاء واكثرهم ضبطا اوما
استهر عنهم فان وجد وشيئا
يستوى فيه قولون فى مسئلة ذات
قولين فان عجز واعن ذالك ايضا تاملوا

سوتے تھے۔ تو وہ حدیث کی جانب توجہ کرتے
تھے۔ اور حدیث سے فیصلہ کرتے تھے۔ خواہ
وہ حدیث مشہور ہو یا کسی بھی خاص شہر کی روایت
ہو اور اس کی خاص وصحیح سند بھی ہو۔ خواہ
صحابہ یا فقہا نے اس پر عمل کیا ہو۔ یا نہ کیا ہو
اور جب ایسی صحیح روایت مل جاتی تو پھر وہ
کسی صحابی یا تابعی کے اجتہاد پر عمل نہیں
کرتے تھے۔ مگر جب وہ تلاش حدیث میں
امکانی سعی کے باوجود نہ ملنے سے مجبور ہو
جاتے تھے۔ تو اس وقت جماعت صحابہ
وتابعین کے اقوال کو اختیار کرتے تھے
خواہ وہ کسی شہر کے کیوں نہ ہوں یہی طریقہ
صحابہ وتابعین کا بھی تھا۔ ایسے حالات میں
اگر جمہور فقہا اور خلفائے راشدین کا کوئی
فیصلہ یا اتفاق آرا اُن کو حاصل ہو جاتا تھا
تو اس پر مطمئن ہو جاتے تھے۔ اگر ان میں بھی
اختلاف نظر آتا تو ان میں جو قرآن وحدیث
کا زیادہ جاننے والا ہو۔ زیادہ محتاط۔
زیادہ قوی الحافظہ زیادہ مشہور ان کے
قول کو اختیار کر لیتے تھے اگر کوئی مسئلہ
ایسا ہوتا تھا جس میں دو قول صحابہ وتابعین

فی عرصات الکتاب والسنة وایما
التمسها واقتضار اتمهد حملہ انظیر
المسئلة علیها فی الجواب اذا کانت
متقاربین بادی الرائے لا یتعهدون
فی ذلک علی قواعد من الاصول و
لکن علی ما یخلص الی الفهم
ویثلج به الصدر کما انه لیس
میزان التواتر عدد الرواة ولا
حالهم ولکن الیقین الذی
یقعه فی قلوب الناس کما
بنینا علی ذلک فی بیان حال
الصحابة وکانت هذه الاصول
مستخرجة عن منبع الاوائل فی
تصرفاتهم۔

کے برابر ہوتے تو یہ مسئلہ دو قول والا کہلاتا
تھا۔ اتنی تلاش وجستجو کے بعد اگر ان میں بھی
کوئی مسئلہ نہ ملتا تو پھر خود ہی قرآن وحدیث
پر غور کرتے تھے۔ اور ان پر قیاس کرتے تھے
لیکن اس طرح قیاس کرنے میں وہ کسی قاعدہ
اختراعی کے پابند نہ تھے۔ بلکہ ان کا طریقہ
یہ تھا۔ کہ وہ روش اختیار کریں جس سے
دل کو خود بھی سکون وطمانیت حاصل ہو۔
جس طرح تواتر کے لیے تعدد یا حالت رواۃ
شرط نہیں ہے۔ بلکہ صرف حصول یقین شرط
ہے۔ جو خبر متواتر کے بعد حاصل ہوتا ہے
یہ طریقۂ اجتہاد بالکل وہی ہے۔ جو صحابہ کرام
کا تھا۔ اور یہ ان حضرات نے انہیں سے
حاصل کیا ہے۔

مذہب حنفی

اس مذہب کے بانی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ تقریباً ستر برس آپ کی عمر ہوئی۔ آپ کے ممتاز شاگرد بانی مذہب حنفی قاضی ابو یوسف ہیں۔ جن کا نام یعقوب بن ابراہیم انصاری ہے۔ آپ ۱۱۳ھ پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ علامہ ابن خلکان فرماتے ہیں۔ ما کان فی اصحاب ابی حنیفۃ مثل ابی یوسف ولا ابو یوسف ما ذکر ابو حنیفۃ۔

یعنی امام ابو حنیفہ کے شاگردوں میں قاضی ابو یوسف کا مثل نہ تھا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ کا تذکرہ بھی نہ ہوتا۔ دوسرے ممتاز شاگرد امام محمد بن حسن فرقد الشیبانی ہیں۔ آپ ۱۳۲ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ نے کچھ عرصہ تک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے اکتساب علم فقہ فرمایا۔ آپ کا انتقال ۱۸۹ھ ہجری میں ہوا۔ تیسرے شاگرد زفر بن ہذیل کوفی ہیں۔ آپ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کا انتقال ۱۵۸ھ میں ہو گیا۔ چوتھے شاگرد حسن بن زیاد لولوی ہیں۔ جو انصار کے غلام تھے۔ یہ ان تینوں ائمہ کے شاگرد ہیں۔ ان کا انتقال ۲۰۴ھ میں ہوا۔ کوفہ یا عراق کا مذہب انہیں چار حضرات سے پھیلا۔ علمائے محدثین فرماتے ہیں۔ قاضی ابو یوسف ان سب سے زیادہ متبع حدیث ہیں۔

فقہ کے اصول!

اصول الفقه اربعة كتاب الله وسنت رسوله و اجماع الامة والقياس ولابد من البحث من كل واحد من هذه الاقسام ليعلم طريق تخريج الاحكام

اصول فقہ چار ہیں۔ قرآن وحدیث۔ اجماع اُمت اور قیاس۔ ان کے احوال سے اس لیے بحث کی جاتی ہے۔ کہ استنباط احکام کا طریقہ معلوم ہو۔

اجتہاد کے شرائط!

شروط الاجتهاد ان يعرف علم الكتاب بمعانيه اللغويه و الشرعية و وجوهه التي قلنا من الخاص والعام والامر والنهي و سائر الاقسام لسابقته ولكن لا يشترط علم جميع ما في الكتاب بل قدر ما يتعلق به الاحكام ويستنبط هي منه وذالك قدر خمس مائة آيات التي الفتها وجمعتها في التفسير الا حمدية وعلم السنة بطرقها المذكورة في اتسلعاصع اقسام الكتاب وذلك قدر ما يتعلق به الاحكام اعني ثلاث آلاف دون سائر هاران۔

یعنی اجتہاد کی شرط یہ ہے۔ کہ قرآن کے لغوی اور شرعی معنی جانتا ہو۔ اور جو وجوہ اصلی یعنی خاص عام۔ امر و نہی اور تمام اقسام سابقہ سے باخبر ہو۔ لیکن تمام قرآن مجید کا علم ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس قدر ضروری ہے۔ جن سے احکام متعلق ہوں اور مستنبط ہو سکیں اور یہ پانچ سو آیات کے قریب ہیں جن کو میں نے تفسیر احمدی میں جمع کر دیا ہے قرآن کے ساتھ حدیث کا علم بھی مع اقسام حدیث و اقسام کتاب جانتا ہو۔ اور یہ بھی تقریباً تین ہزار احادیث ہیں۔ نہ کہ تمام احادیث اور یہ کہ قیاس کے علم کو مع اس

کے شرائط مقررہ کے جانتا ہو

یعرف وجوہ القیاس بطرقہا وشرائطہ المذکورۃ آنفا۔

اجماع اور قیاس

الاجماع اتفاق المجتہدین من ہذہ الامۃ فی عصر علی امر شرعی وقال بعض النظامیہ والشیعۃ انہ محال ولو سلم فالعلم بہ محال ولو سلم فنقلہ الینا محال۔

یعنی اس امت کے مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی شرعی حکم پر متفق ہونا اجماع ہے بعض نظامیہ اور شیعہ اس کا وجود محال کہتے ہیں۔ اگر وجود مان لیں تو اس کا علم محال ہے اگر علم اس کی نقل ہو کر ہم تک پہنچنا محال ہے۔

اجماع کی دو صورتیں

گویا اجماع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کی اساس کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ہو دوسرے یہ کہ علماء اور فقہا کی آراء کا اتفاق ہو خواہ کسی ضرورت کی بنا پر ہوا ہو۔ پہلا اجماع تو واجب الاتباع ہے اور دوسرا اختیاری ہے۔

الجمہور علی انہ لا یجوز الاجماع الا عن سند من دلیل او مادۃ راس من عدم السند یستلزم الخطاء اذ الحکم فی الدین بلا دلیل خطاء

جمہور علماء اس پر متفق ہیں۔ کہ اجماع بغیر دلیل کے جائز نہیں ہے۔ چونکہ بلا دلیل غلطی لازم آتی ہے۔ اور دین میں بلا دلیل حکم دے دینا غلط ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

اتفقوا علی القول بالاجماع الذی مستندہ الکتاب والسنۃ اولاستنباط من اصلہما ولم یجوزوا القول بالاجماع الذی لیس مستندا الی احدہما

علماء اصول اس اجماع کے قائل ہیں۔ جن کی دلیل صریح طور پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ میں ہو یا ان سے مستنبط ہو۔ اور جس اجماع کی سند قرآن و حدیث سے نہ ہو

علمائے اصول اس کے قائل نہیں ہیں۔

قیاس

قیاس کی تعریف یہ ہے۔

ھوتقدیر الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ	فرع (جس کو مقیس کہتے ہیں) کو اصل (مقیس علیہ) کے ساتھ حکم اور علت میں برابر کرنا۔

نیز

مساوات المسکوت بالمنصوص فی علۃ الحکم	جس امر کا حکم شریعت میں نہ آیا ہو اس کو منصوص کے ساتھ جس کا حکم آیا ہو حکم کی علت میں برابر کرنا۔

علاوہ ازیں

والفقہاء اذا اخذوا حکم الفرع من الاصل سموا ذلک قیاسا تقدیر ھم الفرع بالاصل فی الحکم والعلۃ	یعنی فقہا جب فروع کو اصل سے حاصل کرتے ہیں تو اس کو قیاس کہتے ہیں (چونکہ وہ فرع کو اصل کے ساتھ حکم اور علت میں برابر کرتے ہیں۔

یعنی اپنی قیاسی بات کو حرمت و علت قرار دینا مثلاً حرج یا مصلحت کو کسی حکم کی علت ٹھہرانا یہی قیاس استحسان ہے اس کے علاوہ اور بھی چند اصول ہیں ازاں جملہ علامہ ابوحفص عمر بن محمد بن احمد بن اسمٰعیل نسفی متوفی ۵۳۷ھ نے علامہ کرخی متوفی ۳۴۰ھ کے اصول پیش کیے ہیں جن پر حنفیہ کے فروعی مسائل کا دار و مدار ہے ان میں سے یہ دو اصول خاص طور پر قابل لحاظ ہیں۔

الاصل۔ ان کل آیۃ تخالف قول اصحابنا فانھا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل من جھۃ التوفیق

---

[1] نور الانوار [2] مسلم الثبوت [3] جامی

الاصل ان کل حدیث یجئ بخلاف قول اصحابنا فانہ یحمل علی النسخ او علی انہ معارض بمثلہ۔

یعنی ہر وہ آیت جو ہمارے فقہا کے اقوال کے خلاف ہوگی تو اس کو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر اور پھر بہتر یہ ہے کہ اس کو تاویل پر محمول کیا جائے۔ اور اسی طرح ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے خلاف ہو تو حدیث کو پہلے تو منسوخ سمجھا جائے گا یا یہ کہ وہ حدیث کسی دوسری حدیث سے معارض ہے اور یہ اصول بھی ہیں۔

حدیث سے قرآن پر زیادتی جائز ہے اور حدیث سے قرآن کی آیت منسوخ ہو جاتی ہے[1]۔

---

[1] تاسیس النظر ۱۰۰ درمختار ج ۱ ج ۴

فقہ مالکی

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ شیخ المحدثین تھے۔ تمام محدثین کا فیصلہ ہے کہ آپ کی روایت اعلیٰ وارفع ہوتی ہے آپ کی موطا میں بہ تصریح ذیل روائتیں ہیں۔ پہلے تو آپ نے دس ہزار روائتیں جمع کی تھیں پھر آپ کے خامہ صحت پسند نے موطا میں ۱۷۲۰ روایتیں رکھی ہیں۔

۱۔ مسند و مرفوع ۶۰۰ ۲۔ مرسل ۲۳۵

۳۔ موقوف ۶۱۳

۴۔ تابعین کے اقوال و فتاوے ۲۸۵

۵۔ بلاغات امام مالک ۵[1]

موطا کا موضوع صرف احکام فقہیہ ہیں۔ اس لیے وہ سینکڑوں ابواب جو بخاری و مسلم میں نظر آتے ہیں اس میں نہیں ہیں۔ اس لیے محدثین کی اصطلاح کے مطابق اس کو کتاب السنن کہنا چاہیے لفظ موطا توطیہ کا مفعول ہے جس کے معنی روندنے کے ہیں یا کسی چیز پر چلنے کے ہیں۔ موطا کے لغوی معنی روندا ہوا یا چلا ہوا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔ مجازی معنی یہ ہیں کہ جس پر عام ائمہ علماء اور اکابر چلے ہوں۔ اس طرح گویا اس کے معنی متفق علیہ کے ہیں۔ یا یہ کہ ان مسائل پر مشتمل ہے جن پر صحابہ کا عمل رہا اور جمہور سلف جن پر چلے ہیں۔

---

[1] مقدس مسوی (شاہ ولی اللہ)

امام مالک کا طرزِ فکر

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ قرآن حدیث پر اعتماد کرتے ہیں اور اس معاملہ میں ان کا دارومدار علماء حجاز میں سے کبار محدثین پر تھا یعنی جس بات پر اہل مدینہ عامل تھے بالخصوص حضرت عمر و حضرت عبداللہ کو وہ نہایت اہمیت دیتے تھے چونکہ نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر کے فیوض و برکات سے بہت کچھ آپ نے حاصل کیا تھا۔ اور شہروں کی روایتوں کو اس لیے چھوڑ دیتے تھے کہ اہل مدینہ کا عمل اس پر نہیں ہوتا تھا لیکن اگر ان میں کسی مسئلہ کا جواب نہیں ملتا تھا تو آپ قیاس پر اعتماد فرماتے تھے جس طرح حنفیہ کی جانب استحسان کی نسبت ہے اسی طرح آپ کی جانب "مصلحت مرسلہ" کی نسبت ہے۔

مصلحت مرسلہ اس کو کہتے ہیں جس کے باطل ہونے اور اعتبار کرنے کی شہادت کسی نص معین نے نہیں دی ہے۔

مثلاً چوری کے اقرار کرانے کے لیے کسی شخص کو مارنا امام مالک کے نزدیک جائز ہے اور فقہا ان کے خلاف ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اہل مدینہ کے اجماع کو ہی معتبر سمجھتے تھے۔

امام شافعی کا طرزِ اجتہاد اور اصولِ فقہ

آپ نے مجتہدین کو پانچ علوم سے واقف ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ پہلے قرآن پھر حدیث اور ان دونوں کے اقسام، خاص، عام، مجمل، مبین، ناسخ و منسوخ پر عبور احادیث کے تمام اقسام متذکرہ اوراق بالا پر نظر غائر، تیسرے عربی زبان کے لغات اور نحو کی واقفیت، چوتھے اقوال صحابہ کرام پر بلحاظ مدارج و مراتب صحابہ اور تابعین اور ان کے طبقات پر اور پھر ان کے باہمی اختلاف کے وجود پر مہارت ہو اور قیاس کی قسموں سے واقف ہو۔

اجتہاد کے دو درجے

ان اصولوں کے لحاظ سے محدثین نے مجتہد کے دو درجے رکھے ہیں۔ مجتہد مستقل اور مجتہد منسوب بہ مستقل۔ مجتہد مستقل، وہ ہے جو مجتہدین سابقین سے تین باتوں میں امتیاز رکھتا ہو۔

۱۔ یہ کہ وہ بلا کسی پیشرو کے اثر کے اصول قواعد کا استنباط خود کرتا ہو۔

۲۔ احادیث اور آثار کو جمع کرے اور ان کے باہمی اختلافات سے صحیح نتیجہ پر پہنچے۔ جو قابل ترجیح ہوں ان کو ترجیح دے۔ جو قابل تطبیق ہوں۔ ان میں تطبیق پیدا کرے اور جن میں احتمالات ہوں اُن کو نمایاں کرے۔

۳۔ وہ دورِ حاضر اور دورِ ماضی کے مسائل میں موافقت پیدا کر کے ایسے اصول وضع کرے۔ جو بحدّ امکان مستقبل بعید تک کامیاب ہو سکیں۔

اجماع و قیاس امام شافعی کی نظر میں

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قرآن، حدیث اجماع و قیاس کی

وہ حقیقت نہیں ہے۔ جو اور مذاہب میں ہے۔ ذیل قواعد جو حضرت امام نے نافذ فرمائے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

۱۔ کسی حکم کا کسی وصف خاص یا شرط پر معلق ہونا۔ اس شرط اور وصف مذکور کے نہ پائے جانے کی صورت میں نفی حکم پر دلالت کرتا ہے۔

۲۔ اجماع سکوتی قابل حجت نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ بعض صحابہ نے یہ کیا ہو۔ اور بعض صحابہ اس فعل کو دیکھ کر خاموش رہے ہوں۔ لہذا ان کا سکوت تائید کی دلیل نہیں ہے۔

۳۔ ایک اصل کو دوسری اصل پر قیاس نہ کیا جائے اور اصل کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ یہ کس وجہ سے اور کیونکر ہے۔ بلکہ فرع میں کہنا چاہیے۔ کہ یہ کیوں کر ہے۔

۴۔ خاص سبب نزول حکم نص سے خارج نہیں ہو سکتا۔ یعنی نص کا حکم خاص اس واقعہ اور محل کو ضرور شامل ہوگا۔ جس کے متعلق نص وارد ہے۔ اگرچہ عموم الفاظ کے لحاظ سے غیر سبب نزول بھی حکم نص میں داخل ہو سکتا ہے۔ مگر سبب نزول حکم نص سے کسی طرح خارج نہیں کیا جا سکتا۔

اجماعی مسائل کون سے ہیں

یہ ہیں ذیل قواعد جن کی وضاحت ضروری ہے۔ سب سے پہلے اجماع کی بحث واضح کرنی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مدتوں کی تلاش اور جستجو کے بعد میں نے قرآن مجید کی اس آیت کو مشعل ہدایت پایا

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

جو شخص کہ اس کے بعد اس پر ہدایت ظاہر ہو گئی۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کی مخالفت اور مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ دوسرے راستہ کا اتباع کرتا ہے تو ہم اس کو جہنم میں

ڈال دیں گے اور وہ برا انجام ہے۔

امام شافعی نے بسلسلۂ مناظرہ فرمایا ہے کہ فرائض مثلاً نماز، زکوٰۃ، حج روزہ اور دیگر تحریم کے ایسے مسائل جن میں بلا کسی شائبہ کے بھی اختلاف نہیں ہے ایسی چیزوں کو ہم اجماعی مسائل کہہ سکتے ہیں۔

قیاس کے بارے میں امام شافعی کی رائے

قیاس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تین قسمیں مقرر فرمائی ہیں۔ وہ اس طرح کہ فرع عند العقل اصل حکم فرع میں بطریق اولیٰ ثابت کیا جائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں لونڈیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ اگر لونڈیاں زنا کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا آزاد عورتوں سے آدھی ہے۔ قرآن مجید میں غلاموں کے متعلق چونکہ کوئی حکم نہیں ہے اس لیے اس آیت کو اصل قرار دے کر غلاموں پر قیاس کیا جائے گا۔ لیکن اگر فرع حکم اصل کی بطریق اولیٰ مستحق نہیں ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اصل سے حکم کی علت معلوم کی جائے اس علت کے سبب سے فرع میں بھی اصل کا حکم نافذ کیا جائے گا مثلاً قرآن مجید میں شراب کی حرمت مذکور ہے اور نشہ اس کی علت ہے پس جس چیز میں شراب کے سوا نشہ پایا جائے گا اس میں بھی حرمت کا حکم جاری کیا جائے گا۔ اس قسم کے قیاس کا نام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے قیاس المعنیٰ رکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ مختلف الحکم صورتوں کے درمیان ایک تیسری صورت واقع ہو جس کا حال صراحتاً معلوم نہ ہو۔ اس شکل میں اس تیری صورت کا ان دونوں صورتوں سے مقابلہ کیا جائے گا اور جس صورت سے اس کی مشابہت اکثر اور زیادہ ہوگی اسی صورت کا حکم اس میں بھی جاری کیا جائے گا۔ اس قیاس کا نام امام شافعی نے قیاس الشبہ رکھا ہے مثلاً امام شافعی کا ایک قیاس ہے کہ زنا سے حرمت احکام پیدا نہیں ہوتے

یعنی باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کو اس کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی رائے یہ ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت کے احکام پیدا ہو جاتے ہیں۔ یعنی عورتوں کی حرمت پر نکاح سے جو اثر پڑتا ہے وہی زنا سے بھی پڑتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو جس طرح وہ اپنی منکوحہ کی ماں یا بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا اسی طرح اس مزنیہ کی ماں اور بیٹی سے بھی نکاح نہیں کر سکتا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے جہاں ان عورتوں کا ذکر کیا ہے کہ جن سے نکاح جائز نہیں ہے اس کے بعد یہ فرمایا ہے۔ کہ اُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ۔

یعنی تم پر ان عورتوں کے سوا جن کی حرمت بیان کی جا چکی ہے، اور سب عورتیں حلال ہیں اور جن عورتوں کی حرمت کا تذکرہ ہے ان میں مزنیہ کی ماں یا بیٹی کی حرمت کا تذکرہ نہیں ہے اور جو حکم باری تعالےٰ نے جاری فرمایا ہے وہ نکاح ہو جانے کے بعد پھر انسان اپنی بیوی کی ماں یا بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بیسیوں نے زنا کیا ہو اور پھر اس مزنیہ کی اولاد سے اسلام لانے کے بعد نکاح کیا ہو۔

قیاس استحسان کی مخالفت

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہؒ قیاس استحسان کے بے حد مخالف ہیں چنانچہ ہم کتاب الام جلد ۷ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"جس شخص نے کہا کہ میں استحسان نہ خدا کے حکم سے کرتا ہوں نہ اس کے رسولؐ کے حکم سے تو اس نے خدا اور اس کے رسولؐ کے قول کو قبول نہیں کیا اور جو کچھ اس نے کہا اس کی حجت خدا اور اس کے رسولؐ کے حکم سے نہیں کی اور جس شخص نے ایسا کہا اُس کے قول کی غلطی ظاہر ہے۔ کیونکہ اُس نے یہ کہا

کہ میں جو کچھ کہتا ہوں ۔ اور کرتا ہوں نہ مجھ کو اُس کا حکم دیا گیا، نہ اُس کی ممانعت کی گئی ہے ۔ اور جس چیز کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور ممانعت کی گئی ہے میرا قول و عمل اس نمونے پر نہیں ہے ۔ حالانکہ خدا نے اس کے قول کے خلاف فیصلہ کیا ہے ۔ اور کسی کو بغیر اطاعت قبول کرنے کے نہیں چھوڑا ہے"۔

قیاس سے متعلق دو مثالیں اس وضاحت کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ نے قیاس کے متعلق دو مثالیں دی ہیں ۔ اور ایک امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا مباحثہ بیان فرمایا ہے ۔ پہلی مثال یہ ہے ۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے ۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی نہ کرے"۔ اس کے بعد دوسری روایت یہ ہے جو حضرت فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے ۔ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے اُن سے نکاح کا پیغام دیا ہے ۔ جس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابوجہم تو ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں ۔ اور معاویہ بن ابی سفیان ایک مفلس آدمی ہیں ۔ اس لیے اگر تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو ۔ تو بہتر ہے ۔ اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ آپ نے محسوس فرما لیا تھا ۔ کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کے بعد ان کو پیغام نکاح دیا ہے ۔ اور آپ نے ان دونوں کے پیغام نکاح کے بعد فاطمہ کو اسامہ بن زید سے نکاح کرنے کی ترغیب دی ۔ اس لیے ہم نے دونوں روایتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ تطبیق دی ہے ۔ کہ فاطمہ بنت قیس نے اپنی رضا مندی کا اظہار کسی ایک سے نہیں کیا تھا ۔ اور ان کو حق حاصل تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کے پہلے ارشاد کا مقصد یہ ہے ۔ کہ اگر کسی کی منگنی کو عورت قبول کر لے ولی کو اجازت دے دے تو ایسی حالت میں پھر کسی دوسرے شخص کا پیغام ممنوع ہے ۔

دوسری مثال امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک مکان خریدا اور اس

میں ایک عمارت تعمیر کی۔ اس کے بعد شفیع نے بذریعہ شفعہ کے اس کا مطالبہ کیا۔ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور ان کے ساتھی یہ کہتے ہیں۔ کہ شفیع مکان لے لے گا۔ اور عمارت بنانے والا اپنا اسباب توڑ کر لے لے گا۔ قاضی ابن ابی لیلےٰ مکان اور تعمیر عمارت دونوں شفیع کو دلواتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ مجھے ان سب سے اختلاف ہے۔ میری رائے یہ ہے۔ کہ جب ایک شخص نے مکان خریدا اور از سر نو تعمیر بھی کیا یا اس کا کچھ حصہ تعمیر کیا، اس کے بعد شفیع نے اُس کا مطالبہ کیا تو اس سے یہ کہا جائیگا کہ اگر تم چاہو تو مکان کی قیمت اور نئی عمارت کی قیمت جو اس زمانہ کے حساب سے ہو ادا کردو ورنہ شفعہ سے باز آجاؤ۔ اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے۔ کیونکہ خریدار نے عمارت اپنی ضرورتوں کے پیش نظر تعمیر کی ہے۔ اس لیے اس پر اس عمارت کا انہدام فرض نہیں ہے۔

احمد بن حنبلؒ اور شافعیؒ کے نقطہ نظر کا تفاوت

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے ممتاز شاگرد ہیں۔ اور دنیائے اسلام کے ممتاز مسلمہ امام ہیں۔ آپ نے حضرت امام شافعی کے معینہ اصولوں کو کلیتاً تسلیم کیا اور عمل کیا، صرف ان اصولوں میں دو باتوں کا اضافہ کیا یا ترمیم کی۔

۱۔ ہمارے قیاس سے اقوال صحابہ بہتر ہیں۔

۲۔ خبر واحد قابل عمل ہے۔

ان اصولوں کی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا امام شافعی کے مذہب سے اختلاف بہت کم مسائل میں نظر آتا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۲۰ فی صدی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ یہ اختلافات عبادات میں کم تر اور معاملات میں نمایاں ہے۔ حنفی مذہب سے امام شافعی رحمۃ اللہ

نے تقریباً ۸۰ فیصدی مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ یہ اختلاف عبادات، معاملات، غرضیکہ ہر فقہی شعبہ میں نمایاں نظر آتا ہے۔ عبادات وغیرہ کے متعلق ایک نقشہ نمایاں ہے جس میں دونوں مذہبوں کے مسائل کو علیحدہ علیحدہ بتا دیا گیا ہے۔ پھر جستہ جستہ دلائل کو کتب فقہ و احادیث سے نمایاں کیا گیا ہے، تاکہ ہر شخص بآسانی اس کو سمجھ لے۔

مسائل حنفیہ	مسائل شافعیہ
۱۔ وضو بے نیت بے ترتیب جائز ہے	بغیر نیت کے اور بغیر ترتیب کے وضو صحیح نہیں ہوتا
۲۔ کھجور کے شیرہ سے جب پانی نہ ہو وضو درست ہے	بغیر پانی کے وضو درست نہیں
۳۔ وضو اور غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی دینا فرض ہے۔	یہ دونوں فعل فرض نہیں ہیں۔
۴۔ اگر بحالتِ نماز قہقہہ لگائے تو وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔ اور نماز بھی	وضو نہیں ٹوٹے گا۔ نماز فاسد ہو جائے گی۔
۵۔ بحالتِ روزہ وضو میں کلی کرتے وقت بے اختیار اور بھول کر پانی حلق میں اتر جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔	بھول کر یا بلا ارادہ کلی کرتے وقت اگر پانی پیٹ میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔
۶۔ کافر غلام کی جانب سے مسلم آقا صدقۂ فطر دے۔	کافر غلام پر صدقۂ فطر نہیں۔
۷۔ نفل روزہ کی قضا بھی فرض کی طرح ہے	نفل روزہ کی قضا لازمی نہیں۔

۸۔ گھر کی کیاری میں سیر بھر غلہ بھی پیدا ہو تو اس پہ بھی مالگذاری ہے۔

۹۔ جمعہ جب درست ہے رجب شہر ہو اور ملک کا بادشاہ ہو۔

۱۰۔ پہننے کے زیور میں زکوٰۃ لازمی ہے

۱۱۔ کوئی زبردستی شوہر کو پکڑ کر طلاق لکھوالے تو جائز ہے، طلاق ہو جائے گی

۱۲۔ مسلمان غلام کا کافروں کو امن دینا ناجائز ہے۔

۱۳۔ بیماری و سفر کی حالت میں جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ گھوڑے کا گوشت ناجائز ہے

۱۵۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ جہری یا سرّی نماز میں نہ پڑھنا چاہیے۔

۱۶۔ نابالغ کے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے

۱۷۔ قربانی واجب ہے، اور ہر مستطیع پر ایک بکرا ہے۔

۱۸۔ آزاد اور بالغ لڑکی بغیر ولی کی مرضی کے نکاح کر سکتی ہے۔

بیس من سے کم غلہ کی پیداوار پہ کوئی مالگذاری نہیں۔

ہر حال میں نماز جمعہ درست ہے، صرف چالیس آدمی ہونا چاہیئے۔

پہننے کے زیور پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

ایسی طلاق لغو اور ناقابل اعتبار ہے

مسلمان غلام بھی کافروں کو امن دے سکتا ہے۔

بیماری و سفر میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے۔

گھوڑے کا گوشت جائز ہے۔

ہر نماز میں مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا چاہیے ورنہ نماز نہیں ہوتی۔

زکوٰۃ دینا لازمی ہے۔

قربانی مسنون ہے اور ہر گھر کا مالک اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکرا قربانی کر سکتا ہے۔

امام شافعیؒ کے اقوال و کلمات

ناظورۃ الحق صفحہ ۲۶ پر علامہ مرجانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اجمع المسلمون علی ان من استبانت لہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یجد لہ ان یدعھا لقول احد

یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے، کہ حضور علیہ السلام کی حدیث کسی کے قول کی وجہ سے کبھی ترک نہ کی جائے گی۔

میزان کبریٰ امام شافعی صفحہ ۵۰ پر مسطور ہے۔

و کان یقول رضی اللہ عنہ اذا ثبت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابی وامی شئی لم یجد لنا ترکہ

یعنی امام شافعی فرمایا کرتے تھے، کہ میرے ماں باپ حضور علیہ السلام پر فدا ہوں جب آپ سے کوئی روایت ثابت ہو جائے تو اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔

بیہقی میں ہے، کہ اذا وجدتم فی کتابی خلاف سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقولوا بسنۃ ودعوا ما قلت۔ یعنی جب تم میری کتاب میں خلاف سنت رسول اللہ کوئی سی بات بھی پاؤ تو حضور علیہ السلام کی سنت پر عمل کرنا اور میرا قول چھوڑ دینا حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی لاحمد بن حنبل انتم اعلم بالاخبار الصحیحۃ منا فاذا کان خبر صحیح فاعلمونی

یعنی امام شافعی نے امام احمد بن حنبل سے فرمایا تم صحیح روایتوں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اس لیے جب کوئی صحیح روایت

حتی اذھب علیہ ہو تو مجھے بتا دیا کرو تاکہ میں اس پر عمل کروں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول قول کے حد تک نہ تھا۔ بلکہ آپ نے دُنیا کے سامنے عملاً اس کو بااین طور ثابت کر دکھایا کہ ابتدا میں آپ کا ایک قول تھا۔ زاں بعد صحیح روایتوں کے معلوم ہو جانے پر آپ نے اپنے سابقہ قول کو ترک کر دیا یہی مقصد ہے۔ آپ کے قول قدیم اور قول جدید کا۔ ان کمالات لاتحصٰی کے ہوتے ہوئے تمام محدثین وفقہائے محدثین نے آپ کی نصرت وحمایت کی اور آپ کے اصول ومسلک کو اختیار کر لیا۔ لاکھوں محدثین ومفسرین فقہائے محدثین ومتکلمین و اکابر صوفیا آپ کے مسلک کے متبع رہے۔ متاخرین میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ وحضرت امام فخر الدین رازی کے نام آفتاب عالمتاب کی طرح روشن ہیں۔ ان حضرات نے امام شافعی کے مسلک کے محامد ومحاسن اس میں منسلک ہو کر بیان فرمائے ہیں۔ وہ ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

"اعمال کے متعلق ہمارا نظریہ یہ ہے کہ احادیث کی چھان بین کی جائے اور فقہ ودرایت کے ساتھ ان ہی کے مطابق اپنے اعمال کو درست کیا جائے حکم ربانی کے نزدیک قیاسات میں سے صرف وہی مقبول ہے۔ جو قیاس جلی ہو یا وہ قیاس خفی جس کی بنا مصلحت عامہ پر ہو جو لوگ اتباع رائے میں تحکم کرتے ہیں۔ وہ قطعاً اہل سنت نہیں ہیں۔ مذاہب اربعہ میں اقرب الی السنہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ بشرطیکہ اس کی تنقیح وتمحیص کی جائے۔ امام ممدوح کی عقابی نظر علل اور اسباب کی حقیقت تک فوراً پہنچ جایا کرتی ہے۔[1]

---

[1] خیر کثیر۔

امام صاحب کا کمال نظم ونثر

امام شافعی نظم ونثر کے بھی بادشاہ تھے۔ مختصر نمونہ درج ذیل ہے۔

سیاسة الناس اشد من سیاسة الدواب لان الانسان الجاهل یعتقد فی نفسه انه عالم فلا یقبل قول الانسان المشفق لان للعقل حداً ینتهی الیه کما ان للبصر حد ینتهی الیه/ للمروة اربعة ارکان حسن الخلق والسخاء والتواضع والشکر/ لا یکمل الرجل فی الدنیا الا باربع الدیانة والامانة والصیانة والرزانة/ والانبساط الی الناس مجلبة القرناء السوء والانقباض عنهم مکسبة للعداوة فکن بین المنقبض والمنبسط/ ما اکرمت احداً فوق مقداره الا تضع من قدری عنده بمقدار ما اکرمته ما نظر الناس هم دونه الا لبسطوا السنتهم فیه من حفر مجلس العلم

چوپایوں کو ادب سکھانے کے مقابلہ سے انسانوں کی سیاست مشکل ہے، چونکہ جاہل یہ یقین کرتا ہے، کہ وہ عالم ہے، اس لیے کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت نہیں مانتا۔ عقل کی بھی ایک حد ہے، جہاں وہ ٹھہر جاتی ہے، جس طرح بصارت کی ایک آخری حد ہے انسان کے لیے چار شرطیں ہیں، حسن اخلاق فیاضی، تواضع اور شکر، دنیا میں انسان کامل ان چاروں باتوں سے ہوتا ہے، دیانت امانت حفاظت، چشم پوشی، جماعتی زندگی میں بالکل گھل جانا برے ہمنشین پیدا کرتا ہے، اور بالکل ہی محفوظ رہنا سبب عداوت ہو جاتا ہے، میں نے اگر کسی شخص کی عزت اس کی حیثیت سے زیادہ کی اتنی ہی اس کی نظر میں میری عزت کم ہوگئی، چھوٹے طبقہ کے آدمی اپنے سے بڑے کو دیکھ نہیں سکتے۔

بغیر مجوتہ و ورق کان کمن اتی الطاحون
بغیر قمح من احسن ظنہ بلیم کان
ادنی عقوبتہ الحرمان صحبۃ من لایخاف
العار یوم القیامۃ اظلم الظالمین
لنفسہ من تواضع لمن لایکرمہ
ورغب فی مودۃ من لاینفعہ ومدح
من لایعرفہ طبع ابن آدم علی اللوم
فمن شانہ ان یتقرب ممن یتباعد
ممن یقرب منہ خیر الدنیا والآخرۃ
فی خمس حضال غنی النفس وکف
الاذی وکسب الحلال ولباس التقوی
والثقۃ باللہ علی کل حال الشفاعات
زکات المروات مثل الذی یطلب العلم
بلا حجۃ کمثل حاطب لیل یحمل حزمۃ
حطب وفیہ افعی ولدغہ وھو لایدری
زینتہ العلماء التقوی وحلیتہم حسن
الخلق وجمالہم کرم النفس من لایعب
العلم لاخیر فیہ ولاکین بینک وبینہ
معونۃ ولاصداقۃ من اظلم
شکوک بما لمتات الیہ
فاحذران تکرہ نعمتک فیما اتیت

وہ یقیناً برائیاں کرتے رہتے ہیں ۔ علمی
مجالس میں بغیر قلم دوات و کاغذ کے جانا ایسا
ہی ہے ۔ جیسے چکی کے پاس بغیر گیہوں کے
جانا ۔ جس نے کسی لئیم سے حسن ظن رکھا ۔ اس
کی ادنیٰ سزا محرومی و ناکامی ہے ۔ بے حیا
کی صحبت قیامت میں باعث شرم ہوگی
سب سے زیادہ وہ شخص خود پر ظلم کرتا ہے
جو ایسے شخص کی عزت کرے جو اس کی عزت
نہ کرتا ہو ۔ اور ایسے شخص سے دوستی کرے
جو اس کو مطلق نفع نہ پہنچاتا ہو اور ایسے شخص
کی تعریف کرتا ہو جو اُسے نہ پہچانتا ہو ۔ انسان
کی انا و طبع پر ملامت یہ ہے ۔ جو شخص اس
سے بھاگتا ہے ۔ یہ اس کے قریب جانا چاہتا ہے
اور جو قریب ہوتا ہے ۔ اس سے یہ بھاگنا
چاہتا ہے ۔ دنیا و آخرت کی بھلائی ان
پانچ باتوں میں ہے ۔ دل غنی ہو ۔ ایذا رسانی
سے بچتا رہے ۔ حلال کی روزی حاصل ہو ۔ پرہیز
گاری ہو اور ہر حالت میں صرف خدا پر بھروسہ
ہو بے حد سفارشیں کرنا وقار کو کھو دیتا ہے ۔ جو
شخص بغیر سمجھے بوجھے علم حاصل کر لیتا ہے
اس کی ایسی مثال ہے ۔ جیسے کوئی شخص

اليه/من علامة الصديق ان يكون
لصديق صديقه صديقا/انك لا
تقدر ان ترضى الناس كلهم فاصلح
مابينك وبين الله ثم لاتبال بالناس
من استغضب فلم يغضب فهو حمار
ومن استرضى فلم يرض فهو
شيطان/التلطف فى الحيلة
احدى من الوسيلة لاتشاور من
ليس فى بيته دقيق، ماظنك من
خطا رجل الاثبت صوابه فى
قلبه ترك العبادة ذنب مستعدث
ليس من المروة ان يخبر الرجل
بسنه من تعلم القرآن
عظمت قيمة ومن نظر
فى الفقه نبل قدره ومن
كتب الحديث قويت حجة
ومن نظر فى اللغة رق قلبه
ومن نظر فى الحساب جزل
رائه من لم يصن نفسه
لم ينفعه علمه من تم
لم يهب ومن تقل اليه

رات کو لکڑیوں کا گٹھا باندھے اور اس میں
کوئی سانپ اس کو کاٹ لے، علماء کی زینت
پرہیزگاری ہے، اور ان کا زیور حسن اخلاق
ہے اور نیک دلی ان کا حسن ہے، جس شخص میں
علم کی محبت نہیں اس میں کوئی بھلائی نہیں
ایسے شخص سے تعلقات تو درکنار جان پہچان سے
بھی بچنا چاہیے، جو شخص تمہاری ایسی مہربانی
کا شکر گزار نہ ہو جو تم نے اس پر نہیں کی ہے، تو
ایسے شخص سے بچتے رہنا کہیں ایسا نہ ہو، کہ
وہ تمہاری حقیقی عنایت کا بھی انکار کرے،
دوست کی علامت یہ ہے، کہ وہ دوست کے
دوست کا بھی خواہ ہو، سب کو خوش رکھنا مشکل
ہے اس لیے انسان خدا سے اپنا معاملہ صاف
رکھے اور کسی کی پروا نہ کرے، جس کو غصہ دلایا
جائے اور غصہ نہ کرے وہ گدھا ہے، اور جو
راضی کرنے سے خوش نہ ہو، وہ شیطان ہے، حسن تدبیر
وسیلہ سے بہتر ہے، جس کے گھر میں آٹا نہ ہو اس سے
مشورہ کیا، جس کی غلطی پر ہنسی ہوتی ہے اس
کے دل میں اصلاح کا خیال پیدا ہو جاتا ہے
خدا کی عبادت نہ کرنا گناہ بھی ہے، اور
بدعت بھی ہے، مروت سے بعید ہے، کہ

نقل عنك من اذا رأيته
قال فيك مالیس فيك لذ
لك اذا اغضبته قال فيك
مالیس فيك، ليس العاقل
الذی يدفع بين الخير والشر
فتحقار الخير ولكن العاقل من
يختار الخير ولكن العاقل من
والحجة على احدٍ فقبلها منی
الاهلية واعتقدت مودته
ولاحا برئی على الحق احدو
رافع الحجة الاسقط من عين
اشد الاعمال ثلثة ۔ الجود
من قلة والورع فی خلوة و
كلمة حق عند من يرجی
ويخاف، العلم حرٌّ وطالبه
عبدٌ فان خدم العبد قبلة
العلم وان تبختر عليه فالعلم
اولی بان تبختر عليه
الكلام يقظه العقل والسكوت
نومه فانظر كيف مراعاتك لهٗ
عقله عقله عن كل مذموم

کسی کو اس کی عمر بتائی جائے ۔ قرآن کی تعلیم
سے انسان کا مرتبہ اور عزت اور حدیث سے
قوت دلیل اور لغت کی وضاحت سے قلبی سکون
اور حساب سے متانت رائے حاصل ہوتے
ہیں ۔ علم پڑھ کر جو برائی سے نہ بچا اُس
کو علم نے کیا کام دیا ۔ جو تمہارے سامنے
اوروں کی برائیاں کرتا ہے ۔ وہ تمہاری
برائی بھی دوسروں کے سامنے کرتا ہے ۔ جو
شخص اتحاد و اتفاق کی صورت میں تمہاری
صفات کی ایسی تعریف کرے جو تم میں نہ
ہوں ۔ وہ دشمنی میں تمہارے وہ عیب
بیان کرے گا ۔ جو تم میں نہیں ہیں ۔ عقلمند
وہ ہے ۔ جو خیر و شر میں جب مبتلا ہو تو
بہتر بن راستہ اختیار کرلے جب میں نے کسی
سچی بات اور دلیل کو بھی کسی پر پیش کیا اور اس
نے قبول کر لیا تو اس کا اثر میرے دل پر ہوا اور
محبت بھی پیدا ہو گئی اور جس نے حق پر خواہ مخواہ
مجھ سے مجادلہ و مباحثہ کیا ۔ اس
کی وقعت میری نظر سے گر گئی ۔
تین کام بڑے مشکل ہیں تنگی میں
سخاوت ۔ خلوت میں تقویٰ ۔ اور جہاں سے

.عقله عقله عن كل مذموم
لو علمت ان شرب الماء البارد
ينقص من مروءتي شيئا ما شربته
العجلة توجب الحرمان والرفق
وسيلة الى الوجدان عاشر
كرام الناس تعش كريما ولا
تعاشر لئام الناس فتسب
الى اللوم من صدق فى اخوة
انسان قبل غلله وسد خلله
وغفر زلله، من اعتذر عن
ذنب لم يذنبه فقد اوجب
على نفسه ذنبا اسفلة من تكون
اكراهه لمخالفيه اكثر من
اكراهه لاهل مذهبه لانه
يريد ان يجعل العدو وليا
بنفاته وذلك لا يكون ان
الله خلقك حرا فكن كما
خلقك. من سمع بافته نه
صار حاكيا ومن اصغى لقلبه
صار راعيا ومن وعظ لفعله
صار هاديا. من وعظ اخاه

امید لگی ہو یا کچھ خوف ہو۔ وہاں سچ سچ
بات کہتا۔ علم آزاد ہے۔ اور طالب علم اس
کا غلام۔ غلام خدمت کرے گا تو آقا اُسے
قبول کرے گا۔ اور اگر ناز کرے گا۔ تو علم کا
حق ناز برداری پر زیادہ ہے۔ گفتگو کرنا عقل
کی بیداری ہے۔ اور خاموشی اس کا خواب
ہے۔ پس سوتے جاگتے ہر حال میں اس کا مناسب
لحاظ رکھو۔ عقلمند کی علامت یہ ہے۔ کہ
اُس کی عقل برائی سے روکے۔ اگر مجھے
معلوم ہو کہ ٹھنڈا پانی پینے سے انسانیت
پر بٹہ لگتا ہے۔ تو کبھی نہ پیوں۔ کسی کام
میں جلدی کرنا محرومی کا باعث ہے اور سکون
سے کام کرنا موجب کامیابی۔ اچھے آدمیوں
کی صحبت اچھا اور بُروں کی صحبت بُرا بنا دیتی
ہے۔ جس نے واقعی طور پر انسانیت کے حقوق
کو ادا کیا اُس کی بُرائیاں دور ہو گئیں۔ اور
گناہ معاف ہوئے۔ ناکردہ گناہ کا اعتراف
خود ہی خطا کار بننا ہے۔ احمق شخص اپنے
اہل مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب
والوں کی عزت زیادہ کرتا ہے۔ وہ اس ریاکاری
سے ان کے دلوں میں گھر کرنا چاہتا ہے

سرًّا فقد نصحه وزانه و
من نصحه علانية فقد فضحه
وشانه، التواضع من اخلاق
الكرام والتكبر من شيم
اللئام ۔ الوريعة لا يقبلها
الا خائن او احمق اذا كثرت
عليك الحوائج فابدأ باهمها
من احب الدنيا كان عبد
الا هلها فقر العلماء فقد
اختيار و فقر الجهال
فقر اضطرار، من رضي بالقنوع
زال عنه الخضوع من احب
ان يفتح الله على قلبه نور الحكمة
فعليه بالخلوة وقلة الا
كل و ترك مخالطة
اسفهاء و بغض العلماء
الذين ليس معهم دين
ولا اداب ۔ لا تكلم فيما
لا يعينك فانك اذا
تكلمت بالكلمة
ملكتك ولم تملكها

حالانکہ یہ ناممکن ہے، خدا نے تم کو آزاد
پیدا کیا ہے، پس تم بھی آزاد ہو۔ کان سننے
والا راعی ہے، اور اس پر عمل
کرنے والا ہادی ہے اپنے
عزیز کو تنہائی میں نصیحت کرنا اور سمجھانا بھی
شرافت اور اس کی اصلاح کار از ہے۔
اور سب کے سامنے اُس کو نصیحت کرنا
باعث رسوائی و بدنامی ہے، تواضع اہل کرم
کی نشانی ہے، اور تکبر لئیم اشخاص کی۔ امانت
رکھنے کے شائق یا تو چور ہوتے ہیں، یا احمق
جب تم پہ کام کی کثرت ہو تو پہلے سب سے
اہم کام شروع کرو۔ دنیا چاہنے والا اہل
دنیا کا غلام بن جاتا ہے، علماء کا فقر اختیاری
ہے، اور جہلا کا اضطراری، جو قناعت پہ
خوش ہے، وہ لوگوں کے سامنے عجز و نیاز
سے مستغنی ہے، جس کی یہ خواہش ہے، کہ خدا
کا نور حکمت کھلے تو وہ احمقوں کی صحبت
چھوڑ دے، کم کھائے اور خلوت اختیار کرے
اور ان علماء سے احتیاط کرے کہ جن میں
نہ ادب و تہذیب ہے، نہ دین ہے، فضول
باتیں زبان سے نہ نکالا کرو، بات جب منہ

العلم جهل عند اهل
الجهل كما ان الجهل
جهل عند اهل العلم
كفى للعلم فضيلة انه
يدعيه من ليس فيه
وكفى للجهل سوءاً بان
تليق أمنه من هو فيه
ليغضب اذا نسب اليه الكرم
يعظى عيوب الدنيا والاخرة
ان الافئدة مزارع
الالسن فازرع الكلمة
الكريمة فانه ان لم
تنبت كلها نبت بعضها
ان المطلق ماهر اشد
من الضمر والقد من
الابرو امر من الصبر وادوم
من لرسى واحد من سنة
من طلب الرياسة في غير
حينها لم يزل في ذل ما بقي من
طلب الرياسة فوت منه يحتاج
طالب العلم الى ثلث خصال طول العمر سة

سے نکل جاتی ہے، تو تم پر قابو پا لیتی ہے
علماء کے نزدیک جہل جہالت ہے۔ اسی
طرح جاہلوں کے نزدیک علم جہالت ہے
علم کی فضیلت یہ کیا کم ہے، کہ بے علم اس
کے مدعی ہیں اور جہل کی برائی یہ کیا کم ہے
کہ جاہل اپنے جہل کا منکر ہے۔ اگر جاہل کو
جاہل کہہ دو تو غصہ میں آجاتا ہے۔ سخاوت دنیا
و آخرت کے عیبوں کو چھپانے والی چیز ہے
دل زبان کے لیے کھیتی ہے۔ اس سے اچھی
باتوں کی تخم ریزی کرو۔ اگر سب دانے نہ
اُگیں گے، تو کچھ ضرور اُگیں گے۔ زبان
سے بات جاوا ہوتی ہے۔ وہ پیکان سے زیادہ
سخت سوئی سے زیادہ چبھنے والی، اہلے
سے زیادہ کڑوی، چکی کے پاٹ سے زیادہ
پھرنے والی نوک سناں سے زیادہ تیز ہوتی
ہے، اس لیے احتیاط سے بات کرو۔ جس
نے بے محل ریاست یا حکومت چاہی وہ ہمیشہ
ذلیل رہا، چونکہ جو اس کو طلب کرتا ہے۔
اس سے یہ بھاگتی ہے۔ طالب علم کو تین
باتوں کی ضرورت ہے۔ طول عمر فراخ دستی
اور ذکاوت ذہن، علم اصل میں دو ہیں۔

ذات الید الذکاء العلم علمان علم الادیان الفقه و علم الابدان الطب طلب العلم افضل من صلوٰة النافلة

علم روح علم جسم علم روح علم دین ہے اور علم جسم طب ہے۔ علم حاصل کرنا نفل پڑھنے سے بہتر ہے۔

یہ آپ کے نثر کا کچھ حصہ پیش کیا گیا۔ نظم کے آپ ماہر تھے۔ اگرچہ شعر کہنے میں احتیاط فرماتے رہتے تھے۔ مگر چونکہ شاعری عرب کی قومی زندگی کی جان ہے۔ وہ ان کے لیے کسبی چیز نہیں ہے۔ بلکہ عرب کا ایک فطری وصف ہے۔ پھر اس سے امام شافعی رحمۃ اللہ کیسے مستثنیٰ رہ سکتے تھے۔ آپ بے تکلف نظم فرماتے تھے۔ کلام میں ابہام یا تعقید کا وجود نہیں ہے۔ جو سحر بیانی و شعلہ مقالی خدا نے آپ کو عطا فرمائی تھی۔ اس لحاظ سے آپ کا کلام بھی قابل توجہ ہے۔

ولولا الشعر بالعلماء یدری لکنت الیوم اشعر من لبید

اگر علماء کے نزدیک شعر گوئی مستحسن ہوتی تو آج میں بھی لبید سے زیادہ شعر کہہ دیتا۔

عباس ازرق جو مشہور شاعر ہے۔ ایک بار آپ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا اے ابو عبداللہ میں نے چند اشعار کہے ہیں۔ اگر تم ان کے مثل شعر کہہ دو۔ تو میں شعر کہنا چھوڑ دوں گا۔

با همتی الامقام عة العدا خلق الزمان وهمتی لم تخلق والناس اعینهم الی سلب الغنی لایالون عن الحجی والادلق لوکان بالحیل الغنی لوجدتنی بنجوم اقطار السماء تعلق

دشمنوں سے لڑنے کے سوا اور کسی کام کی مجھ میں ہمت نہیں رہی زمانہ پرانا ہو گیا۔ مگر میری ہمت پرانی نہیں ہوئی۔ لوگوں کی آنکھیں دولت مندی کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ وہ دولتمندی اور بے وقوفی میں تمیز نہیں کرتے اگر دولتمندی کا ذریعہ حیلوں پر ہوتا تو وہ مجھ کو آسمان کے کناروں پر پہنچا دیتے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس کے جواب میں فی البدیہہ یہ اشعار کہے۔

ان الذی رزق الیسار ولم یصب
حمدا ولم یشکر لغیر موفق
الجد یدنی کل امر شاسع
والجد یفتح کل باب مغلق
فاذا سمعت بان مجدودا حوی
عودا فاثمر فی یدیہ فصدق
واذا سمعت بان محرومًا اتی
عاءً لیشربہ فغاص فتحقق
ومن الدلیل علی القضاء وکونہ
بؤس اللبیب وطیب عیش الاحمق
لو کان بالحیل الکبیر لوجدتنی
باجل اسباب السماء تعلق
لکن من رزق الحجی عدم الغنی
ضدان مفترقان اے تفرق
ولربما عرضت نفسی فکرۃ
فاردمنها انی لم اخلق

واحق خلق اللہ بالہم امرؤ
دوھمۃ بالعلی لبعیش ضیق

جس شخص کو خدا نے خوشحال بنایا اس پر بھی اس نے شکر ادا نہ کیا نہ اُس کی تعریف کی وہ بدنصیب ہے۔ اور نصیب ہی ہر بند دروازے کو کھول دیتا ہے اور نصیب ہی ہر دور از کار کو قریب کر دیتا ہے۔ اس لیے اگر تم سنو کہ کسی خوش نصیب نے ایک خشک لکڑی اٹھائی اور وہ اس کے ہاتھ میں آتے ہی بار آور ہو گئی تو یقین کر لینا اور جب یہ سنو کہ کوئی بدنصیب پانی پینے گیا اور وہ پانی میں ڈوب گیا تو اس کا یقین بھی کر لینا خدا کے احکام نافذ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے، کہ سمجھدار تکلیف میں مبتلا ہے اور احمق عیش و راحت کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اگر بڑائی حیلوں کی وجہ سے ہوتی تو میرا تعلق بڑے بڑے آسمانی اسباب سے ہوتا۔ لیکن جس کو عقل دی گئی ہے، وہ رزق سے محروم ہے، یہ دونوں ضدیں ایسی ہیں جن کا جمع ہونا مشکل ہے۔

بارہا میرے دل میں یہ خیال آتا رہتا ہے، کہ کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا۔
خدا کی مخلوق میں وہ شخص سب سے زیادہ قابل

ہمدردی ہے جو باوجود تنگ حالی کے ہمت سے
زندگی بسر کرتا ہو۔

عباس ازرق نے کہا۔ سبحان اللہ اشعار میں، یا گنجینۂ حکمت ہیں، اعتراف کرتا ہوا۔ چلا گیا۔ آپ جب مصر تشریف لائے تو وہاں امام مالک رحمۃ اللہ کے پیرو زیادہ تھے۔ ان حضرات نے آپ کا بڑا احترام کیا۔ جب بعض مسائل میں امام مالک رحمۃ اللہ سے آپ نے اختلاف کیا تو پھر ان لوگوں نے آپ سے احتراز شروع کیا۔ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

أأنثر درا بين سارحة النعم	کیا میں نثر کے موتی چوپائے چرانے والوں
النظم منثورا لواعية الغنم	کے سامنے پیش کروں یا بکریاں چرانے والوں
فان فرج الله اللطيف بلطفه	کے لیے بکھرے موتی نظم کروں اگر خدا کے فضل و
وسادت اهلا للحلوم و للحكم	کرم سے کسی صاحب علم و حکمت سے ملاقات
ثبت مفيدا واستعدت دراره	ہوئی تو اس وقت ان کا بکھیرنا مناسب ہوگا
والا فسمكنون لدى مكنتم	اور اس کو میں دوست بناؤں گا ورنہ موتی
فمن منع الجهلال علما اضاعه	چھپے رہیں گے جس نے جاہلوں کو علم سکھایا اس
ن منع المستوجبين فقد ظلم	نے علم کو ضائع کیا اور جس نے مستحق افراد کے
	سکھانے سے اعراض کیا، اس نے ظلم کیا۔

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

يا اهل بيت رسول الله حبكم	اے اہل بیت رسول اللہ تمہاری محبت قرآن
فرض من الله فى القرآن انزله	کی وجہ سے فرض ہے۔ تمہاری جلالت شان
كفاكم من عظيم القدر انكم	کے لیے یہی کافی ہے۔ کہ جس نے تم پر درود
من لم يصل عليكم لا صلوة له	نہ پڑھا اس کی نماز قبول نہیں ہوئی۔

یارا کبًا قف بالمحصب من منی
واهتف بساکنها حیفها والناهض
سحرًا اذا فاض الحجیج الی منی فیضا
کما النظر المرات الفائض
ان کان رفضا حب آل محمد
فلیشهد الثقلان انی رافضی
اذا نحن فضلنا علیًا فاننا
روافض بالتفضیل عند ذوی الجهل
وفضل ابی بکرٍ اذا ما ذکرته
رمیت بنصب عند ذکری للفضل
فلازلت ذا نصب ورفض کلیهما
بجیهما حتی اوسد فی الرمل

اے اونٹ کے سوار منا میں محصب پر ٹھہر جا
اور جب صبح کے وقت حجاج فرات کے بہاؤ
کی طرح منا کی طرف بڑھیں تو خیف والوں
سے چلا کر یہ کہہ دینا کہ اگر آل محمد کی محبت ہی سے
انسان رافضی ہو جاتا ہے، تو اس میں شک
نہیں ہے، کہ میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔
جب ہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت
بیان کی تو بیشک اس وجہ سے ہم جاہلوں کے
نزدیک رافضی بنے اور جب میں حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتا ہوں
تو اس اظہار عظمت کی وجہ سے یہی لوگ مجھے
ناصبی کہنے لگتے ہیں۔ پس اس محبت کی وجہ
سے میں رافضی وناصبی دونوں ہوں اور اسی طرح
ایک دن قبر میں چلا جاؤں گا۔

المرء ان کان عاقلا ورعا
یشغله عن عیوبهم ورعه
کما العلیل السقیم یشغله عن
وجع الناس کلهم وجعه وذی
حسد یفتا بنی حیث لا یری
مکانی ویثنی صالحا حیث اسمع
اذا لم تصن عرضا لنفسا ولم تخش

جو شخص عقلمند اور پرہیزگار ہوتا ہے، اس
کی نیکی لوگوں کی عیب جوئی سے اس کو روکے
رکھتی ہے۔ جس طرح سخت بیمار کو اس کی
بیماری تمام لوگوں کی بیماریوں سے غافل کر دیتی ہے
حاسد میرے پیٹھ پیچھے تو میری برائیاں کرتے
ہیں، اور جب میرے سامنے آتے ہیں، تو میری
بڑی تعریف کرتے ہیں، جب تمہیں اپنی عزت کا

خالقاً ولستحی مخلوقاً فما شئت ناضع۔

خیال نہیں نہ خدا کا خوف ہے اور نہ مخلوق کی شرم ہے تو پھر جو چاہے کرو۔

اذا اصبحت عندی قوت یوم فخل الھم عنی یا سعید ولا یخطر ھموم عند بالی فان عند اللہ رزق جدید اسلم ان ارادا للہ امراً وترک ما ارید لما یرید

اے نیک بخت جب میرے پاس ایک دن کی روزی ہو تو پھر میری روزی کی فکر نہ کر۔ اور آئندہ کل کی روزی کی فکر مجھے کبھی نہیں ہوتی۔ چونکہ کل کے لیے نئی روزی ہے، خدا جو کچھ چاہتا ہے۔ مجھے بھی وہ منظور ہے، میرا ارادہ اس پر چھوڑ دیتا ہوں۔

عواقب مکروہ الامور خیار وایام شرّ لا تدوم قصار ولیس بباق یوسمار ولغیمار اذا کر لیل ثم کر نھار

سخت حوادث کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ اور مصیبت کے دن چھوٹے ہوتے ہیں، جو ہمیشہ نہیں رہتے۔ دنیا میں رنج و راحت کے دن ایک ہی طرح پر نہیں رہتے۔ رات کے بعد دن ہی آتا ہے۔

یا حک جلدک مثل ظفرک فتول انت جمیع امرک واذا تصدت لحاجۃ ناقصد لمعترف بفضلک

جب تیرے جسم میں کھجلی ہوتی ہے۔ تو اس کے کھجانے کے لیے تیرے ناخون ہی تو ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنے کاموں کو خود ہی کرتا رہ اگر کوئی ضرورت پیش ہی آجائے تو پھر ایسے شخص سے امداد کا خواہاں ہو۔ جو تیری عظمت کا خیال کرتا ہو۔

احب من الاخوان کل مواتی وکل غفیض الطرف عن عثراتی

میں اپنے ہر ہم خیال بھائی سے انسیت رکھتا ہوں۔ اور ایسے شخص سے جو میری لغزشوں سے

يصاحبني في كل امر احبه ... اعماص کرے میرے پسندیدہ کاموں میں وہ
ويحفظني حيًا و بعد وفاتي ... میرا معاون ہو میری زندگی میں میرا محافظ
تصفحت اخواني فكان اقلهم ... اور مرنے کے بعد میرا خیال رکھے میں نے
على كثرة الاخوان اهل ثقات ... اپنے لیے بھائیوں کو تلاش کیا، بہت سے
فمن له بهذا الامر ليت اني اصبه ... ملے۔ لیکن بھروسہ کے قابل بہت ہی کم
فقاسمته مالي مع الحسنات ... نکلے۔ میری اس مشکل کو کون آسان کر
دے گا۔ کاش وہ مجھے مل جاتا تو میں اپنا
مال اس کو بانٹ دیتا۔

يا من تغر بالدنيا وزينتها ... اے دنیا اور دنیا کی زینت پر دھوکہ کھانے
والدهر ياتي على المبني والباني ... والے یاد رکھ کہ زمانہ مکان اور مکان بنانے
ومن يك عزة الدنيا وزينتها ... والے دونوں کو برباد کردے گا جس کو دنیا
لعزة عن قيل زائل فان ... کی عزت و وجاہت پسند ہو اس کو معلوم
وا علمان كنوز الارض من ذهب ... ہونا چاہیے کہ یہ عزت جلد مٹ جانے والی
فاجعل كنوزك من بر و ايمان ... ہے یاد رکھو کہ دنیا کے خزانے تو سونے
سے بھرے جاتے ہیں۔ مگر تم اپنا خزانہ
ایمان اور نیکی سے بھرو۔

اذا رافقت في الاسفار قوماً ... جب تم سفر میں کسی کے ہمراہ جاؤ تو اپنے
فكن لهم كذي الرحم الشفيق ... ساتھیوں کے ساتھ حقیقی بھائیوں کی
يعيب النفس ذا بصر وعلم ... طرح برتاؤ کرو۔ عقلمند اور عالم اپنے
واعمى العين عيب الرفيق ... عیوب پر نظر رکھتا ہے۔ اور اپنے ساتھی کے
عیب سے چشم پوشی کرتا ہے۔

ولا تا خذ بعثرة کل قوم
ولکن تدھلم الی الطریق
فان تاخذ بعثرتھم تقلوا
وتبقیٰ فی الزمان بلا صدیق

تمہیں یہ نہ چاہیے کہ سب کی غلطیاں نمایاں کرتے رہو بلکہ ان کو صحیح راستہ پر چلانے کی کوشش کرو۔ اگر غلطیاں ظاہر کرتے رہو گے۔ تو تمہارے دوستوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ اور پھر دنیا میں تمہارا کوئی دوست نہ رہے گا۔

ترکت مطامعی وارحت نفسی
فان النفس ما طمعت تھون
واحییت القنوع وکان میتاً
وفی احیائہ عیوضی مصون
اذا طمع الم بنفس عبد
علتہ مذمۃ وعلاہ ھون

میں نے طمع کو چھوڑ کر خود کو آرام پہنچایا نفس میں جس قدر لالچ بڑھتا جاتا ہے وہ ذلیل ہوتا جاتا ہے۔ قناعت جو مردہ تھی اس کو میں نے جگایا۔ قناعت کی زندگی ہی میری عزت کی حفاظت ہے۔ جب انسان کے دل میں لالچ کا جذبہ مستقل گھر کر لیتا ہے۔ تو پھر وہ انسان روز بروز ذلیل ہی ہوتا جاتا ہے۔

اذا ماخلوت الدھر یوماً فلا تقل
خلوت ولکن قل علی رقیب
ولا تحسبن اللہ یغفل ساعۃ
ولا ان ما یخفی علیہ یغیب
غفلنا العمر اللہ حتی تدارکت
علینا ذنوب لعد ھن ذنوب
فیا لیت ان اللہ یغفر ما مضی
ویا ذن فی توبۃ تنا فنثوب

تنہائی میں تم یہ نہ سمجھو کہ میں اکیلا ہوں، واقعہ یہ ہے، کہ مجھ پر ایک نگہبان ہے۔ خدا کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہ سمجھ لینا کہ وہ تم سے غافل ہے یا ڈھکی چھپی چیزیں اس سے بھی پوشیدہ ہیں۔ خدا کی قسم ہم غفلت میں پڑے رہے بالآخر پے در پے گناہوں نے ہم پر قابو پا لیا۔ کاش اللہ ہمارے گذشتہ گناہوں کو معاف فرما کر ہماری توبہ قبول فرمالے تاکہ ہم ثواب حاصل کریں۔

اذا هبت ریاحک فاغتنمها	جب تک زمانہ کی ہوا تمہارے موافق ہو تو
فعقبیٰ کل خافقة سکون	اس کو غنیمت سمجھو، چونکہ ہر حرکت کو سکون ہے
ولا تغفل عن الاحسان فیهما	ایسے وقت میں احسان کرنے سے کبھی دریغ نہ
فلا تدری السکون متی یکون	کرنا کیا معلوم کہ اس کو سکون کب ہو جائے۔
بعمرک ما لرزیة هدم دار	تمہاری عمر کی قسم گھر کا گر جانا کوئی بڑی مصیبت
ولا شاة تموت ولا بعیر	نہیں ہے، نہ یہ کہ اونٹ اور بکری مر جائے بلکہ
ولکن الرزیة موت حر	سب سے بڑی مصیبت ایک شریف کی موت
یموت بموته خلق کثیر	ہے، جس سے ایک جہاں مردہ ہو جاتا ہے۔
اذا کنت لا تدری ولا انت بالذی	جب تم خود نہیں جانتے اور نہ جاننے والوں
تسایل من یدری فکیف اذن تدری	سے پوچھ سکتے تو پھر کس طرح سمجھ اور جان سکتے
ولو کنت تدری او تدریت لم تکن	ہو، اگر تم جانتے ہوتے یا جاننے کی کوشش کرتے
تخالف من یدری علی علم من یدری	تو پھر جان بوجھ کر جاننے والوں کی مخالفت کبھی
	نہ کرتے۔
المرأ یحظی ثم یعلوا ذکره	خوش نصیب کی بڑی بڑی تعریفیں کی جاتی
حتی یزین بالذی لم یفعل	ہیں، یہاں تک کہ اس کے متعلق وہ وہ باتیں
وتری الشقی اذا تکامل عیبه	منسوب کر دی جاتی ہیں، جو اُس نے کبھی نہ
یشقی ویخل کل ما لم یعمل	کی ہوں اور بد نصیب جب اس کا کوئی بڑا عیب
	نمایاں ہوتا ہے، تو ہر ناکردہ عیب بھی اس کی
	جانب منسوب ہو جاتا ہے۔

نظم و نثر و حکمت و معانی کے یہ چند دُر بے بہا پیش کیے گئے ہیں، آپ کے کمال اور تبحر کی کوئی حد نہیں، صاحب مشکوٰۃ نے خوب فرمایا ہے۔

وفضائله اكثر من ان تحصى كان امام الدنيا وعالم الناس شرقاً وغرباً جمع الله له من العلوم والمفاخر مالم يجمع لامام قبله ولا بعده وانتشر له من الذكر مالم ينتشر لاحد سواه

امام شافعی رحمۃ اللہ کے فضائل اور کمالات احاطۂ بیان سے باہر ہیں، وہ تمام دنیا میں بڑے عالم اور امام مشرق و مغرب ہیں، خدا نے ان کی ذات میں اس قدر علوم اور قابلِ فخر باتیں جمع فرما دی تھیں کہ ان سے پہلے یا اُن کے بعد کسی بھی امام میں اس قدر علوم اور یہ خوبیاں جمع نہیں فرمائیں اور تمام دنیا میں ان کا تذکرہ اس قدر ہوا کہ ان کے سوا اور کسی کا نہیں ہوا۔

امام شافعی شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

ونشاء الشافعی فی اوائل ظهور المذهبین مرتبا لبعض اصولها وفروعها فنظر فی ضبع الادلة فوجد فیه اموراً حجبت عنا نه عن البیان فی طریقهم وقد ذکر هافی اوائل کتاب الام منها انه وجد هم یاخذون بالمرسل والمنقطع فیدخل فیهما الخلل فانه اذا جمع طرق الحدیث یظهر انه کم من مرسل لا اصل له وکم مرسل یخالف مسنداً افترران لایأخذ بالمرسل الاعند وجود شروط وهی مذکورة فی کتاب الاصول ومنها انه لم تکن قواعد الجمع بین المختلفات مضبوطة

جب مذہب حنفی و مالکی شائع ہو چکا اور ان کے اصول و فروع مرتب ہو چکے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نشو و نما ہوا۔ انہوں نے ان متقدمین کی روش میں جب غور کیا تو ان میں بہت سے ایسے امور پائے جن کی وجہ سے وہ اُن کے طریقے کا اتباع نہ کر سکے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی ابتداء ہی میں ان کو بیان فرمایا ہے۔ منجملہ ان کے یہ امر تھا کہ متقدمین روایت مرسل اور منقطع پر بھی عمل کرتے تھے اور ایسی روایتیں خرابی سے خالی نہ تھیں۔ جب حدیث کے تمام طریقے جمع کئے جاتے تھے۔ تو یہ بات صاف صاف ظاہر ہو جاتی تھی۔ کہ اکثر مرسل حدیثیں محض بے اصل ہیں۔ اور یہ کہ وہ مسند روایتوں کے بھی خلاف تھیں اس وجہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ نے یہ اصول طے کیا کہ مرسل روایتوں پر عمل جب ہی کیا جا سکتا ہے۔

عندهم فكان يتطرق بذلك
خلل في مجتهداتهم افوضع لها
اصولا ودونها في كتاب وهذا
اول ما كان في اصول الفقه مثاله
ما بلغنا انه دخل على محمد بن
الحسن وهم يفتون على اهل المدينة
في قضائهم الشاهد الواحد مع
اليمين ويقول هذا زيادة على
كتاب الله فقال الشافعي اثبت
عندك انه لا تجوز الزيادة على
كتاب الله بخبر الواحد قال نعم
قال فلم قلت ان الوصية للوارث
لا تجوز لقوله عليه السلام الا
لا وصية لوارث وقد قال تعالى
كتب عليكم اذا حضر احدكم
الموت الآية واورد عليه
اشياء من هذا القبيل كلام محمد
بن الحسن ومنها ان بعض الاحاديث
الصحيحة لم يبلغ علماء التابعين
ممن رد اليهم الفتوى فاجتمد
وا بارائهم واتبعوا العمومات وارتقه

کہ ان کے شرائط بھی پیش نظر ہوں، کتب
اصول میں یہ تمام شرائط بیان فرمائے ہیں
دوسرا امر یہ تھا، کہ مختلف احادیث کے
متعلق متقدمین کے زمانہ میں ایسے قواعد
منضبط نہ تھے، جن میں ان میں باہمی جمع و تطبیق
ہو سکے اس لیے ان کے اجتہادی مسائل
میں اکثر خرابیاں رہا کرتی تھیں، اس ضرورت
کے پیش نظر امام شافعی نے اس قسم کی حدیثوں
کے متعلق اصول کی بنا ڈالی اور ان سب
باتوں کو ایک کتاب میں جمع کر دیا، اصول فقہ
میں سب سے پہلی تصنیف یہی کتاب ہے، اس کی
مثال یہ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد علیہ
الرحمہ کے پاس گئے، اس وقت وہ علماء مدینہ پر
اعتراض کر رہے تھے کہ وہ ایک گواہ کے
ساتھ جب قسم ہو تو فیصلہ کر دیتے ہیں، انہوں
نے کہا کہ اس سے قرآن مجید پر زیادتی ہوتی ہے
امام شافعی نے کہا کہ تمہارے نزدیک بیانات
ثابت ہو چکی کہ خبر واحد سے کتاب الٰہی پر زیادتی
جائز نہیں ہے، امام محمد نے کہا ہاں امام شافعی
رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ پھر تم کیسے قائل ہو کہ
وارث کے لیے وصیت جائز نہیں ہے اور

ابمن مفتی من الصحابة فافتوا
حسب ذالك ثم ظهرت بعد ذالك
فی الطبقه الثالثه فلم یعلموا بها
ظناً منهم انها تخالف عمل اهل
مدینتهم وسنتهم التی لا اختلاف
لهم فیها وذالك قادح فی الحدیث
وعلة مسقطة له اولم تظهر
فی الثالثه وانما ظهرت بعد ذالك
عند ما امعن اهل الحدیث فی جمیع
طرق الحدیث ورحلوا قطار الارض
وبحثوا عن حملة العلم فکثر من
الاحادیث ما لا یروبه الصحابة
الا لجل ادرجلان دلا یرد به
عنه اوعنهما الا رجل ادرجلان
وهلم جراً فخفی علی اهل الفقه
وظهر فی عصر الحفاظ الجامعین
بطرق الاحادیث کثیر من الاحادیث
رواه اهل البصرة مثلاً وسائر الاقطار فی
غفلة منه فبین الشافعی رحمة
الله علیه ان العلماء من الصحابة
والتابعین لم یزل شانهم

اس پر تم حدیث سے استدلال کرتے ہو کہ خبردار وارث
کیلیے وصیت درست نہیں ہے، حالانکہ
خدا فرماتا ہے۔ وتم پہ لازم کیا گیا ہے، کہ
موت آنے کے وقت اگر مال ہو تو والدین اور
رشتہ داروں کے لیے ان میں وصیت کرنا چاہیے
اس قسم کے اور چند اعتراضات امام شافعی
نے ان پر کیے اور امام محمد ان کا کچھ جواب نہ
دے سکے اور ایک امر یہ تھا کہ بعض بعض صحیح
صحیح روایتیں ان علمائے تابعین کو جن پر
فتوی کا مدار تھا پہنچی تھیں، اس لیے ان
کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑا۔ عام الفاظ
کا انہوں نے لحاظ کیا اور صحابہ کی انہوں
نے پیروی کی اور اسی کے مطابق ان
حضرات نے فتوی دیا، لیکن تیسرے
طبقہ میں ان احادیث کی شہرت ہوئی اور
انہوں نے یہ گمان کرکے کہ یہ احادیث ان
کے علماء مشاہیر کے عمل اور متفق علیہ طریقوں
کے مخالف ہیں ان پر عمل نہ کیا اس وجہ سے
یہ احادیث مورد طعن ہو گئیں اور نظر انداز
کر دی گئیں یا تیسرے طبقہ میں ان روایتوں
کی شہرت نہ ہوئی، لیکن محدثین نے احادیث

انهم يطلبون الحديث فى المسئلة
فاذا لم يجدوا تمسكوا بتوبع
اخو من الاستدلال ثم اذا ظهر
عليهم الحديث بعد رجعوا من
اجتهادهم الى الحديث فاذا
كان الامر كذالك لا يكون
عدم تمسكهم قدحا فيه
اللهم الا اذا بينوا العلة القادحة مثاله حديث القلتين فانه
حديث صحيح روى بطرق كثيرة
معظمها ترجع الى ابى الوليد بن
كثير عن محمد بن جعفر بن
الزبير عن عبد الله او محمد
بن عباد بن جعفر بن عبيد
الله بن عبد الله كلاهما
عن ابن عمرؓ ثم تشعبت
الطرق بعد ذالك وهذان
وان كانا من الثقات
لكنهما ليسا ممن وسد
اليهم الفتوى وعول الناس
عليهم فلم يظهر الحديث

کے تمام طریقہ ہائے اسناد کو خوب غور و فکر سے
دیکھا اور اطراف ملک میں سفر کر کے علمائے حدیث
سے ان کی تحقیق کی تو ان میں اکثر احادیث ایسی
ظاہر ہوئیں کہ صحابہ میں سے صرف ایک یا دو شخصوں
نے روایت کی تھی۔ اور ان سے بھی ایک دو راویوں
نے روایت کیا تھا۔ اس لیے اکثر فقہا کی
نظر سے وہ مخفی رہیں اور ان حفاظ حدیث کے
دور میں ان کی شہرت ہوئی جنہوں نے تمام
طریقہائے روایت کو جمع کیا تھا۔ بہت سی
احادیث ایسی تھیں مثلاً بصرہ کے علماء ان کو
روایت کرتے تھے۔ اور باقی اطراف ملک
میں لوگ ان سے ناواقف تھے ایسے وقت
میں امام شافعی رحمۃ اللہ نے ان باتوں پر غور
فرما کر فیصلہ فرمایا کہ علماء صحابہ و تابعین ہر مسئلہ
میں جو حدیث کی تلاش کرتے تھے۔ جب کوئی
روایت ان کو نہ ملتی تو پھر وہ استدلال کرتے
تھے لیکن جب کوئی حدیث ان کے استدلال
کے خلاف ملی تو انہوں نے اپنے اجتہاد و
رائے کو ترک کر دیا۔ جب ان کی یہ روش تھی تو
پھر حدیث پر عمل نہ کرنا حدیث کے لیے موجب
قدح نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں قدح جبھی ممکن

فی عصر سعید بن المسیب ولا
فی عصر الزھری ولم یمش علیه
المالکیة ولا الحنفیه فلم
یعلموا به وعمل به الشافعی
رحمة الله وکحدیث خیار
المجلس فانه حدیث صحیح روی
بطرق کثیرة وعمل به
ابن عمر وابوھریرة من
الصحابة ولم یظهر علی
الفقهاء السبعة ومعاصریهم
فلم یکونوا یقولون به فرای
مالك وابوحنیفة هذه علة
قادحة فی الحدیث وعمل به
الشافعی رحمة الله ومنها
ان اقوال الصحابة جمعت
فی عصر الشافعی رحمة الله علیه
فکثرت واختلفت وتشعبت
ورای کثیراً منها یخالف الحدیث
حیث لم یبلغهم ورای السلف
لم یزالوا یجعون فی مثل ذالك
الی الحدیث فترك العمل باقوالهم

ہے۔ جب اس روایت میں علت قادحہ بیان
کی جائے مثلاً حدیث قلیتین بالکل صحیح حدیث ہے
مختلف سلاسل روایت سے اس کا ثبوت ہے۔
ان سب میں بڑا سلسلۂ روایت یہ ہے، جس کی
سند ابوالولید ابن کثیر پر منتہی ہوتی ہے، انہوں
نے اس کو محمد بن جعفر بن زبیر سے روایت کیا
ہے اور ابن جعفر نے عبداللہ یا محمد بن عباد
بن جعفر سے بروایت عبیداللہ بن عبداللہ
بن عمرؓ روایت کی ہے اور اس کے بعد متعدد
روایت ہو گئے، یہ دونوں راوی اگرچہ ثقہ ہیں
لیکن ان پر فتوے کا مدار نہ تھا۔ اس لیے یہ
روایت سعید بن مسیب اور امام زہری کے
زمانہ میں مشہور نہ ہو سکی اسی واسطے مالکیہ وحنفیہ
نے اس پر عمل نہ کیا، لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ
نے اس پر عمل کیا — اور اسی طرح خیار مجلس
کی صحیح حدیث ہے، جو متعدد طریقوں سے
مروی ہے، ابوہریرہ وابن عمرؓ نے اس پر
عمل نہیں کیا امام شافعی رحمۃ اللہ نے اس پر
عمل نہیں کیا اور ایک سبب یہ تھا کہ صحابہ
کرام کے سب اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ کے
زمانہ میں جمع کیے گیے تھے، ان کے اقوال کی

مالم یتفقوا وقال هم رجال و
نحن رجال، ومنها انه رای
قوما من الفقهاء یخلطون الرای
الذی لیس وغه الشرع بالقیاس
الذی اثبته فلا یمیزون
واخذا منها من الاخر ویسمونه
تارتا بالاحسان واعنی بالرای
ان ینصب مظنته حرج او
مصلحة علة الحکم وانما
القیاس ان تخرج العلة من
الحکم المنصوص ویدار
علیها الحکم فابطل هذا
النوع اشد ابطال وقال من
استحسن فانه اراد ان یکون
شارعا حکاه ابن الحاجب
فی مختصر الاصول مثاله رشد الیتیم
امر خفی فاقاموا مظنته الرشد
وهو بلوغ خمس وعشرین سنة
مقامه وقالوا اذا بلغ الیتیم
هذا العمر سلم الیه ماله وقالوا
هذا استحسان والقیاس ان لا یسلم

کثرت پر اور ان کے باہمی اختلاف پر جب
امام صاحب نے توجہ کی تو آپ نے واضح کیا کہ
صحابہ کے جو اقوال صحیح حدیث کے خلاف
ہیں۔ وہ اس لیے ہیں۔ کہ ان کو یہ روایت نہیں
پہنچی اس لیے حدیث پر عمل کیا جائے اور جن
مسائل میں صحابہ متفق نہ تھے۔ تو امام صاحب
نے یہ طے کیا کہ وہ بھی آدمی تھے۔ اور ہم بھی
آدمی ہیں۔ اور ایک یہ تھا کہ امام شافعی نے
فقہا کی ایک جماعت کو دیکھا کہ وہ اس قیاس
میں جس کو شرع نے روا رکھا ہے، ایسی روایتیں
مخلوط کر دیتے ہیں۔ جن کی شرع کے نظر میں
وقعت نہیں ہو سکتی۔ وہ فقہا اس قیاس ورائے
میں کچھ فرق نہیں کرتے اور اپنی ایسی رائے
کا نام "استحسان" رکھتے ہیں۔ رائے سے یہ
مراد ہے کہ کسی موقع پر حرج یا مصلحت کو
حکم کی علت قرار دیں اور قیاس کے یہ معنی
ہیں۔ کہ حکم منصوص سے کوئی علت نکالی
جائے اور حکم کا مدار علیہ قرار دیا جائے۔ اس لیے
اس رائے کو امام شافعی رحمۃ اللہ نے بڑی خوبی
سے باطل کیا اور کہا جو استحسان کا مجوز ہے۔ وہ
شارع بننا چاہتا ہے۔ ابن حاجب نے

اليه وبا لجمله لما رأى الشافعي
في ضيع الاوائل مثل ها ؛ الامور
اخذ الفقه من الراس فاسس
الاصول وفرع الفروع وصنف الكتب
ناجاد واد افاد واد اجتمع عليه
الفقهاء ولقبوه اختصاراً وشرحاً
وامتدالا لا رتحو محاً لم تر قوا
في البلدان فكان هذا ها
هبًا للشافعي رحمة الله عليه
والله اعلم

مختصر الاصول میں اس کو نقل کیا ہے۔ اس کی مثال
یہ ہے کہ یتیم کا زمانہ رشد تک پہنچنا ایک امر مخفی
ہے۔ اس لیے فقہا نے اپنی رائے سے ۲۵ سال
زمانہ رشد کے لیے قرار دیا ہے اور کہا کہ جب
یتیم ۲۵ سال کا ہو جائے تو اس کا مال اس کو
دے دینا چاہیئے۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ
"استحسان" ہے۔ حالانکہ مقتضائے قیاس
نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب امام شافعی رحمۃ اللہ
نے متقدمین کی ایسی حالت دیکھی تو آپ نے
فقہ کو از سر نو مرتب کیا۔ اس کے اصول و فروع
مرتب فرمائے نہایت ذہانت و دانشمندی و
حسن و تدبر سے کتابیں تصنیف فرمائیں تمام فقہا
ان کی خدمت میں جمع ہوئے۔ ان کتابوں کا
اختصار کیا ان پر شرحیں لکھیں ان کے دلائل
بیان کیے مسائل کا استخراج کیا۔ اور پھر تمام
شہروں میں پھیل گیے اور مذہب شافعی اس
طریقہ کا نام ہو گیا۔

حجۃ اللہ البالغہ مصری جلد ۱ صفحہ ۱۵۴

امام شافعی کے دو باکمال شاگرد

امام بیہقی اور ابن حجر کا اجمالی تذکرہ

بطور تتمہ کے حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ کا تذکرہ پیش ہے۔

یوں تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر بیشتر محدثین عامل ہیں۔ مگر ان میں ممتاز یہ دو ہستیاں ایسی ہیں جنہوں نے حضرت امام کی فقہ اور آپ کے اصول کو دنیا میں متعارف کرایا۔ ایک امام بیہقی دوسرے حافظ ابن حجر عسقلانی اس لئے مجملاً ان دونوں کا تذکرہ ضروری ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ

احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ الحافظ ابوبکر البیہقی النیساری الخسروجردی ۳۸۴ھ میں پیدا ہوئے امام حاکم کے ممتاز شاگردوں سے ہیں۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں۔ سنن کبریٰ دس جلدوں میں جو طبع ہو چکی ہے۔ حدیث و معرفت آثار صحابہ میں یہ بے مثل کتاب ہے۔ کتاب اسماء و صفات باری تعالیٰ یہ طبع ہو چکی ہے۔ بے مثل ہے۔ کتاب الاعتقاد۔ کتاب دلائل النبوۃ۔ کتاب شعب الایمان۔ مناقب امام احمد احکام القرآن امام شافعی و دعوات صغیر کتاب البعث والنشور، کتاب الزہد الکبیر اور متعدد تصانیف ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ فرماتے۔ امام بیہقی اپنے زمانہ کے حافظ حدیث اور سب سے ممتاز تھے۔ امام الحرمین فرماتے ہیں۔ دنیا میں کوئی شافعی نہیں ہے کہ جس کی گردن پر امام شافعی کا احسان نہ ہو۔ بجز بیہقی کے ان کا احسان امام شافعی پر ہے۔ انہوں نے آپ کے مذہب کی نصرت و حمایت میں تمام احادیث و آثار صحابہ کو

جمع کر دیا۔ امام سبکی فرماتے ہیں۔ کہ یعمر بن محمد نے امام شافعی کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجلس جامع میں ایک تخت پر رونق افروز ہیں اور فرما رہے ہیں۔ کہ آج میں نے بیہقی کی کتابوں سے استفادہ کیا ابوبکر بن محمد مروزی فرماتے ہیں۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی صندوق آسمان پر چلا جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ بیہقی کی تصانیف ہیں۔ جو مقبول بارگاہ خداوندی ہو چکی ہیں۔ امام بیہقی نے بجز ایام منوعہ کے کامل ۳۰ برس تک روزہ رکھا۔ ۴۵۸ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ احمد بن علی بن محمد بن محمود حجر کنانی العسقلانی ثم المصری الشافعی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ وحافظ سیوطی فرماتے ہیں۔ آپ کے والد کے یہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا مر جاتا تھا۔ شیخ ضعانیری جو اس دور کے اولیاء کرام میں سے تھے۔ ان سے آپ کے والد نے دعا کے لیے کہا۔ انہوں نے فرمایا۔ اب جو لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ ایسا عالم محدث اور باکمال ہوگا۔ جس کے علم سے دنیا قیامت تک مستفیض رہے گی۔ آپ ۲۳۔ شعبان ۷۷۳ھ میں پیدا ہوئے۔ سن شعور کو پہنچنے پر آپ نے تمام ممالک اسلامی کا سفر کیا اور حافظ الحدیث امام زین الدین عراقی کی خدمت میں کامل دس برس رہ کر حدیث، اصول حدیث علل حدیث اسماء الرجال کو سیکھا۔ آپ کی تصانیف ۱۵۰ سے زیادہ ہیں۔ خوبی یہ ہے۔ کہ جو چھپی مقبول عام ہوگئی ہر مسلک کے لوگ آپ کی تصانیف کے محتاج ہیں۔ مصر و ہندوستان میں تقریباً ۵۰ تصانیف آپ کی چھپ چکی ہیں۔ مختصر فہرست یہ ہے۔

۱۔ بلوغ المرام
۲ نخبۃ الفکر
۳۔ توالی التاسیس
۴۔ فتح الباری شرح بخاری ۱۴ جلد

۵۔ تہذیب التہذیب ۱۲ جلد۔
۶۔ لسان المیزان ۶ جلد۔
۷۔ اصابہ فی معرفۃ الصحابہ
۸۔ درر الکامنہ
۹۔ تلخیص الجبیر
۱۰۔ نصب الرایہ فی تخریج
۱۱۔ احادیث الہدایہ
۱۲۔ قول مسدد
۱۳۔ طبقات المدلسین وغیرہم۔

شب شنبہ ۲۸ ذی حجہ ۸۵۲ھ ۷۹ سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ میں ایک لاکھ انسانوں کا ہجوم تھا۔ آپ کے جنازہ کا کاندھا بادشاہ مصر نے گھر سے قبرستان تک دیا۔ تمام امراء علماء اور عوام وخواص زار وقطار روتے تھے۔ جب آپ کا جنازہ جارہا تھا تو خلاف موسم ہلکا ہلکا ترشح ہوتا جارہا تھا۔ جزولی کے مزار کے پاس قبل زوال آفتاب آپ کو دفن کیا گیا۔ حقیقتاً حافظ صاحب کی تصانیف تمام مذاہب کے لئے عموماً اور شافعیوں کے لیے خصوصاً مشعل ہدایت و رشد وصلاح وفلاح ہیں۔

وفات حسرت آیات

امام شافعی رحمۃ اللہ کو بواسیر کی شکایت رہتی تھی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔

کان علیلا شدید العلة وربّما حرج الدم وهو راکب حتی تمیلی سواریه وخضل لفی من البواسیر

آپ کو بواسیر کی سخت شکایت تھی، اکثر سواری کی حالت میں خون جاری ہو جاتا تو آپ کے پائجامہ سے بہہ کر موزوں تک پہنچ جاتا۔

مختلف روائتیں

اس مرض کے علاوہ بالعموم جو واقعہ مشہور ہے، وہ یہ ہے کہ فتیان بن ابی السمح مالکی مصری سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ فتیان نے خلاف تہذیب گفتگو شروع کی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی، امیر مصر نے فیصلہ کیا اور فتیان کو سزا دے دی۔ فتیان موقع کی تاک میں تھا۔ ایک روز اندھیری رات میں موقع پاکر آپ کے سر پر ایسا گرز مارا جس کی وجہ سے سر پھٹ گیا۔ اُدھر آپ بواسیر کی وجہ سے بے حد کمزور تھے۔ مرض الموت شروع ہو گیا۔ دوسری طرف اشہب بن عبدالعزیز فقیہ مالکیہ کا مستقل کام یہ تھا کہ وہ آپ کے لیے بد دعا کرتا رہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کہتے ہیں، میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ میں نے خود دیکھا ہے۔ کہ اشہب سجدہ میں پڑا ہوا یہ دعا کر رہا ہے اے خدا شافعی کو اٹھا لے ورنہ مالکی فقہ سب مٹ جائے گی۔ اس پر آپ نے فرمایا۔

تمار جال ان اسوات فان امت فتلک سبیل لست فیها

بہت سے لوگ میرے مرنے کی آرزو کر رہے ہیں۔ میں اگر مر ہی گیا تو بھلا موت سے اور

یا وحد و قد علموا لو ینفع	کون بچ سکتا ہے۔ اگر علم سے اس کو سمجھ حاصل
العلم عندھم لئن مت	ہوئی تو وہ اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ میں مرجی گیا
ما الداعی علیّ بمخطل	تو میرے لیے جو بد دعا کرتا ہے، وہ ہمیشہ کب
	رہنے والا ہے۔

مرض الموت

چنانچہ یہ بھی منقول ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کی وفات کے اٹھارہ دن بعد اشہب کا بھی انتقال ہو گیا۔

۳۰۔ رجب یوم پنجشنبہ ۲۰۴ھ کو عصر کے وقت آپ کی طبیعت زیادہ بگڑ گئی امام مزنی اس وقت پاس بیٹھے تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔

کیف اصبحت یا استاد الاستاذین	اے استادوں کے استاد کیسا مزاج ہے۔

فرمانے لگے:

اصبحت من الدنیا راحلاً وللاخوان مفارقا ولسوء افعالی ملاقیا د	آج میں دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں اور اپنے بھائیوں سے جدا ہونے والا ہوں۔ اور اپنے بُرے اعمال کی سزا پانے والا
علی اللہ وارداً ولکاس المنیۃ شاربا ولا واللہ لا ادری ان روحی یصیر الی الجنۃ فاھنیھا او الی النار فاعزیھا۔	ہوں۔ خدا کی بارگاہ میں پیش ہونے والا ہوں اور خدا کی قسم مجھے یہ خبر نہیں ہے۔ کہ آیا میری روح جنت میں جائے گی۔ اور میں اسے مبارکباد دوں گا۔ یا دوزخ میں جائے گی جہاں مجھے اس کی تعزیت کرنی پڑے گی۔

نزع کی کیفیت

اس کے بعد آپ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر لیٹے تھے کہ نزع شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا۔ سنو مصر میں جو مشہور عابد ادریس ہیں۔ ان سے جا کر کہہ دو کہ میری مغفرت

کی دعا کریں۔ پھر آپ نے بالحاح وزاری عرض کرنا شروع کرنا۔

الیک الٰہ الخلق ارفع رغبتی وان
کنت یا ذا المن والجود مجرما و
لما قسی قلبی وضاقت مذاھبی
جعلت الرجا منی لِعفوکَ سُلَّما
وما زلت ذا عفو عن الذنب لم تزل
ولولاک ما یقوی بابلیس عابد
فکیف وقد اغوی صفیک آدما
فان تعف عنی تعف عن متحرم
ظلوم عشوم لا یزال مأثما وان
تنتقم منی فلست بآئس ولو دخلت
نفسی بجرمی جھنما فجرمی عظیم من
قدیم وحادثات وعفوک یا
فاعف عن واجمالا تفاصیل ذنبی
فلم تاقرنته بعفوک ربی کان
عفوک اعظما۔

اے رحم وکرم فرمانے والے میں اگرچہ گناہگار ہوں لیکن تیری بارگاہ میں بھیک مانگنے حاضر ہوا ہوں جب میرا دل سخت ہوگیا اور میرے سب راستے بند ہوگئے تو میں نے اپنی اُمید کو تیرے آستانہ کرم تک پہنچنے کا زینہ بنایا۔ تو نے لغزشوں اور گناہوں کو ہمیشہ ہی معاف فرمایا ہے اور تو اپنے کرم وانعام سے ہمیشہ درگذر فرماتا رہے گا۔ اگر تیرا کرم شریک حال نہ ہوتا تو کوئی عابد ومتقی شیطان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکتا اور کیونکر ٹھہرتا جبکہ اُس نے تیرے مکرمت فرمودہ آدم علیہ السلام تک کو بہکا دیا۔ الٰہی اگر تو میری لغزشیں معاف فرمادے تو تو ایک بڑے سرکش ظالم ونافرمان کو معاف فرمائے گا۔ جو رات دن گناہ کرتا رہتا ہے اگر تو انتقام لے پھر بھی میں تجھ سے ناامید نہیں ہو سکتا۔ خواہ میں اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم میں ہی کیوں نہ داخل کیا جاؤں میری خطائیں شروع سے آخر تک بہت بڑی ہیں۔ لیکن اے غفور الرحیم تیرا کرم وبخشش تو ان سے کہیں زیادہ ہے میں نے اپنے گناہوں کو بڑا

سمجھ رکھا تھا۔ مگر جب تیرے کرم و بخشش سے مقابلہ کیا تو اے میرے رب تیرا کرم ہی بہت بڑا ہے۔

وفات پھر عشاء کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر رب بے نیاز کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعا مانگی۔ دعا سے فارغ ہو کر لیٹنے ہی تھے کہ روح مبارک قفس عنصری سے آزاد ہو کر خلد بریں پہنچ گئی۔

تجہیز و تکفین انتقال کے بعد امام مزنی نے آپ کو غسل دیا۔ جنازہ شب جمعہ ہی کو تیار کر لیا گیا تھا۔ لیکن اتنے بڑے عظیم المرتبت و امام الائمہ کی موت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس لیے جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ سب سے پہلے آپ کے جنازہ پر حضرت سیدہ نفیسہ بنت حسن بن زید بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ[1] نے پڑھی۔ ازاں بعد ساری خلقت کا ہجوم تھا۔ عصر سے پہلے نماز سے فارغ ہو کر

---

[1] آپ حضرت ابو محمد حسن بن زید حسن بن علی کرم اللہ وجہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادے اسحٰق سے ہوا تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب تعلیم سے فارغ ہو کر مصر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ سے حدیث کا استفادہ کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ حضرت سیدہ نفیسہ کا انتقال رمضان ۲۰۸ھ میں ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے شوہر حضرات اسحٰق بن جعفر علیہ السلام کا ارادہ ہوا کہ آپ کی نعش مدینہ منورہ لے جائیں اور وہیں دفن کریں۔ مصر والوں نے استدعا کی کہ یہیں اس مقدس ہستی کو رہنے دیجئے۔ رات کو خواب میں حضور علیہ السلام کو دیکھا آپ نے بھی یہی ہدایت فرمائی کہ نفیسہ کو یہیں رہنے دو۔ نفیسہ اہل مصر کے لیے باعث رحمت ہے (مشارق الانوار) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے سیدہ نفیسہ کی تقریباً ڈیڑھ سو کرامتیں بیان فرمائی ہیں۔ علامہ ابن خلکان نے تصریح فرمائی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آپ کو قاہرہ کے باہر کے قبرستان قرافۃ الصغریٰ میں جو جبل مقطم کے پاس ہے دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار مبارک آج تک زیارتگاہِ خلائق ہے اور روزانہ صبح سے شام تک کئی ہزار آدمی حاضر ہو کر ایصال ثواب کرتا رہتا ہے۔

وقبرھا معروف باجابۃ الدعوات عندہ وھو مجرب رضی اللہ عنھما

یعنی آپ کی قبر کے نزدیک اگر خدا سے دعا کی جائے تو ایسی دعا کے مقبول ہونے کی شہرت عام ہے اور اس کا تجربہ کیا گیا ہے۔

وفات کے بعد مبشرات

۱۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ آپ سے پوچھا۔ فرمایئے خدا نے کیا کیا۔ فرمایا۔ مجھے اپنے کرم سے بخش دیا اور میرے سر پہ تاج رکھا۔ میرا نکاح بھی کرا دیا۔ اور پھر یہ ارشاد فرمایا شافعی۔ تجھ پہ ہمارا کرم اس لیے ہے۔ کہ تو نے کبھی تکبر نہ کیا اور نہ بے شمار انعامات الٰہی پہ نخوت کا مظاہرہ کیا۔ (ابن عساکر)

۲۔ ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں۔ میں نے امام شافعی علیہ الرحمۃ کو خواب میں دیکھا عرض کیا، فرمایئے کیا ہوا۔ جواب دیا۔ ربیع خدا نے مجھے اپنے انعام سے بخش دیا سونے کی کرسی پہ بٹھا کر فرشتوں سے مجھ پر موتی نثار کرائے۔ ابن عساکر۔

۳۔ محمد بن مسلم کہتے ہیں۔ کہ جب امام ابوزرعہ کا انتقال ہوا۔ تو میں نے خواب میں ان کو دیکھا پوچھا۔ کہئے خدا نے آپ کے ساتھ کیا کیا۔ فرمایا کہ ابوعبداللہ اور ابوعبداللہ اور ابوعبداللہ کے ساتھ رکھو۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں۔ کہا پہلے ابوعبداللہ امام مالک دوسرے ابوعبداللہ امام شافعی۔ تیسرے ابوعبداللہ امام احمد بن حنبلؒ توالی التاسیس

۴۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ نے عثمان رحمۃ اللہ سے روایت کی ہے۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی اور حشر برپا ہے۔ عرش کے نیچے سے ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ ابوعبداللہ اور ابوعبداللہ اور ابوعبداللہ اور ابوعبداللہ کو جنت میں داخل کرو۔ میں نے ایک فرشتہ سے جو میرے پہلو میں کھڑا تھا پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ اس نے کہا۔ امام مالک۔ امام سفیان ثوری۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

مرثیے! آپ کی وفات پر تقریباً ستر (۷۰) افراد نے مرثیے کہے ہیں، مشہور و ممتاز نحوی ابن درید کا مرثیہ بے حد مشہور ہے، جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

الم تر آثار ابن ادریس بعدہ دلائلھا فی المشکلات لوامع	کیا تم نے محمد بن ادریس کے وفات کے بعد ان کی نشانیاں نہیں دیکھیں ان کی دلیلیں مشکل سے مشکل مسئلوں کے حل میں چمک رہی ہیں۔
معالم لیفنی الدھر وھی خوالد وتنخفض الاعلام وھی روافع	یہ ان کی ایسی یادگاریں ہیں، کہ دنیا کے فنا ہونے تک ہمیشہ باقی رہیں گی، جھنڈے سرنگوں ہوجائیں گے اور بلند رہیں گی۔
مناھج فیھا للھدی متصرف موارد فیھا للرشاد شوارع	وہ ایسے راستے ہیں، جن پر ہدایت کی حکمرانی ہے، اور ایسی گھاٹی ہے، جس میں راست روی ہی کارآمد ہے۔
ظواھر احکم ومستنبطاتھا لما حکم التفریق منہ جوامع	ان کے احکام ظاہر ہیں، اور ان کے استنباط جامع ہیں۔

امام احمد بن حنبل رح

ولادت ۱۶۴ھ

وفات ۲۴۱ھ

خصوصیات

- فقیہ، محدث، مجاہد
- زاہد، مرتاض، عامل سنت نبوی۔
- "خلق قرآن" کا جب فتنہ اٹھا، تو دودمان عباسیہ کے سب سے بڑے جابر اور خود پرست خلیفہ معتصم سے ٹکر لی، بربہر دربار کوڑے کھائے۔ جیل میں رہے اذیتیں برداشت کیں، لیکن حرف شکایت زبان پر نہ لائے
- مسند ابن حنبل۔ حدیث کی مانی ہوئی کتاب ہے۔
- عرب کے بعض خطوں میں حنبلی مذہب رائج ہے، حکومت سعودی عربیہ کا سرکاری مذہب یہی ہے۔

ولادت و طفولیت، نسب اور خاندان

شیخ الاسلام امام المسلمین، قدوۃ المتقین ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن اسد بن ادریس بن عبداللہ حیمان بن عبداللہ بن انس بن اسد بن عوف بن قاسط بن مازن بن مذیل بن شیبان بن ذہل بن ثعلبہ بن عکابہ بن مصعب بن علی بکر بن وائل بن قاسط بن ہنب بن قصی بن دعمی بن حزیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بن اُدد بن ہمیع بن ثابت بن قیدار بن اسمعیل بن ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم اجمعین الشیبانی المزوری ثم البغدادی۔

امام ابوبکر بیہقی نے اپنے اُستاد ابوعبداللہ حاکم کی روایت سے امام احمد بن حنبلؒ کی سوانح عمری لکھی ہے۔ اس میں آپ کے نسب کا اسی طرح ذکر کیا ہے۔ امام احمد کے صاحبزادے "صالح" سے روایت ہے، کہ میرے والد نے اپنا یہ نسب میرے ایک سفینہ میں لکھا ہوا دیکھا تھا۔ تو صرف اتنا فرمایا یہ سب کیا لکھ رکھا ہے۔ لیکن اس کی صحت سے انکار نہیں کیا[1]

ابن خلکان کی تحقیق

یہ نسب نامہ تو بیہقی نے نقل کیا ہے۔ لیکن ابن خلکان آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح نقل کرتے ہیں۔

الامام ابوعبداللہ احمد بن محمد حنبل بن اسد بن ادریس بن عبداللہ بن حیان بن عبداللہ بن انس، بن عوف بن قاسط بن ہنب بن افصی بن دعمی بن حدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار بن سعد بن عدنان فرماتے ہیں۔

---

[1] معجم المصنفین

وروایت فی نسبہ اختلافاً وھذا اضح لطرق التی وجدتھا

یعنی حضرت امام کے نسب نامہ میں اختلاف ہے۔ لیکن میں نے سب سے صحیح طریقہ سے منقول کیا ہے[1]۔ اور یقیناً تہذیب الاسماء واللغات امام نووی اور طبقات الشافعیہ تقی الدین سبکی اور دیگر کتب کے اختلاف پر نظر کرنے کے بعد ابن خلکان کی تصحیح پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ حضرت امام کے والد فوج کے ایک سپاہی تھے۔ اور عباسی دعوت کے ایک رکن عظیم آپ نے جوانی ہی میں انتقال کیا[2]۔ امام رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے۔ کہ آپ کے والد بغداد اس وقت تشریف لائے۔ جب آپ بطنِ مادر میں تھے۔ اور بغداد میں ربیع الاول ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور بعض کا خیال ہے۔ کہ آپ کے والد ماجد جب مرو سے چلے تھے۔ اس وقت آپ پیدا ہوئے، پھر بغداد میں پرورش پائی، صحیح کچھ بھی ہو۔ لیکن دو ہی سال کے تھے، کہ والد نے انتقال کیا، آپ کی پوری نگہداشت والدہ نے کی[3] اور ابتدائی تعلیم بغداد میں ہوئی۔

---

[1] ابن خلکان صفحہ ۱، جلد ۲۱ [2] تذکرۃ الحفاظ ذہبی ذکر احمد بن حنبل ۳۰۰ [3] ابن خلکان ۱۲

شوقِ علم، تحصیلِ علم، ذوقِ علم

امام احمد نے پندرہ یا سولہ[1] برس کے سن میں ۱۷۹ھ میں حدیث کی سماعت شروع کی اور امام ابو یوسف کے حلقۂ درس میں زانوئے تلمذ تہ کیا، پھر دیگر محدثین سے استفادہ کیا، ۱۸۰ھ میں پہلا حج کیا، پھر دوسرا حج ۱۹۱ھ میں کیا اسی سنہ میں ولید بن مسلم نے بھی حج کیا تھا۔ پھر ۱۹۶ھ میں ایک اور حج کیا اور ۱۹۸ھ تک وہاں مقیم رہے۔ پھر ۱۹۰ھ میں ایک حج کیا اور اس کے بعد ۱۹۶ھ میں یمن جاکر عبد الرزاق محدث صاحب "مصنف" سے حدیثیں سنیں، اس درس میں ان کے ساتھ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین و امام اہل المشرق اسحٰق بن راہویہ وغیرہ بھی تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ میں نے پانچ حج کیے جن میں تین پیدل تھے[2] اور ان میں سے ہر ایک میں صرف بیس درہم خرچ کیے[3] فرماتے ہیں، عجیب اتفاق ہے، کہ ایک حج میں جبکہ پیدل چل رہا تھا، راستہ بھول گیا، میں نے حدیث کا وہ ٹکڑا یا عباد اللہ دلونا علی الطریق پڑھنا شروع کیا اسی درمیان میں راستہ پالیا۔

پھر آپ کوفہ تشریف لے گئے۔ اور ایک گھر میں اس عسرت کے ساتھ قیام پذیر ہوئے کہ سر کے نیچے بجائے تکیہ کے ایک اینٹ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں بے حد متمنی تھا۔ کہ کاش میرے پاس دس درہم بھی ہوتے تو میں جریر بن عبد الحمید کے ہاں تحصیل علم کے لیے "رے" جاتا میں دیکھتا تھا کہ میرے ساتھی "رے"

---

[1] یہ روایت مقریزی کی ہے ۱۲ [2] ابو نعیم ۱۲ [3] ابن خلکان

جارہے ہیں۔ لیکن بے زری کے سبب خود نہ جا سکا۔

امام احمدؒ کی اس تنگ حالی کا واقعہ ابن ابی حاتم اپنے والد حرملہ سے بیان کرتے ہیں۔ کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ احمد بن حنبل نے مجھ سے مصر آنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن نہ معلوم کیوں نہیں آئے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ اس کی وجہ امام کی بے زری ہی ہو گی۔ بایں ہمہ امام احمد سارے اسلامی ممالک میں گھومے اور مشائخ عصر سے حدیثیں حاصل کیں۔ امام کی درخشاں طالعی اور نور علم کے سبب ان کے سارے شیوخ ان کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے۔

امام احمد اور امام شافعی

امام ابوبکر بیہقی نے جہاں امام احمدؒ کے شیوخ کا تذکرہ کیا ہے، وہاں خصوصیت کے ساتھ شافعی کا ذکر کیا ہے۔ امام احمد نے اپنی مسند وغیرہ میں زیادہ روائتیں امام شافعی کی درج کی ہیں۔ چنانچہ امام احمد کی وفات کے بعد ان کے متروکہ اموال میں امام شافعی کے جدید و قدیم دونوں قسم کی کتابیں ملیں امام ابوبکر نے وہ سب حدیثیں جنہیں امام احمد نے شافعی سے روایت کیا ہے۔ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ امام احمدؒ کے فضل کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے۔ کہ امام شافعی جو ان کے استاد اکمل ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ جب بغداد میں اپنی دوسری آمد کے موقع پر امام احمدؒ سے ملے (یہ واقعہ ۱۹۹ھ کے بعد کا ہے) جب امام احمدؒ کا سن تیس سال کا تھا۔ تو فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی صحیح حدیث حجاز، شام، عراق کہیں کی بھی ہو۔ مجھے اس سے مطلع کرو۔ تاکہ میں اس پر عمل کروں میں حجازی فقہا کی طرح نہیں ہوں۔ جو اپنے شہر کے سوا دیگر بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی حدیثوں کو غیر مصدق سمجھتے ہیں۔ اور ان کو لا نصدق ولا نکذب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مجھے تو جس شہر کی بھی حدیث مل جاتی ہے اس پر عمل کرتا ہوں۔

امام شافعی اعلم اھل الارض فی زمانہ ہونے کے باوجود حدیث کی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے ہیں[1]۔ اس کی تصریح ایک دوسری جگہ بھی اس طرح ملتی ہے، کہ آپؒ نے امام احمدؒ کو انتم اعلم بامور الحدیث فرمایا ہے۔

---

[1] ملتقط از معجم المصنفین ۱۲۔ [2] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۴۸ جلد ۱۲۔

امام احمد بن حنبل کے اساتذہ

آپ کے اساتذہ میں بشر بن المفضل، اسمٰعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ جریر بن عبدالحمید، یحییٰ بن سعید بن القطان ابوداؤد، الطیالسی، عبداللہ بن نمیر، عبدالرزاق علی بن عیاش الحمصی، شافعی غندر، معتمر بن سلیمان، وکیع بن الجراح اور ان کے علاوہ اور شیوخ حدیث شامل ہیں۔ نیز آپ سے روایت کرنے والوں میں امام بخاری مسلم ابوداؤد، اسود بن عامر، شاذان عبدالرحمٰن بن مہدی، شافعی اور وکیع یحییٰ بن آدم یزید بن ہارون بھی ہیں۔ (انھوں نے اپنا سرمایہ دے کر آپ کا سرمایہ حدیث لیا ہے) قتیبہ داؤد بن عمر خلقت بن ہشام (یہ لوگ سن میں آپ سے بڑے تھے۔ احمد بن ابی الحور، یحییٰ بن معین علی المدینی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، رحین ابوقدامہ السرخی محمد ابن رافع، محمد بن یحییٰ بن ابی ثمینہ (یہ لوگ آپ کے معاصرین میں تھے۔ اور آپ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور صالح آپ کے اصلی فرزند ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی فرزند بھی تھے[1] یعنی صحیح جانشین علم و کمال۔!

---

[1] تہذیب التہذیب لابن حجر صفحہ ۷۳، ۱۲۔

امام صاحب کے شاگرد اور تلامذہ

وہ حضرات جو خصوصیت سے آپ کے تلامذہ اور حامل اجتہادات ہیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

ابوبکر الاثرم، حرب الکرمانی، بقی بن مخلد، حنبل بن اسحٰق، شاہین بن السمیدع میمونی وغیرہ اور پھر سب کے بعد ابوالقاسم البغوی، ان حضرات کو امام احمدؒ کے ساتھ ایسی ہی نسبت ہے۔ جیسے امام اعظمؒ کے ساتھ ابویوسف محمد بن الحسن اور زفر رحمہم اللہ کو۔ اور امام مالک کے ساتھ قاسم یحییٰ بن یحییٰ المصودی سحنون وغیرہ کو اور امام شافعی کے ساتھ مزنی، بویطی وغیرہ کو، لیکن حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام احمدؒ کے شیوخ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے۔ ہشیم ابراہیم بن سعد، عبادہ بن عباد یحییٰ بن زائدۃ وغیرہ[1]

طبقات حنابلہ کی ایک مستند کتاب طبقات ابن ابی یعلی الموصلی میں امام احمدؒ کے حالات کے ضمن میں ان کے مسترشدین و تلامذہ کے یہ اسماء بھی دیئے ہیں۔ اور یہ تہذیب التہذیب لابن حجر اور تذکرۃ الحفاظ للذہبی کے علاوہ ہیں۔

اسحٰق بن منصور الکوسج المزوری (امام کے بھتیجے) ابوداؤد سجستانی، ابواسحٰق، ابراہیم الحربی، ابوبکر المزوری، عبدالملک المیمونی، مہنی الشامی، حرب الکرمانی، ابوزرعہ وابوحاتم الرازیان، ابوزرعہ الدمشقی، مثنیٰ بن جامع الانباری، ابوطالب السکائی، احسن بن ثواب ابن شمیس، ابن، بدینا الموصلی، احمد بن القاسم، قاضی "رے" احمد بن اثرم المزنی، علی بن سعید النسوی، ابولصقر البرازطی۔ بغوی (غالباً یہ وہی ہیں جن کا

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ذکر احمد بن حنبل ۱۲۔

تذکرہ تہذیب التہذیب میں بھی کیا ہے، شالنجی، عبدالرحمٰن المستیب احمد بن المحسن الترمذی احمد بن ابوعبیدہ احمد بن نصر الحفاف، احمد بن واصل المقری، احمد بن ہشام الانطاکی، احمد بن یحییٰ الحلوانی، احمد بن محمد الصائغ، احمد بن محمد صدقہ امامؒ کی فقہ اور اجتہادات کے اخذ کرنے والے ایک سو بیس[۱۲۰] سے زیادہ ہیں، اور یہی حضرات ہیں۔ جنہوں نے حضرت امام کی فقہ اور ان کے علمی اجتہادات و نکات کو لے کر سارے عالم میں پھیلایا، آج اگر یہ نہ ہوتے تو امام کا علم ان کے سینے میں رہ کر ان کی قبر میں مدفون ہوتا۔[۲]

---

[۱] طبقات ابن ابی العلی المصلی ذکر احمد بن حنبل یہ کتاب محسن قوم خدا بخش خان صاحب مرحوم کی مشرقی لائبریری پٹنہ میں قلمی موجود ہے۔

زہد و تقویٰ، نیکی اور پارسائی اسلامیت اور للہیت

بیہقی نے مزنی کے واسطے سے امام شافعی سے روایت کی ہے۔ کہ امام شافعی نے ایک مرتبہ ہارون الرشید سے تذکرہ کیا کہ یمن میں ایک قاضی کی ضرورت ہے۔ ہارون نے جواباً کہا۔ آپ سے بہتر انتخاب اس کے لیے کون کر سکتا ہے امام شافعی نے کہا اچھا میں اس کا سامان کرتا ہوں۔ آپ نے اس کا تذکرہ امام احمد سے کیا اور فرمایا کہ میں آپ کے سوا اس کام کے لیے کسی کو پسند نہیں کرتا۔ یہ وہ زمانہ ہے۔ کہ جب امام احمدؒ ایک طالب الحدیث کی حیثیت میں آپ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ امام احمدؒ نے سختی کے ساتھ انکار کیا اور فرمایا میں آپ کے ہاں علم حاصل کرنے آتا ہوں، اس لیے نہیں آتا کہ آپ مجھے قضا کا منصب تفویض کریں۔ امام شافعیؒ کو ندامت ہوئی اور خاموش ہو رہے۔ نیز بیہقی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ امام احمدؒ اپنے چچا اور اپنے بیٹے کسی کے پیچھے نہ نماز پڑھتے اور نہ کسی کے ہاں کا کھانا کھاتے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دونوں نے بادشاہی منصب قبول کر لیے تھے، عجب اتفاق کہ ایک دفعہ امامؒ تین دن کے بھوکے رہ گئے کھانے کو گھر میں کچھ نہ تھا۔ پاس کے کسی پڑوسی سے آٹا قرض لیا۔ بیوی نے دیکھا کہ حضرت امام بھوکے بہت ہیں آٹا جلد گوندھ کر آپ کے بیٹے صالح کے ہاں تنور جل رہا تھا۔ وہاں سے پکا لائیں، امام نے اتنی جلدی کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں آپ کی بھوک محسوس کر رہی تھی، اور صالح کے یہاں تنور جل رہا تھا۔ اسی سے روٹی پکا لائی ہوں، آپ نے فرمایا میرے پاس سے لے جاؤ، پھر فرمایا میرے

مکان سے میرے بیٹے صالح کے یہاں جانے کا جو دروازہ ہے، اُسے بند کردو
امام بیہقی فرماتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صالح نے متوکل علی اللہ کے ہاں
ایک عہدہ قبول کر لیا تھا۔ آپ کے دوسرے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ
حضرت امام ایک دفعہ معسکر میں سولہ دن خلیفہ کے ساتھ قیام پذیر رہے، لیکن
ایک دن بھی اس کے یہاں کا کھانا نہ کھایا اور اس سولہ دن میں صرف ایک مد
کا چوتھائی حصہ ستو کھایا۔ وہ بھی افطار کے سلسلے میں خلیفہ سے بہت دور
رہ کر۔ عبداللہ کہتے ہیں، اس واقعہ کے بعد مہینہ تک امام کی جسمانی حالت
درست نہیں ہوئی، ان کے دونوں پپوٹے بالکل اندر کی طرف گھس گئے اور
سانس کا انتظام مختل ہوگیا۔

ایک دفعہ مامون نے کچھ سونا محدثین پر تقسیم کرنے کے لیئے بھیجا، سبھوں
نے قبول کیا لیکن امام احمدؒ نے قبول نہیں کیا اور صاف انکار فرمایا۔ سلیمان
شاذ کونی کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ امام احمدؒ نے اپنا قاب ایک ذمی کے پاس
رہن رکھا تھا۔ جب اُسے چھڑانے گئے۔ تو اُس نے اسی قسم کے دو قاب نکال کر
دکھائے اور کہا اس میں سے اپنا لے لو۔ امام اپنا قاب پہچان نہ سکے کیونکہ وہ دونو
بالکل مشابہ تھے، آپ نے فرمایا اب یہ تیرے ہی لیے حلال ہے اور اسے چھوڑ
کر چلے آئے، آپ کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں کہ خلیفہ واثق کے زمانہ
میں ہم تمام لوگ بڑی عسرت سے بسر کر رہے تھے۔ اور سامان زندگی بالکل
مفقود تھا۔ ایک شخص نے امام کو خط لکھا کہ میرے پاس چار ہزار درہم ہیں، آپ
اسے قبول فرما لیتے، آپ نے انکار فرمایا اس نے اسرار کیا۔ آپ نے پھر سختی
سے انکار کر دیا۔ میں نے کچھ دیر کے بعد اس رقم کے نہ لینے پر افسوس ظاہر کیا
تو فرمایا اگر لے لیتا تو یہ بھی صرف ہو جاتے اور پھر یہی حال ہوتا جو اس وقت ہے

اسی طرح ایک تاجر نے دس ہزار درہم اپنے منافع کے آپ کی خدمت میں حاضر کیے یہ وہ رقم تھی جس کو آپ کی پیش کش کے لیے نکال رکھا تھا۔ آپ نے انکار فرمایا اور کہا ہم اچھی حالت میں ہیں۔ اللہ تعالےٰ تمہارے اس قصد میں برکت دے اسی طرح ایک اور تاجر نے آپ کی خدمت میں تیس ہزار دینار پیش کیے آپ نے اس کے قبول سے بھی انکار فرمایا اور وہاں سے چلے آئے۔

امام احمد جس وقت یمن میں تحصیل حدیث میں مشغول تھے۔ ان کی مالی حالت بہت کمزور تھی۔ آپ کے شیخ عبدالرزاق محدث کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے مٹھی بھر دینار آپ کے ہاتھ میں دینے چاہے، آپ نے لینے سے انکار فرمایا اور کہا میری ضروریات اللہ پوری کرا دیتا ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں، اسی عسرت کے دوران میں ایک دفعہ یہ حال بھی ہوا کہ پہننے کے جو کچھ کپڑے تھے۔ وہ نہایت بوسیدہ ہو گئے، آپ اپنے گھر میں چھپ گئے اور دروازہ بند کر لیا لوگوں نے تلاش کی تو آپ نے اپنی حالت بیان کی۔ کسی نے کچھ سکے دینے آپ نے لینے سے انکار فرمایا۔ اور ایک دینار اس شرط پر لیا کہ وہ مجھ سے کسی چیز کی کتابت کرائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ نے اس کے بدلے ان کی کتاب لکھ دی۔

ابوداؤد فرماتے ہیں احمد بن حنبلؒ کے پاس بیٹھنا آخرت کے فوائد سے مملو ہے میں نے امام کو کبھی دنیاوی باتوں میں الجھتے نہیں دیکھا بیہقی نے امام احمد سے روایت کی ہے کہ آپ سے متوکل کی تعریف پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا جو غیر اللہ سے ہر قسم کی توقعات کو منقطع کر دے آپ سے پوچھا گیا۔ اس کی کوئی دلیل بھی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، حضرت ابراہیم جب منجنیق سے اوپر پھینکے گئے تو جبرئیلؑ نے زمین و آسمان کے درمیان آپ سے پوچھا کہ آپ کو کوئی ضرورت بھی ہے۔ آپ

نے فرمایا ہے، لیکن تم سے نہیں جبرئیل نے کہا تو اسی سے کہیے جس سے کہنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا میرے نزدیک وہی امر پسندیدہ ہے، جو خدا کو پسند ہے، ابوجعفر محمد بن یعقوب الصفاء فرماتے ہیں کہ میں احمد بن حنبل کے ساتھ سرمن رائے (جس کو اب سامرہ کہتے ہیں) میں تھا کہ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے لیے دعا فرمایئے، آپ نے یوں دعا فرمائی۔

اللھم انک تعلم انا نعلم انک لنا علی الکثرۃ ما تحت فاجعلنا علی ما تحب

پھر چپ ہو گئے ہم نے کہا کچھ اور فرمایئے تو آپ نے یہ دعا فرمائی:۔

اللھم نسئلک بالقدرۃ التی قلت للسموات والارض ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتیناطا ئعین اللھم وفقنا لمرضاتک اللھم لنا نعوذ بک من الفقر الا الیک ونعوذ بک من الذل الا الیک اللھم لا تکثر علینا فنطغیٰ ولا تقل علینا فنسی رھب لنا من رحمتک وسعۃ رزقک ما یکون بلاغا فی دینک وغنی من فضلک۔

بیہقی کہتے ہیں، کہ ابوالفضل تمیمی نے روایت کی ہے کہ امام احمد سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللھم من کان فی ھذہ الامۃ علی غیر الحق وھو یظن انہ علی الحق فردہ الی الحق لیکون من اھل الحق وکان یقول اللھم ان قبلت من عصاۃ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فداء فاجعلنی فداھم۔

اے اللہ اگر گنہگاران اُمت محمدیہ کا تو کوئی فدیہ چاہتا ہے، تو مجھی کو ان کا فدیہ بنا لے۔ یعنی سب گنہگاران امت محمدیہ کو چھوڑ دے اور سارا عذاب ان کے بدلے مجھ پر کر۔

آپ کے صاحبزادے صالح کا بیان ہے، کہ امام احمدؒ اپنے وضو کا پانی کبھی

کسی دوسرے سے نہیں منگواتے بلکہ ڈول اپنے ہاتھوں سے کوئیں میں ڈالتے اور جب بھرا ہوا نکلتا تو الحمد للہ کہتے ہیں نے اس الحمد للہ کا سبب پوچھا تو فرمایا کیا تعالےٰ نے قرآن میں یہ نہیں کہا۔

ان اصبح ماء کم غوراً فمن یأتیکم بماء معین

امام احمدؒ کے اس نہج کے واقعات بہت ہیں، جناب امام نے زہد و رقائق کے بیان میں ایک جامع کتاب بھی لکھی ہے، جو اپنی نوعیت میں بے نظیر ہے، اور شاید کہ اس تصنیف نے حضرت امام کو عالم اخروی میں ایک ایسا رتبہ دلایا ہو جو ان کے معاصرین میں بہتوں کو نہ حاصل ہوا ہو، اسمٰعیل بن اسحاق السراج فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے مجھ سے فرمایا کہ تم مجھے حارث[1] محاسبی کو اپنے مکان میں بلا کر

---

[1] حضرت حارث ان مستثنیٰ اور معدود افراد امت میں ہیں، جن پر امت محمدیہ بھیک اسی طرح فخر کر سکتی ہے، جس طرح خود احمد بن حنبل پر، آپ کا لقب محاسبی ہو گیا تھا، اس لیے ہر کام میں نفس سے محاسبہ کرتے اور ایک نفس کا بھی بے ذکر الٰہی جاری رہنا پسند نہیں کرتے تھے سمعانی کتاب الانساب میں فرماتے ہیں۔

ھو اجتمع له الزھد والمعرفة یعلم الظاھر والباطن وحدث عن یزید بن ھارون ومحمد بن کثیر الکوفی وغیرھما روی عنه ابوالعباس احمد بن مسروق الطوسی وغیرہ وله کتب کثیرة فی الزھد وفی اصول الدیانة والرد علی المخالفین من المعتزلة والرافضة وکتبه کثیرة الفوائد جمة المنافع وکان احمد یکرہ الحارث نظرہ فی الکلام وتصانیفه الکتب فیه وقال ابوالقاسم النصر آبادی ان الحارث المحاسبی تکلم فی سبی من الکلام فھجرہ احمد بن حنبل فاختفی فی دارہ فی بغداد مات فیھا ولم یصل علیه الا اربعة نفر۔

دکھا سکتے ہو، میں نے کہا ہاں اور مجھے اس بات کی بڑی خوشی ہوئی، میں حارث کے پاس گیا اور ان کو اپنی جماعت کے ساتھ رات میں آنے کی دعوت دی۔ حضرت حارث نے فرمایا میرے ساتھی بہت ہیں، ان کے لیے کچھ مختصر سے کھانے کا انتظام کرو۔ رات کے وقت وہ لوگ آئے اور عشا کی صرف فرض نماز پڑھی، حضرت حارث کے اردگرد بیٹھ گئے۔ اس سے قبل امام احمد بھی وہاں ایک گوشہ میں بیٹھ چکے تھے۔ جس کا علم حارث اور اصحاب حارث کو نہ تھا۔ پھر حضرت حارث کی جماعت میں سے کسی نے کچھ سوال نہ کیا اور حارث نے زہد کے متعلق بیان شروع کیا۔ لوگوں پر بہت اثر ہوا اور لوگ بہت روئے۔ اسمٰعیل بن اسحٰق کہتے ہیں۔ میں دوڑ کر احمد بن حنبلؒ کی طرف گیا۔ کہ ان کا حال معلوم کروں۔ تو دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ اور قریب تھا کہ بیہوش ہو جائیں حضرت حارث اسی طرح صبح کی نماز تک وعظ و پند فرماتے رہے اور لوگ روتے رہے۔ اسحٰق السراج نے پوچھا آپ نے انہیں کیسا پایا؟ فرمایا واللہ میں نے زہد و طاعت کی تلقین کرنے والوں میں اس سے بہتر کسی کو نہیں پایا۔ اور میں نے اس جماعت جیسی اچھی جماعت بھی نہیں دیکھی۔ مگر پھر بھی میں لوگوں کو ان کی صحبت سے روکتا ہوں۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ کہ امام احمد کے منع کرنے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ حارث اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ لیکن پھر بھی متکلم تھے اور امام احمد علم کلام کو نہایت ہی ناپسند فرماتے تھے۔ یا امام احمدؒ نے ان کی صحبت سے اس لیے منع کیا کہ اس طبقے کے بعض اقوال ایسے ہیں۔ جو تقشف کی حد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اور نفس کے محاسبات بھی اتنے شدید ہیں جن کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں۔ اسی وجہ سے ابوزرعہ محدث کو جب

حضرت حارث کی کتاب "رعایۃ" ملی تو آپ نے دیکھ کر فرمایا اس میں بدعات ہیں، اور بہت سی باتیں خلاف شرع ہیں اور جس نے یہ کتاب دی تھی۔ اس سے فرمایا تو اسی مسلک پر رہ جس پر ثوری، مالک اوزاعی اور لیث بن سعد تھے، اور اُسے چھوڑ دے کہ اس میں بدعات ہیں۔ حضرت امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ فقر پر صبر کرنا ایک ایسا عظیم مرتبہ ہے جسے اکابر کے سوا اور کوئی نہیں پا سکتا اور فرماتے فقر غنا سے افضل ہے۔ کیونکہ اس پر صبر کرنا بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اور کسی نعمت کے بدلہ میں شکر کرنے سے زیادہ اولےٰ ہے۔ امامؒ ہر چیز میں اختصار پسند فرماتے۔ کیونکہ آخرت کے حساب سے بہت ڈرتے تھے۔ خشیت کا یہ حال تھا۔ کہ ایک شخص نے پوچھا آپ نے جو علم حاصل کیا ہے، وہ خالصتہ لوجہ اللہ حاصل کیا ہے نا؟ آپ نے فرمایا بھئی یہ شرط تو بڑی سخت ہے۔ ہاں میں نے بعض چیزیں اپنے لیے پسند کی ہیں اور ان کو اپنے سینہ میں جمع کر لیا۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت احمد بن حنبلؒ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ میری ماں مدتوں سے بیمار ہے اور بیس برس سے لونج ہو گئی ہے۔ مجھ کو آپ کے پاس دعا کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کچھ خفا ہوئے اور فرمایا میں تو خود اُس کی دعا کا محتاج ہوں۔ پھر آپ نے اس کیلیے دُعا کی وہ شخص جب گھر گیا اور دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی ماں پیروں سے چل کر کھولنے آئی۔ اور کہا اللہ نے مجھ کو اس مرض سے نجات دے دی اسی طرح امام صاحب کی عظمت کا واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ نے

لہ یہ مسئلہ علماء و محدثین و صوفیہ کا ہمیشہ سے مختلف فیہ رہا ہے۔ کہ فقر و غنا میں ترجیح و فضیلت کس کو ہے صوفیہ کے نزدیک فقر مع الرضا غنا سے افضل ہے۔ چنانچہ قدوۃ الکبریٰ شیخ ابو النجیب سہروردی آداب المریدین میں فرماتے ہیں۔ اجمعوا علی ان الفقر افضل من الغنا اذا کان مقرونا بالرضاء اس لحاظ سے امام احمد حنبل اس مسئلہ میں صوفیا کے نقش قدم پر ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل" احیاء العلوم میں موجود ہے۔

کسی شخص کو کوئی چیز عنایت فرمائی، ایک دوسرے آدمی نے وہ چیز اس سے معقول معاوضہ میں لینی چاہی اس نے دینے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ زیادہ سے زیادہ قیمت پر بھی اسے نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ میں بھی اس سے اسی طرح برکت حاصل کرنی چاہتا ہوں، جس طرح تم چاہتے ہو۔

فتنۂ خلق قرآن

دُنیا انقلاب کا گہوارہ ہے۔ انسانی خیالات آج کچھ ہیں، اور کل کچھ اور یہی حال مذہبی احساسات و معتقدات کا ہے۔ کہ وہ تو اپنی جگہ پہ بالکل ٹھیک اور درست ہیں۔ لیکن کج فہم انسان اور نادان افراد اُمت نے انہیں ہر دور میں بُری طرح خراب کیا ہے۔ خلفائے عباسیہ کے دَور کا سب سے بڑا فتنہ اعتزال ہے۔ جو یُونان کے علوم و فنون کا لازمی نتیجہ تھا۔ مامون ہارون کا چھوٹا بیٹا سریر آرائے سلطنت ہوتا ہے اور یونانی دفاتر و اسفار کی تلاش و نقل شروع ہو جاتی ہے۔ عربی زبان میں آنے کے بعد وہ اُسے پڑھتا ہے۔ اور فلسفی خیالات اُسے مذہب کی اصلی روح سے ہٹا کر مذہب کی ایک بگڑی ہوئی صورت اعتزال کو قبول کرا دیتے ہیں۔ اور وہ اسی طرح کے دیگر معتزلی علما کی صحبت میں بیٹھ کر طرح طرح کے مناظرات کراتا ہے اور دین کے متفق علیہ مسائل کو رد کرتا اور کراتا ہے۔ مامون کی زندگی کے آخری ایام میں معتزلی علماء کی ایک جماعت نے اُسے خلق قرآن کے مسئلہ کی تلقین کی۔ اور علمائے اُمت کو اس کی طرف بلانے کی ترغیب دی، مامون نے اس موقع پہ علمائے بغداد کے نام ایک طویل خط لکھا اور اس میں اس امر کے شواہد خود قرآن سے پیش کیئے۔ کہ قرآن مخلوق و محدث ہے۔ مامون نے معتزلہ سے برانگیختہ کرنے پہ بہ جبر اس مسلک کی طرف بلایا اور انکار کی صورت میں سختیاں شروع کیں، آمدنی معاش بند کرادی، ضرب و قتل کی دھمکی دی۔ بہتوں نے اس کی بات جبراً مان لی اور خلق قرآن کے قائل ہو گئے۔ لیکن جن ستودہ صفات

ہستیوں کے لیے آزمائش مقدر تھی کامیاب نکلنے والے تھے۔ ان سختیوں کے باوجود بھی ثابت قدم رہے۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح النیسا پوری وغیرہ کی ذاتیں تھیں، اور کیوں نہ ہوں، حضرت امام کو اللہ تعالےٰ نے جو رتبہ عطا کیا تھا یا کرنے والا تھا۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ آزمائش کے سارے مرحلے ان کے لیے طے کردے۔ کیونکہ قرآن حکیم پکار کر کہہ رہا تھا۔

الم حسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون ۔ ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکذبین ۔

اسی طرح بے شمار حدیثیں خواص کے لیے ابتلا و محن سے بھری پڑی ہیں چنانچہ خود حضرت امام احمد اپنے واسطے سے حضرت معاذ بن جبل سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ نے رسول اللہ صلعم سے سوال کیا کہ انسانوں میں سب سے زیادہ مصائب کس کے لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا انبیا علیہم السلام کے لیے اور پھر درجہ بدرجہ اور انسانوں کے لیے اور ہر انسان دین کے معاملے میں اسی حد تک مبتلا کیا جاتا ہے جس قدر دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ اور آزمائش انسانوں کے لیے تاحیات قائم رہتی ہے۔ حالانکہ وہ گناہگار نہیں ہوتا۔ اس کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ نیز حضرت معاذ سے امام احمد یہ روایت بھی فرماتے ہیں۔ کہ دنیا ہمیشہ مصائب اور فتنے دکھایا کرتی ہے اور اس دور کے بعد آنے والے امراء میں شدت اور تکلیف دہی کا مادہ اور زیادہ ہوگا اور مصائب دن بدن بڑھتے ہی جائیں گے ان میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ان شواہد کے ہوتے ہوئے امام احمدؒ کا سا شخص کیوں کر مصائب کے لیے تیار نہ ہوتا۔ کیا صرف ظاہری تقوی و طہارت اس کے دین و دنیا کی بھلائی کے لیے کافی ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے تمام بندوں کی آزمائش کی ہے۔ احمدؒ کی آزمائش بھی ضروری تھی۔

امام احمد کو اپنی اس آزمائش کی اطلاع بعض رویائے صادقہ کے ذریعہ ہو چکی تھی، اور آپ اس کے لیے بالکل تیار تھے، چنانچہ بیہقی نے ربیع سے روایت کی ہے کہ امام شافعی نے مصر سے ایک خط لے کر احمد بن حنبل کے پاس مجھے بھیجا، میں ان کے یہاں پہنچا تو وہ صبح کی نماز سے فراغت کر کے واپس ہو رہے تھے، میں نے خط ان کے ہاتھ میں دیا، خط لے کر فرمایا تم نے اس کو پڑھا بھی ہے، میں نے کہا نہیں آپ پڑھنے لگے، یہاں تک کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا امام شافعی لکھتے ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ احمد کو میرا سلام کہو اور مطلع کرو کہ عنقریب خلق قرآن کے مسئلہ میں ان کی آزمائش ہو گی، خبردار وہ خلق قرآن کا اقرار نہ کریں، اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ ان کے علم کو قیامت تک باقی رکھے گا، ربیع کہتے ہیں، میں نے امام احمدؒ کو اس کی بشارت دی، آپ نے صلہ میں اپنا قمیص اتار کر مجھے دیا۔ میں اس کو لے کر مصر واپس آیا اور امام شافعی سے اس قمیص کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا مجھے اس قمیص کے لینے کی ضرورت نہیں، لیکن اتنا کرو، کہ اسے پانی میں تر کر کے مجھے دو، میں اس سے برکت حاصل کروں[1]۔ امام احمدؒ کے سامنے یہ سب حالات پیش ہو چکے تھے اور آپ اس آزمائش کے لیے تیار ہی تھے، کہ مامون نے معتزلی علماء کی ایک جماعت کے مشورہ سے سارے بغداد کے علماء کو اس کی دعوت دی۔ کمزور طبیعتوں نے حکومت و سطوت کے خوف سے گردنِ اطاعت خم کر دی، اور اور خلق قرآن کے قائل ہو گئے، لیکن امام احمد اور محمد بن نوح نیساپوری نے سختی سے انکار کیا، یہ دونوں حضرات اونٹ پر سوار کرا کے مامون کے دربار میں

[1] یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مختلف افراد نے بیان کی ہے، ابن الجوزی مقریزی بیہقی سب معناً متحد اور لفظاً مختلف ہیں۔ ۱۲۔

لے جائے گئے۔ راستہ میں ایک اعرابی مرد جابر بن عامر سامنے آیا اور امام احمد کو سلام کیا اور کہا جناب آپ کی ذات اس وقت مسلمانوں کے لیے بڑی مغتنم ہے۔ اور آپ اس وقت مسلمانوں کے نمائندہ بن کر بادشاہ کے یہاں جا رہے ہیں۔ للہ آپ مسلمانوں کے لیے باعث ندامت نہ بنئے اور ہرگز ہرگز خلق قرآن کا اقرار نہ کیجئے۔ اگر آپ اللہ کو دوست رکھتے ہیں۔ تو صبر کیجئے۔ بس جنت اور آپ میں صرف آپ کے شہید ہونے کی دیر ہے۔ اور موت تو بہر حال آنے والی ہے۔ اگر آپ اس فتنہ میں کامیاب ہو گئے تو آپ کی دنیا و آخرت دونوں بن جائیں گی۔ امام احمد فرماتے ہیں اس کی یہ نصیحتیں میرے دل کو لگ گئیں اور میں نے اس فاسد خیال و خلق قرآن کی نفی پر پورا عزم کر لیا۔ الغرض یہ حضرات مامون کے سامنے لائے گئے اور قریب ہی میں ایک جگہ ٹھہرائے گئے۔ تھوڑی دیر بعد مامون کا ایک خادم روتا ہوا آیا۔ اور امام احمد کو مخاطب کر کے یہ کہنے لگا۔ ابو عبداللہ معاملہ بڑا سخت ہے۔ مامون نے تلوار میان سے کھینچ لی ہے۔ اور رسول اللہ صلعم سے اپنی قرابت کا واسطہ دے کر قسم کھاتا ہے۔ کہ اگر احمد نے خلق قرآن کا اقرار نہ کیا۔ تو میں اسی تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا۔ امام احمد نے یہ سن کر اپنا گھٹنہ زمین پر ٹیک دیا اور آسمان کی طرف دیکھا، پھر یوں گویا ہوئے "خدایا اس فاجر کو تیرے حلم نے بہت مغرور کر دیا ہے۔ کہ اب وہ تیرے دوستوں پر بھی تلوار اٹھانے سے باز نہیں رہتا۔ خدایا اگر قرآن تیرا کلام غیر مخلوق ہے۔ تو تو مجھ کو اس پر ثابت قدم رکھ اور میں اس کے لیے ساری مشقتیں برداشت کرنے کو تیار رہوں"۔

یہ بات تمام ہی ہوئی تھی کہ رات کے حصے میں مامون کی موت کی خبر مشتہر ہوئی۔ امام فرماتے ہیں۔ مجھے اس کی بڑی خوشی ہوئی۔ لیکن پھر معلوم ہوا کہ معتصم سریر آرائے خلافت ہوا اور محمد بن ابی داؤد اس کا وزیر و قوت بازو، اور اب صورت حالات اور زیادہ بدتر ہو گئی ہے اور معاملہ نے بہت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر لی ہے

پھر حضرت امام دیگر قیدیوں کے ساتھ ایک کشتی پر بغداد بھیجے گئے، راستہ میں بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ پیر میں بیڑیاں تھیں، جن سے نقل و حرکت دشوار تھی۔ محمد بن نوح رحمۃ اللہ نے راستہ میں انتقال کیا اور امامؒ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی، امام صاحب خود بھی بغداد پہنچے، تو سخت علیل تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ بغداد پہنچنے کے ساتھ ہی قید خانہ میں ڈال دیئے گئے اور بہ روایتے اٹھارہ مہینے اور بہ روایتے تیس مہینہ قید خانہ میں رہے۔ آپ اس حالت میں بھی برابر اہل سجن کی امامت کرتے رہے، حالانکہ پیر بیڑیوں سے جکڑے ہوئے تھے پھر معتصم کی طلب ہوئی اور صداقت اور راست بازی کا یہ مجسمہ ایک ناحق مسئلہ کے اقرار کے لیے سامنے لایا گیا۔ اس طویل مدت کے بعد معتصم نے حضرت امام کو قید خانہ سے نکال کر باہر لانے کا حکم دیا۔

حضرت اس طرح لائے گئے کہ پیروں میں بڑی بوجھل بیڑیاں تھیں جن کی وجہ سے چلنا دشوار تھا۔ فرماتے ہیں میں نے ازار بند میں انہیں باندھا اور ہاتھ سے اٹھا کر تھوڑی دور چلا پھر سواری آئی اور میں بہ ہزار دقت اس پر سوار ہوا۔ کیونکہ ایک طرف بیڑیوں کا بوجھ اور دوسری طرف سواری پر چڑھنے کے لیے کوئی مدد نہ دینے والا! لیکن اللہ نے مجھے ہلاکت سے بچایا اور میں مصیبت کا مارا دار الخلافت پہنچا وہاں مجھے ایک کمرہ میں بند کر دیا گیا۔ جہاں چراغ وغیرہ کچھ بھی نہیں تھے۔ پھر مجھے وضو کی ضرورت پڑی میں ادھر ادھر ٹٹولنے لگا۔ حسن اتفاق سے ایک طرف پانی سے بھرا ہوا ظرف مجھے مل گیا۔ میں نے وضو کیا اور نماز کے لیے اس طرح کھڑا ہوا کہ قبلہ کی سمت مجہول تھی اور ہر حال میں اللہ کا شکر تھا۔ اس کے بعد معتصم نے بلوا بھیجا میں گیا تو ابن ابی داؤد نے دیکھتے ہی کہا کہ امیر المومنین میرا اور آپ کا گمان یہ تھا کہ یہ ایک جوان آدمی ہے، لیکن یہ تو ادھیڑ عمر معلوم ہوتا ہے۔ پھر میں معتصم کے قریب گیا۔ اس نے مجھ سے

اور زیادہ قریب ہونے کی فرمائش کی میں نے اور قریب ہو کر سلام کیا اور تھوڑی دیر خاموش رہا۔ میری بیڑیاں مجھے بہت ستا رہی تھیں۔ پھر میں نے اس طرح گفتگو شروع کی "امیرالمومنین! تمہارے ابن عم رسول اللہ صلعم نے تمہیں کس چیز کی طرف بلایا تھا" معتصم نے کہا:

لا الہ الا اللہ کی طرف میں نے کہا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں" پھر میں نے حضرت ابن عباس کی روایت سے وفد عبدالقیس والی پوری حدیث پڑھی اور کہا یہی چیزیں تھیں نا؟ جن کی تعلیم رسول اللہ صلعم نے اس وفد کو دی تھی۔ کہا ہاں! پھر ابن ابی داؤد نے کچھ اس طرح کی گفتگو کی جسے میں نہ سمجھ سکا اور میں نے اس کے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کی۔ اس کے بعد معتصم نے کہا احمد! اگر تم میرے سابق خلیفہ کی گرفت میں نہ آگئے ہوتے تو میں تم سے تعرض نہ کرتا" پھر کہا میرا دل تو یہ چاہتا ہے۔ کہ میں تمہیں اس مصیبت سے نجات دوں امام احمد نے فرمایا۔ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ تو تمہارے مسلمانوں کے لیے بڑی خوشی کا باعث ہوگا۔ پھر معتصم نے عبدالرحمٰن (ایک معتزلی) سے مخاطب ہو کر کہا ان سے پوچھو، عبدالرحمٰن نے مجھ سے پوچھا قرآن کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ میں چپ رہا لیکن معتصم نے اصرار کیا تو میں نے پوچھا باری تعالیٰ کے علم کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔ اُس نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا قرآن علم اللہ ہے۔ اور جس نے اللہ کے علم کو مخلوق کہا۔ اُس نے کفر کیا۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن یہ اور اس کی جماعت کفر کے لفظ سے بڑی چراغ پا ہوئی اور معتصم سے کہا۔ اس نے ہمیں اور آپ سبھوں کو کافر بنایا۔ معتصم نے چنداں توجہ نہ کی، پھر عبدالرحمٰن نے سوال کیا اچھا بتاؤ ایک زمانہ تھا جبکہ خدا تھا۔ اور قرآن نہ تھا میں نے جواباً کہا کیا ایسا تھا کہ خدا تھا اور اس کا علم نہ تھا۔ عبدالرحمٰن چپ ہو گیا۔ پھر یہ لوگ مختلف باتیں کرنے لگے

میں نے کہا امیر المومنین! کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے دلیل لائیے۔
یہ سن کر ابن ابی داؤد بول اٹھا، بحث کا دارومدار نقل کے علاوہ عقل پر ہونا چاہیے
امام نے فرمایا کیا دین کی بنیاد کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور چیز پر بھی ہے۔ کہ
میں اس کی تلاش کروں پھر اس کے بعد لوگوں نے حضرت امام کے سامنے قرآن
کے حدوث کی مختلف دلیلیں پیش کیں، لیکن حضرت امام نے سبھوں کو کافی ووافی
جواب دیا۔ امام کا یہ رنگ دیکھ کر معتزلہ کی جماعت کا سب سے زیادہ مقصد رکن
ابن ابی داؤد نے معتصم کو برانگیختہ کیا۔ اور کہا امیر المومنین یہ شخص گمراہ اور گمراہ کن
ہے یہ تیرے فقہا اور قضاۃ بیٹھے ہیں، ان سے پوچھ یہ کیا کہتے ہیں۔ ظاہر تھا کہ یہ
سب کے سب معتزلی تھے جنہوں نے امام احمد کے ضال (گمراہ) ہونے کا فتویٰ دیا
اس کے بعد معتصم نے دوسرے دن کے لیے مناظرہ موقوف کیا، دوسرے دن مناظرہ
پھر شروع ہوا اور بات ناتمام رہی تیسرے دن ایک آخری مناظرہ ہوا۔ خدا کی شان
دیکھئے کہ ان تمام دنوں میں امام احمد کی ایک آواز ان تمام لوگوں سے بلند رہتی تھی۔ اور
دلیلیں بھی ان کی ایسی معقول اور پسندیدہ ہوتی تھیں کہ فقہا اور قضاۃ کی یہ جماعت
لاچار ہو جاتی تھی۔ یہ حضرت اپنی ناکامی کو اپنے سامنے آتے دیکھ کر خاموش ہو رہے
تو پھر ابن ابی داؤد نے مختلف باتیں کیں، امام احمد فرماتے ہیں۔ کہ میں نے مناظرہ
کے سلسلہ میں اس جماعت سے بعض ایسی باتیں بھی سنیں جو شان علم کے بالکل منافی
تھیں اور میں یہ گمان کرتا ہوں کہ کوئی معمولی آدمی بھی ایسی باتیں نہیں کرتا ہوگا۔ اسی
سلسلے میں خدا کی جسمیت اور دیدار الٰہی وغیرہ کے متعلق بھی بحثیں ہوئی۔ امام نے
ان تمام باتوں کا نہایت شافی اور وافی جواب دیا اور پھر آثار کے قابل قبول ہونے
پر بھی معتزلہ جھگڑے اور آپ نے اس کی بھی کافی دلیل پیش کی، ایک طرف معتزلہ
کی جماعت سے یہ گفتگو ہو رہی تھی اور دوسری طرف معتصم باللہ

خلیفہ عباسی امام احمدؒ سے بار بار یہ کہہ رہا تھا احمد تم میرے مسلک کی تائید کر دو میں تمہیں اپنا مقرب خاص بنا دوں گا۔ پھر تم ان لوگوں میں ہو جاؤ گے۔ جن کو میرے اس قیمتی فرش پر چلنے کا فخر حاصل ہے۔ امام صاحب اس کے جواب میں یہ فرماتے تھے، نہیں میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے اس کی دلیل چاہتا ہوں۔ حالات کا یہ تغیر معتزلہ کے خلاف توقع تھا۔ جب انہوں نے یہ صورت دیکھی تو کہنے لگے، امیر المومنین یہ شخص کافر۔ گمراہ کن ہے۔ ایک طرف سے اسحٰق بن ابراہیم معتزلی اٹھا اور کہنے لگا کہ اس شخص کو سزا ضرور ہونی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ یہ چھوڑ دیا جائے۔ یہ بات خلافت کی عظمت کے لیئے باعث ننگ ہوگی اور اس میں موجودہ اور گذشتہ دونوں خلفاء کی ذات ہے۔ اسحٰق بن ابراہیم کی یہ باتیں، پھر امام احمدؒ کا صاف انکار، ان چیزوں نے معتصم باللہ کو غضب ناک کر دیا اور کچھ اس لیے بھی کہ اُسے بطور خود معتزلہ اس مسئلہ میں حق بجانب معلوم ہوتے تھے، خلیفہ (معتصم) نے امام احمد کو سختی سے مخاطب کیا اور کہا اللہ تیرا برا کرے، میں نے تو تجھے اپنی طرف لانے میں بڑی کوشش کی۔ لیکن تو بڑا ضدی اور ناسمجھ نکلا اور پھر حکم دیا ان کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی جائیں امام فرماتے ہیں۔ میرے ساتھ یہی معاملہ کیا گیا اور کوڑے مارنے والے بلائے گئے اور پھر میرے دونوں ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ نیز میرے پاس آنحضرت کے موئے مبارک تھے۔ ان اہل بدعتہ وہویٰ نے انہیں بھی چھین لیا۔ پھر کوڑے مارنے والے سامنے آئے، میں نے اس موقع پر جو کچھ کہا وہ یہ تھا۔ کہ امیر المومنین، اللہ اللہ یہ کیا دیکھتا ہوں۔ کیا رسول اللہ صلعم نے یہ نہیں فرمایا کہ کسی مومن کا خون بغیر ان تین چیزوں کے ارتکاب کے حلال نہیں ہوتا۔ اور میں نے وہ تین چیزیں بتا دیں پھر یہ حدیث پڑھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ میں لوگوں سے قتال کے لیے اسی وقت تک مامور کیا گیا ہوں جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں۔ اس کے بعد پھر ان

ان کی جان، ان کا مال محفوظ ہے۔ رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے پھر میرا خون کیوں حلال کیا جاتا ہے۔ اور کیا میں مسلمان نہیں ہوں؟ اور کیا رسول اللہ صلعم کی اس حدیث کا مصداق نہیں ہوں! امیرالمومنین! کل قیامت کے دن کو یاد کیجئے، جب اس بڑے حقیقی منتقم کے سامنے ہوں۔ پھر آپ میرے اس خون کا کیا جواب دیں گے، معتصم کو یہ باتیں دل سے لگ گئیں اور قریب تھا کہ مجھے آزاد کر دے لیکن اشرار جماعت نے یہ رنگ دیکھ کر معتصم کو ابھارا اور کہا امیرالمومنین یہ شخص ضال مضل اور کافر ہے۔ اسے ہرگز نہ چھوڑنا چاہیئے۔ الغرض میں کھڑا کیا گیا اور کوڑے مارنے والوں نے یکے بعد دیگرے مجھے کوڑے مارنے شروع کئے۔ جب پہلا کوڑا پڑا میں نے بسم اللہ جب دوسرا مارا گیا تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر جب تیسرا مارا گیا تو القرآن کلام اللہ اور جب چوتھا مارا گیا تو کہا قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا اور کوڑے مارنے والے یہ کہتے تھے۔ اللہ تیرا برا کرے اپنی نافرمانی کا بدلہ دیکھ اور مزہ چکھ اسی طرح مجھے متعدد کوڑے مارے گئے اور میں بے ہوش ہوگیا، تھوڑی دیر ضرب روک دی گئی تو میرا احساس پھر لوٹ آیا اور معتصم برابر مجھے کہہ رہا تھا۔ اب بھی میرا کہا مان لو تو میں رہا کر دوں، میں کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ اس پر کوڑے مارنے والے کہتے خلیفہ تجھ سے خود کہہ رہا ہے اور تو بات نہیں مانتا اور یہ کہہ کر مزید کوڑے مارتے، خلاصہ یہ ہے کہ خلیفہ نے متعدد بار مجھ سے اپنی بات منوانا چاہی۔ لیکن میں نے کوئی جواب نہ دیا پھر آخری بار بھی غالباً مجھ سے یہی کہا لیکن کوڑوں کی تکلیف سے سمجھ نہ سکا اور بے ہوش ہوگیا، معتصم یہ صورت حال دیکھ کر ڈر گیا اور ضرب بند کرادی، پھر مجھ کو ہوش آیا تو میں نے اپنے آپ کو معتصم ہی کے ایک کمرہ میں قید و سلاسل سے بالکل آزاد پایا۔ یہ واقعہ ۲۵ رمضان ۲۲۱ھ کا ہے پھر خلیفہ نے امام کو ان کے گھر پہنچا دینے کا حکم دیا۔ دُرّوں کی تعداد کے متعلق

لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعضوں نے تیس سے زیادہ کہا ہے۔ اور بعض پورے اسی کہتے ہیں۔ تعداد کچھ بھی ہو، یہ ضرب شدید اور بڑی تکلیف دہ تھی۔ آپ دار الخلافت سے گھر لائے گئے تو راستہ میں اسحٰق بن ابراہیم کے یہاں بھی ٹھہرے، آپ صائم تھے۔ افطار کے لیے کچھ ستو وغیرہ لایا گیا تو آپ نے انکار فرمایا۔ اور اسی ضعف و تکلیف کی حالت میں روزہ تمام کیا اور ظہر کی نماز کا وقت آیا تو نماز بھی جماعت سے پڑھی، ابن سماعۃ القاضی نے امام پر اعتراض کیا کہ آپ نے خون بہنے کی حالت میں نماز پڑھی، آپ نے فرمایا ہاں حضرت عمرؓ نے ایسی حالت میں نماز پڑھی تھی۔ کہ ان کے زخم کا خون فوارہ کی صورت میں نکل رہا تھا۔ ابن سماعۃ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ حضرت امام کے متعلق ایک یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ آپ کو ضرب کے لیے جب کھڑا کیا گیا تو اتفاقی طور پر ازار بند کھل گیا۔ اور آپ کو بے ستری کا خوف ہوا۔ ہاتھ پیر تو بندھے تھے۔ زبانِ مبارک سے یہ دعا فرمائی یا الٰہ العالمین یا غیاث المستغیثین اگر تجھے اس بات کا یقین ہے۔ کہ میں حق کے لیے یہ مشقت برداشت کر رہا ہوں تو میری ستر پوشی کر۔ امام کی اس دعا نے اثر کیا اور پائجامہ سرک کر اپنی جگہ پر آگیا، حضرت امام جب گھر واپس آئے تو جراح نے آکر مضروب مقامات دیکھے اور مردہ گوشت و پوست کاٹ ڈالے اور مرہم پٹی کی، اس اضطراری غلطی کے بعد معتصم ندامت و رسوائی کے اندر غرق ہو گیا۔ اور رفع ندامت کے لیے اپنا نائب بھیج کر امام کی خیریت دریافت کرتا رہا۔ امام نے جب اپنے مرض سے شفا پائی تو معتصم اور عام مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد جب امام کے ہاتھوں اور پیروں پر سردی کا اثر بہت ہوتا تھا۔ جس سے آپ کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ اور یہ صورت وفات تک قائم رہی، امام صاحب نے معتزلہ کے سوا

اور سب کے قصور معاف کیے۔ کیونکہ وہ اہل بدعت و ہوی تھے۔ حضرت امام قرآن کی یہ آیت پڑھتے تھے۔

ولیعفوا ولیصفحوا الا تحبون ان یغفر اللہ لکم واللہ غفور رحیم

آپ فرماتے اپنے کسی مومن بھائی کو اپنے لیے تکلیف دینا کچھ اچھا نہیں قیامت کے دن اللہ تعالےٰ جب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دینے بلائے گا۔ تو وہی شخص پہلے جائے گا، جس نے دنیا میں کسی کا قصور معاف کیا ہو۔

امام احمد کے ساتھ اس محنت میں جو لوگ کام آئے ان کے نام یہ ہیں:۔

محمد بن نوح النیسابوری، نعیم بن حماد الخزاعی، ابو یعقوب الیوبطی، محمد بن نوح نے تو ماموں کی موت کے بعد بغداد کی واپسی میں راستہ ہی میں انتقال کیا اور نعیم بن حماد معتصم کے زمانے میں قید میں فوت ہوئے اور ابو یعقوب بھی واثق علی اللہ کی سختی کی بدولت قید ہی میں سدھارے[1]۔

---

[1] طبقات الشافعیہ الکبرای للسبکی ذکر محنۃ الامام صفحہ ۲۵۰۔ اس باب میں ساری تفصیلات اسی کتاب میں سے لی گئی ہیں۔

عالم اسلام کا خراج تحسین وعقیدت

امام بخاری فرماتے ہیں ۔ امام احمد کے اس واقعہ فاجعہ کی خبر جب بصرہ میں ملی تو میں نے ابوالولید طیالسی کو کہتے سُنا اگر احمد بن حنبل بنی اسرائیل میں پیدا ہوتے تو کچھ بعید نہ تھا ۔ کہ وہ نبی ہوتے اور اسمٰعیل بن الخلیل نے بھی اسی طرح کے اقوال امام کے متعلق کہے ہیں اور مزنی کا خیال ہے ۔ کہ دنیا میں پانچ شخص ایسے ہوئے جنہوں نے پانچ مواقع پر بے نظیر ہمت نفس و قربانی کا ثبوت دیا ۔ حضرت ابوبکرؓ نے اہل روہ کے مقابلے میں حضرت عمر نے اپنی خلیفہ کے موقع پر حضرت عثمان نے اپنی محصوری کے زمانہ میں حضرت علی نے صفین کے موقع پر اور احمد بن حنبلؒ نے خلق قرآن کے مسئلہ میں ؛

امام شافعی فرماتے ہیں میں نے عراق میں احمد بن حنبل سے بڑھ کر عالم فاضل متقی پرہیز گار کسی کو نہ چھوڑا یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں احمد بن حنبل سے زیادہ محبوب مجھے عراق سے آنے والوں میں اور کوئی نہیں اور میں ان کو تمام لوگوں سے زیادہ دوست رکھتا ہوں ۔ قتیبہ (اُستاد بخاری ومسلم) فرماتے ہیں ۔ سفیان ثوری نے انتقال کیا تو تقویٰ مرگیا ۔ اور شافعی نے وفات کی تو سنت مری اور احمد بن حنبل کی موت کے بعد اصل دین کے مرنے اور بدعت کے شائع ہونے کا خدشہ ہے ایک دوسری روایت قتیبہ سے ہے فرماتے ہیں احمد بن حنبل نے اس اُمت میں نبوت کے فرائض انجام دیئے یعنی اللہ کی راہ میں ایسا صبر کیا جو نبیوں کا کام تھا ۔ ابوعمر بن المخاس نے ایک دن امام احمد کا ذکر کیا تو فرمایا اللہ ان پر رحم کرے دین پر کیسے

ثابت قدم رہے اور ان کے اوصاف صالحین صحابہ و تابعین سے کتنے ملتے جلتے تھے، دنیا ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اس سے انکار کیا۔ اسی طرح دین ایک نئی صورت میں ان کے روبرو کیا گیا تو اُسے بھی انہوں نے قبول نہ کیا اور قدیم و اصلی دین پر قائم رہے، حضرت بشر بن الحارث بن حامی (آپ اکابر صوفیہ میں ہیں) نے امام احمد کے اس امتحان کے سلسلے میں فرمایا احمد اپنی اس آزمائش میں کھڑے نکلے جس طرح سونا پرکھنے کے بعد کھرا کھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح احمد آزمائش کے بعد احمد معلوم ہوئے۔ میمونی کا بیان ہے۔ کہ علی بن مدینی نے فرمایا کہ احمد نے اسلام میں جو خدمتِ عظیم انجام دی وہ کسی سے نہ ہو سکی مجھے اس سے تعجب ہوا اور میں ابو عبید القاسم بن سلام کے پاس گیا۔ اور اس واقعہ کو بیان کیا، انہوں نے کہا ابن المدینی نے سچ کہا، حضرت ابوبکر نے تو یوم ردہ میں اعوان و انصار بھی پائے لیکن احمد نے تو ایک مددگار نہ پایا پھر ابو عبیدہ نے امام احمد کی بہت توصیف کی اور کہا میں اہل سلام میں ان سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتا (غالباً یہ اور اسی قسم کی مدحین زیادہ تر غلو میں ہوا کرتی ہیں۔ امام احمد بے شک (اس الامتہ ہیں لیکن اس محبت کے سلسلے میں بعض ایسی توصیفیں بھی کی گئی ہیں۔ جو بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتیں۔ واللہ اعلم مولف) اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں۔ ارے احمد بن حنبل وہ اللہ اور بندے کے درمیان حجت ہیں۔ مجھے جب کسی مسئلہ میں احمد بن حنبل کی رائے معلوم ہو جاتی تو میں اس پر بے تامل عمل کرتا ہوں اور میں اس کی بھی پروا نہیں کرتا کہ انہیں اللہ کے درمیان واسطہ قرار دے لیا ہے، پھر فرمایا۔ ابو عبداللہ احمد بن حنبل کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ ان میں تو ایسی خوبیاں تھیں جنہیں میں کسی عالم میں بھی نہیں پاتا، محدث، عالم صاحبِ ورع۔ زاہد سبھی صفتیں ان میں موجود تھیں یحییٰ بن معین کہتے ہیں۔ لوگ چاہتے ہیں کہ ہم بھی احمد جیسے ہو جائیں اور احمد جیسا کون ہو سکتا ہے۔ محمد بن

یحیی بن الذھلی کہتے ہیں۔ احمد ہمارے اور خدا کے درمیان حجت ہیں ہلال بن علاء الرقی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس امت پر چار آدمی کے ذریعے بڑا احسان کیا۔ ایک شافعی کہ حدیث رسول کو صحیح طریقہ پر سمجھا پھر اس کے مجمل، مفسر، خاص، عام ناسخ منسوخ کو بتایا اور دوسرے ابوعبید کہ غریب حدیثوں سے آگاہی بخشی اور تیسرے یحییٰ بن معین کہ جھوٹی حدیثوں سے قوم کو آگاہ کیا اور چوتھے احمد بن حنبل کہ امتحان شدید کے وقت ثابت قدم رہے اگر یہ چار ہستیاں نہ ہوتیں تو لوگ ہلاک ہو جاتے بکر بن ابی داؤد کا خیال ہے۔ کہ اُمتِ اسلامیہ میں احمد کے معاصرین میں جن لوگوں نے لکھنے پڑھنے کا مشغلہ اختیار کیا۔ ان میں احمد بن حنبل سب سے اچھے رہے۔ رازی کہتے ہیں، اس گندمی رنگ کے آدمی یعنی احمد سے زیادہ فقیہ میں کسی کو نہیں پاتا اور اس کے بعد یہ حدیث پڑھی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے۔ کہ میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا۔ نہ کوئی اس کو ذلیل کر سکتا ہے۔ اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت) آجائے پھر کہا عبداللہ بن المبارک اور احمد بن حنبل وغیرہ جو اہل حدیث ہیں۔ اسی جماعت سے ہیں۔

لہ ملتقط از طبقات الشافعیہ صفحہ ۲۰۰۔

ملوکیت سے ٹکر اور اس کا ردعمل

امام احمد اس واقعہ کے بعد جب مکان واپس تشریف لائے تو اپنے زخموں کا علاج شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ اور اس طرح گوشہ نشین ہوئے کہ جمعہ اور جماعت اور درس حدیث وغیرہ سب موقوف ہو گئے۔ زندگی یوں بسر فرماتے کہ تھوڑی سی زمین جس کی آمدنی سترہ دینار ماہانہ تھی۔ اسی پر اپنا اور اہل وعیال کا گذارہ کرتے اور صابر و شاکر رہتے۔ یہ صورت معتصم اس کے بعد واثق محمد کے زمانہ تک رہی۔ جب متوکل علی اللہ سریر آرائے خلافت ہوا تو لوگوں کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ معتزلی ہونے کے بجائے اہل سنت والجماعت سے تھا۔ اس نے تمام بلاد محروسہ میں اعلان کرایا کہ کوئی شخص خلق قرآن کے مسئلہ میں گفتگو نہ کرے اور اس جرم کے تمام ماخوذین کو رہا کر دیں پھر اپنے نائب اسحٰق بن ابراہیم کو خط لکھا کہ امام احمد کو بغداد سے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ امام کو اسحٰق نے بلایا اور ان کی بڑی تعظیم کی اور سامرہ روانہ کیا لیکن درمیان میں کچھ ایسے واقعات پیش آ گئے کہ امام احمد سے اسحٰق خفا ہو گیا اور پھر قدیم عناد لوٹ آیا جس کے سبب سے امام کو یہ تکلیف اٹھانا پڑی تھی اس نے خلیفہ سے شکایت کی اور خلیفہ نے آپ کو واپس لے جانے کا حکم دیا۔ امام احمد کو اس واقعہ سے سخت رنج پہنچا اور بغداد واپس آئے۔ پھر ایک گمراہ اور بددین شخص نے جس کا نام ابن ثلجی تھا۔ خلیفہ کے یہاں شکایت کی کہ امام احمد کے تعلقات علوی خاندان سے بہت بڑھ گئے ہیں۔ اور ان میں کا ایک شخص لوگوں سے حضرت امام کی خلافت کی بیعت لیتا پھرتا ہے خلیفہ نے نائب بغداد کو لکھ بھیجا کہ امام کے گھر کی

تلاشی لو رات کے وقت یہ شیاطین آپ کے گھر کا محاصرہ کرنے گئے۔ آپ کو ان حالات کی اطلاع بالکل نہ تھی۔ یکایک آپ نے اپنے گھر کو روشنی اور لوگوں سے گھرا ہوا پایا۔ یہ لوگ جب مکان کی چھت پر پہنچے تو صرف یہی دیکھا کہ امام اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے سازش کا حال پوچھا۔ امام نے فرمایا مجھے اس کا کوئی علم نہیں۔ میں تو امیر المومنین کی ظاہر و باطن میں اطاعت کرتا ہوں اور میں اللہ تعالےٰ سے ان کے لئے توفیق خیر اور اس کے حق پر رہنے کی رات دن دعا کرتا ہوں۔ لہذا اس سازش میں کسی قسم کی شرکت کیوں رکھوں گا۔ لیکن مفتشوں نے احتیاطاً مکان کا گوشہ گوشہ ڈھونڈ ڈالا پھر بھی اس سازش کے متعلق کچھ نہ معلوم ہو سکا۔ خلیفہ متوکل کو جب اس کی خبر ملی اور امام کی برأت اس پر پوری طرح واضح ہو گئی تو اسے یقین ہو گیا کہ لوگ امام کے متعلق نمامی بہت کرتے ہیں۔ خلیفہ کو بہت ندامت ہوئی اور امام کی عزت و حرمت اس کے دل میں پھر نئے سرے سے جاگزیں ہو گئی۔ اپنے ایک حاجب یعقوب ابن ابراہیم کو دس ہزار درہم دے کر امام کی خدمت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا یہ خاص آپ کے مصرف کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ امام نے لینے سے انکار فرمایا ابو یعقوب نے کہا۔ مصلحت یہ ہے۔ کہ آپ اسے قبول کر لیں، ورنہ خلیفہ کے دل میں آپ کی طرف سے دوبارہ رنج پیدا ہو جائے گا۔ امام نے لے لیا۔ لیکن بعد میں اپنے عزیزوں کی بلا کر کہا بغداد اور بصرہ کے غریب محدثین و اہل علم کی ایک فہرست لکھو اور یہ ساری رقمیں ان میں تقسیم کر دو۔ دیکھو یہ کام اسی وقت ہو جائے ورنہ رات کی نیند مجھ پر حرام ہو جائے گی۔ چنانچہ رات ہی رات میں یہ رقم اہل علم غربا میں تقسیم کر دی گئی اور اہل و عیال کے انتہائی افلاس اور پراگندگی کے باوجود انہیں کچھ نہ دیا۔ صرف ان کے پوتے نے ایک حقیر سی رقم لے لی جسے دیکھ کر آپ نے سکوت فرما لیا اور کچھ نہ بولے۔ خلیفہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ امام احمد نے سارا مال دوسروں میں تقسیم کر دیا۔ یہاں تک کہ نفیس تھیلی بھی کسی کے حوالے کر دی تو وہ اس واقعہ کے متعلق

مزید استفسار کرنا ہی چاہتا تھا۔ کہ ایک شخص نے کہا، کہ امیر المومنین احمد نے آپ کا ہدیہ قبول کرنے کے بعد تقسیم کیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ احمد جیسا شخص دینار و درہم لے کر کیا کرتا۔ انہیں تو صرف دو وقت روٹی مل جانی چاہیئے۔ خلیفہ نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ پھر جب اسحٰق بن ابراہیم اور اس کے بیٹے محمد کی موت کے بعد عبداللہ بن اسحٰق بغداد کا حاکم ہوا تو خلیفہ نے اسے کہلا بھیجا امام احمد کو میرے پاس لاؤ۔ امام سے عرض کی گئی۔ آپ نے اپنی پیری اور ضعف کا عذر پیش کیا۔ حاکم بغداد نے خلیفہ کے ہاں امام کا یہ عذر کہلا بھیجا۔ خلیفہ نے یہ عذر تسلیم نہیں کیا اور حاکم بغداد کو دوبارہ لکھا کہ امام سے کہو کہ میں آپ کی نزدیکی سے برکت حاصل کرنی چاہتا ہوں اور یہ آپ کی دعا میرے شامل حال ہو، امام احمد بغداد سے اپنی اہل بیت و اعوان کے ساتھ روانہ ہوئے اور جب معسکر کے قریب پہنچے تو خادم خلیفہ بڑی شان کے ساتھ آپ کی طرف بڑھا اور سلام کیا اور آپ نے جواب دیا۔ خادم نے کہا مبارک ہو اللہ نے آپ کے دشمن ابن ابی داؤد سے آپ کو نجات دی امام یہ سن کر چپ رہے لیکن آپ کے صاحبزادے نے خلیفہ اور وصیف (خادم دیرینہ) کو دعائیں دیں۔ پھر جب سامرہ (سرمن رائے) میں پہنچے تو دار الیاخ میں ٹھہرائے گئے لیکن آپ کو یہ معلوم ہوا کہ یہ مکان جائز ملکیت کا نہیں تو آپ نے دوسرا مکان کرایہ پر لیا اور وہیں اقامت کی، اقامت کے بعد شرفاء اور اعیان کی آمد شروع ہوئی اور لوگ اس ادب سے آتے کہ اپنی زینت کے سارے کپڑے اتار دیتے۔ خلیفہ نے اس مکان کے لیے اعلےٰ درجہ کے سامان بھیجے۔ اور لذیذ ترین کھانوں کا انتظام کیا اور سمجھتا رہا کہ امام ان چیزوں سے متمتع ہیں لیکن امام صاحب ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور برابر صائم رہتے، پھر خلیفہ نے کہلا بھیجا آپ اپنی گذشتہ زندگی کو بھول جائیں اور ان ایام کی فروگذاشت یہاں کریں اور پھر حدیث رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا درس دیں ۔ امام نے اپنی بیماری اور دانتوں کے ہلنے کی شکایت کی خلیفہ جو کھانا امام کی خدمت میں بھیجا کرتا، وہ مختلف قسم کے طعام و فواکہات اور برف وغیرہ پر مشتمل ہوتا لیکن امام برابر صائم رہتے ۔ ایک دفعہ اس علالت کے باوجود تین دن مسلسل روزے رکھے اور کچھ نہ کھایا ۔ پھر بیٹے کی قسم دلانے پر کچھ ستو گھول کر پیا ۔ اسی طرح ایک دفعہ عبداللہ بن یحییٰ بن خاقان خلیفہ کی طرف سے ایک بڑی رقم لے کر آپ کے پاس آیا اور کہا یہ بطور نذرانہ کے ہے ۔ آپ کی خدمت میں لایا ہوں آپ نے انکار فرمایا اور اس کے پے در پے اصرار کے بعد بھی انکار فرمایا ۔ خلیفہ نے اس رقم کو آپ کی اولاد پر تقسیم کر دیا اور مزید برآں آپ کی اولاد کے لیے چار ہزار درہم ماہانہ مقرر کر دیئے ، لیکن امام احمد نے کبھی کچھ نہ لیا ۔ اور اپنی اولاد سے فرمایا کہ میری زندگی کے تھوڑے دن رہ گئے تھے ، کہ تم نے شاہی جاگیر قبول کر لی ۔ اب نہ معلوم اللہ تعالےٰ جزائے خیر دیتا ہے ۔ یا جہنم میں دھکیل دیتا ہے ۔ پھر صاحبزادوں کو اور نصیحتیں کیں انہوں نے مختلف دلیلیں جواز ہدایا کی پیش کیں آپ نے نہ مانا ۔ امام احمد کا ضعف دن بدن بڑھتا جاتا تھا ۔ لیکن صورت حال زیادہ نازک ہوئی تو خلیفہ نے ابن ماسویہ طبیب کو آپ کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا ۔ دیکھنے کے بعد بادشاہ سے کہا امام احمد میں اس کے سوا کوئی مرض نہیں کہ وہ غذا نہیں کھاتے اور سارا مرض ان کا مسلسل روزے رکھنا اور عبادت کرنا ہی ہے ۔ خلیفہ یہ سنکر چپ ہو رہا پھر خلیفہ کی ماں نے امام احمدؒ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو خلیفہ نے امام صاحب سے کہلا بھیجا کہ آپ معتز (خلیفہ کا بیٹا) کے مکان پر تشریف لے جائیں تو پہلے آپ نے انکار کرنا چاہا ، لیکن پھر خیال فرمایا ۔ شاید اسی کے سبب میں بغداد واپس جا سکوں ۔ خلیفہ نے اپنی خاص سواری اور خلعت فاخرہ بھیجے ۔ آپ نے اس سواری پر چڑھنے سے اس لیے انکار فرمایا کہ اس کے بعض کپڑوں میں چیتے کی تصویر

بنی ہوئی تھی ۔ اور ایک تاجر کے گدھے پر سوار ہو کر معتز کے مکان میں تشریف لائے تو خلیفہ اور اس کی ماں ایک پردے کی اوٹ میں بیٹھے تھے ۔ امام نے گھر میں داخل ہوتے ہی بلا تخصیص احد السلام علیکم کہا اور بیٹھ گئے ۔ خلیفہ کی ماں نے پردے کے اندر سے دیکھا اور کہنے لگی ۔ اللہ اللہ بیٹے تو نے اسی شخص پر سازش کا گمان کیا تھا ۔ اور کیا میرا دل یہ پسند کرتا ہے ۔ کہ میں اُسے اُس کے گھر واپس کر دوں نیز خلیفہ نے بھی امام کو دیکھتے ہی یہ کہا ماں دیکھو گھر کس طرح روشن ہو گیا ۔ اور سارے کا سارا بقعۂ نور بنا ہوا ہے ۔ پھر خادم آیا، حضرت امام کو اعلےٰ درجہ کا ایک خلعت پہنایا ۔ امام خاموش بیٹھے رہے ۔ جس سے ناپسندیدگی کا اظہار ہو رہا تھا ۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں ۔ کہ میں معتز کی طرف جا کر بیٹھا ہی تھا ۔ کہ اس کے معلم نے کہا کہ خلیفہ (اللہ اس کا بھلا کرے) اس نے تمہارے لیے ان کو معلم بنایا ہے ۔ معتز بولا آپ مجھے تعلیم دیں اور میں نہ حاصل کروں، امام نے فرمایا اس کی اس صغر سنی کی ذکاوت پر مجھے تعجب ہوا، پھر امام احمد وہاں سے استغفار کرتے ہوئے نکلے ۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو بغداد جانے کی اجازت ملی اور خلیفہ نے ایک جنگی کشتی آپ کے لیے مہیا کی ۔ جس سے آپ بحفاظت بغداد پہنچیں لیکن آپ نے ناپسند فرمایا اور ایک معمولی کشتی پر بغداد پہنچے اور فوراً اس خلعت کو بیچنے اور اس کی قیمت کے فقراء اور مساکین پر تقسیم کرنے کا حکم فرمایا ۔ اور خلیفہ سے اس اتفاقی معیت پر بھی افسوس کرتے رہے ۔ فرمایا میں اس گروہ سے عمر بھر علیحدہ رہا، لیکن آخر عمر میں ان کا ساتھ ہو ہی گیا ۔ بغداد پہنچے تو بھوک سے قریب ہلاکت تھے ۔ لیکن خلیفہ کا ساتھ کیا ہوا کھانا، استعمال نہ فرمایا ۔ بعض امراء نے اس بات کی خلیفہ سے شکایت کی کہ امام احمد آپ کی عطا کی ہوئی چیز استعمال نہیں فرماتے ہیں ۔ متوکل نے جواب دیا واللہ اگر معتصم دوبارہ زندہ ہو کر امام احمد کے متعلق شکایت کریں تو قبول نہ کروں گا

اور اس کی حسن عقیدت برابر قائم رہی ۔ اور آپ کی دریافت خیریت کے لیے برابر آدمی بھیجتا رہا۔ خلیفہ آپ سے ابن ابی داؤد کے املاک کے متعلق پوچھا کرتا لیکن آپ خاموش رہتے ۔ جب ابن داؤد کو اپنی ساری دولت کے چھن جانے کا خوف ہوا تو وہ سامرا سے بغداد آیا لیکن خلیفہ نے اس کی ساری جائداد امام احمد کی تکلیف دہی کے جرم میں ضبط کر لی۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے، کہ میرے والد سامرا سے واپس آئے تو یہ حال تھا، کہ ان کی آنکھیں بالکل دھس گئی تھیں اور چھ مہینہ تک سانس کا نظام مختل تھا ۔ اور مجھے سختی کے ساتھ اپنے برادری والے کے یہاں سے پانی دانی لانے سے منع کر دیا تھا۔ اس لیے کہ وہ سب شاہی وظیفہ خوار تھے ۔ لیکن متوکل اکثر امور میں آپ سے مشورے لیتا رہا پھر جب وہ خود بغداد آیا تو ابن خاقان کو ایک ہزار دینار دے کر امام کی خدمت میں بھیجا ۔ امام نے انکار فرمایا اور کہا خلیفہ نے ہر اس چیز سے معاف رکھا ہے ۔ جو مجھے ناپسند ہو، اور یہ ہدیے بھی مجھے ناپسند ہیں ۔ اس لیے مجھے معاف رکھو ۔ سوئے بخت کہ کسی نے متوکل کو ایک خط لکھا کہ امام احمد آپ کے باپ دادا کو زندیق کہتے ہیں ۔ متوکل نے جواب لکھا کہ ماموں نے لوگوں سے میل جول بہت رکھا ۔ اس لیے لوگ اس کی عقل پر مستولی ہو گئے ۔ یعنی اُسے گمراہ کر دیا اسی طرح میرا باپ معتصم ایک جنگی آدمی تھا۔ اس کو علم کلام سے کوئی واسطہ نہ تھا ۔ ناحق اس میں پڑ کر خراب ہوا اور میرا بھائی واثق بے شک زندیق تھا پھر حکم دیا کہ اس چغلخور کو سو کوڑے مارے جائیں عبداللہ ابن اسحٰق ابن ابراہیم نے بجائے سو کے پانچ سو کوڑے مارے خلیفہ نے اس زیادتی کا سبب پوچھا تو جواب دیا کہ دو سو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے اور دو سو آپ کی اطاعت کے اور ایک سو اس رجل صالح امام

احمد بن حنبل پر قذف کے بدلے ان باتوں کے بعد خلیفہ نے امام احمد کو ایک عریضہ لکھا، جس میں مسئلہ خلق قرآن کی حقیقت دریافت کی اور یہ تعنت نہ تھا بلکہ استرشاد تھا۔ (امام نے اس کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا، جس میں احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرام کے آثار حسنہ تھے۔ امام کے صاحبزادے صالح نے امام کی اس آزمائش کے سلسلے میں اس رسالے کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور اس رسالے کا اکثر حفاظ نے تذکرہ کیا ہے۔

امام صاحب کا عقیدہ

ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی سند سے حضرت امام احمد بن حنبل کا خط نقل کیا ہے۔ جسے امام صاحب نے اپنے شاگرد مسدد ابن مسرہد کے نام ان کے ایک سوال کے جواب میں لکھا تھا اور جو درحقیقت امام صاحب کے عقائد کا صحیح آئینہ ہے۔

ابوبکر احمد بن محمد البروعی التمیمی جو ابن الجوزی کی سند کے آخر راوی ہیں، بیان کرتے ہیں۔ کہ مسدد بن مسرہد جب روافض و قدریہ معتزلہ کے فتنے اور خلق قرآن جیسے مسائل کی عام بحثوں اور نہ سلجھنے والی گتھی میں پڑ کر بہت چکرائے تو انہوں نے حضرت امام کے نام ایک خط لکھا جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت مبارکہ کی تعلیم چاہی اور اس کے معلوم کرانے کی فرمائش کی۔ حضرت امام اس خط کو دیکھ کر روئے اور فرمایا یہ بصری (مسدد ابن مسرہد) خیال کرتا ہے کہ میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت معلوم کرنے کے لیے بے شمار دولت صرف کی ہے۔ اور پھر بھی میں معلوم نہ کر سکا ہوں، اس کے بعد ذیل کا جواب لکھا۔

حمد و نعت کے بعد فرماتے ہیں۔ اما بعد

اللہ ہمیں اور تمہیں ہر اس چیز کی توفیق دے جس میں اس کی رضا ہو اور ہر اس چیز سے بچائے جس سے وہ ناراض ہے۔ اور ہمیں اور تمہیں ایسے افراد جیسے عمل کی توفیق دے جو اس سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ یہی عمل قابل اطاعت ہے۔ اور میں اپنے آپ کو اور تمہیں تقوے اور مسلک اہل سنت والجماعت کے اتباع کی وصیت

کرتا ہوں کیونکہ تمہیں منکرین سنت کی وعید اور عاملین سنت کا اجر دونوں معلوم ہیں۔ اور مجھے یہ حدیث پہنچی ہے۔ کہ بندہ سنت پر عمل کرنے سے جنت میں جائے گا پس میں تمہیں یاد دلاتا ہوں کہ قرآن پر کسی چیز کو مقدم نہ کرو اور وہ اللہ تعالےٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام میں گذشتہ اُمتوں کے جو حالات بیان کیے ہیں۔ وہ بھی غیر مخلوق ہیں۔ اور لوح محفوظ میں جو ہے۔ وہ بھی غیر مخلوق ہے جس نے اُسے مخلوق کہا وہ کافر ہے اور جس نے انہیں کافر نہ کہا وہ بھی کافر ہے پھر اللہ کے کلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مرتبہ ہے اور آپ کی حدیث کے ساتھ صحابہ و تابعین کے آثار بھی قابل قبول ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو لائے ہیں۔ اس کی تصدیق اور آپ کی سنت کا اتباع یہی باعثِ نجات ہیں یہی تمام سلف اور خلف کا مسلک ہے اور جہم کی رائے سے بچو۔ کیونکہ وہ جھگڑالو انسان ہے۔ جہمیہ کے متعلق متفقہ صورت میں تمام اگلوں سے میں نے یہی سُنا ان کی تین جماعتیں ہیں۔ ایک وہ جو قرآن کو اللہ کا کلام اور مخلوق سمجھتا ہے اور بعض اسے کلام اللہ تو مانتے ہیں۔ لیکن اس کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے کے متعلق سکوت کرتے ہیں۔ ان کو واقفہ کہا جاتا ہے۔ اور تیسرے وہ جو یہ کہتے ہیں کہ الفاظنا بالقرآن مخلوقۃ یہ سب کے سب جہمیہ ہیں اور سلف نے اس پر اجماع کر لیا ہے۔ کہ ایسے لوگ اگر اپنے عقائد سے توبہ نہ کریں تو ان کی شہادت معتبر ہو گی اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہو گا اور ایمان دعمل کا نام ہے۔ نیکی کرنے سے بڑھتا اور بُرائی کرنے سے گھٹتا ہے۔ کبھی انسان ایمان سے نکل کر اسلام کی طرف آجاتا ہے۔ پھر جب توبہ کر لیتا ہے۔ تو ایمان اس میں آجاتا ہے۔ اور اسلام سے (سوا شرک یا اللہ کے فریضہ میں سے کسی ایک کی فرضیت سے انکار) اور کوئی چیز خارج نہیں کر سکتی

اور اگر کسی شخص نے کسی فرض کو آسکت اور لاپرواہی سے ترک کر دیا، تو اللہ تعالےٰ کو اختیار ہے، بخش دے یا عذاب کرے، معتزلہ کے متعلق سارے اگلے اہل علم سے ہم نے یہی سنا کہ وہ گناہ کو موجب کفر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت آدم اور یوسف علیہما السلام کے سب بھائی کافر ہو جائیں گے، اس لیے کہ حضرت آدم نے بھی نافرمانی رب کی اور یہ لوگ اپنے باپ سے جھوٹ بولے اور معتزلہ نے اس بات پہ بھی اجماع کر لیا ہے، کہ جس نے ایک حبہ بھی چرایا وہ دوزخ میں جائے گا، اور اس کی بیوی بھی بائن ہو جائے گی۔ اور اگر حج کر چکا ہے، تو پھر حج کرے گا۔ جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں، وہ بے شک کافر ہیں۔ ان سے نہ باتیں کرنی چاہییں۔ اور نہ ان کا ذبیحہ کھانا چاہیے۔

ہمارا ایمان ہے، قضا و قدر اور خیر و شر اچھا برا سب ہی خدا کی جانب سے ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ نے جنت اور جنت والوں کو سارے عالم کے پیدا کرنے

سے قبل ہی پیدا کیا اور جنت کی ساری نعمتیں دائمی ہیں ۔ جس نے یہ گمان کیا کہ اس کی نعمت کو فنا ہے ، اس نے کفر کیا اور اسی طرح دوزخ اور اہل دوزخ کو بھی پیدا کیا اور اس کا عذاب بھی ہمیشہ ہے ، کبھی فنا نہ ہوگا ، اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ایک جماعت دوزخ سے نکل کر جنت میں جائے گی ۔ اور یہ کہ اہل جنت لامحالہ اپنی اپنی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے ، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں ۔ اور اللہ نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور میزان حق ہے ، صراط حق ہے ۔ اور انبیاء حق ہیں اور عیسیٰ بن مریم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔ اور حوض و شفاعت عرش کرسی اور ملک الموت کے روح قبض کرنے پر ایمان ہے ۔ اور یہ کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے ۔ اور اس سے توحید و رسالت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے ۔ اور نفخ صور (صور قرن ہے ، جس کو اسرافیل پھونکیں گے ، حق ہے ، اور مدینہ میں جو قبر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے ، اور اسی کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر کی قبریں بھی ہیں ، اور بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کی آنکھوں کے درمیان میں ہیں ۔ اور دجال یقیناً اس اُمت میں نکلے گا ، اور عیسیٰ بن مریم اس دنیا میں پیدا ہوں گے ۔ پھر آپ اس کو باب لُد میں قتل کریں گے ، اور جس چیز کو علماء اہل سنت نے منکر کہا وہ منکر ہے ۔ اور عام بدعتوں سے بچوں اور اس کا بھی ایمان ہے ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی آنکھ نے ابوبکر جیسا نہیں دیکھا اور ابوبکر کے بعد عمر جیسا اور عمر کے بعد عثمان جیسا ' ابن الجوزی کہتے ہیں کہ امام احمد حضرت ابن عمر سے جو حدیث فضیلت مروی ہے ، اسکا لحاظ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ' ابوبکر ثم عمر ثم عثمان اور حضرت علی کے متعلق سکوت کرتے ہیں[1] ۔ پھر فرماتے ہیں لیکن

---

[1] امام احمد کا مسلک حضرت علی ابن ابی طالب کے متعلق یہ تھا ۔ کہ آپ ابوبکر سے تو افضل نہیں کہتے ۔ لیکن عام لوگوں کی طرح چوتھے مرتبہ پر بھی نہیں رکھتے بلکہ وسکت عن علی کہتے ہیں ۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن خدا کی قسم یہ چاروں خلفاء راشدین مہدیین میں ہیں۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں۔ یہ دس حضرات قطعی جنتی ہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن الجراح ان کو میں نے جنتی اس لیے کہا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنتی کہا ہے۔ اور نماز میں رفع یدین آمین بالجہر اور مسلمان امراء کے لیے دعا بھی حسنات میں ہے اور ان پر خروج اور فتنہ کی شرکت یہ سب ممنوع ہیں۔ اور کسی خاص مسلمان کو قطعی دوزخی یا جنتی کہنا (سوا ان دس آدمیوں کے) صحیح نہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو صفات اپنے متعین کیے ہیں۔ ان کو اس کے ساتھ متصف کرو۔ اور جس چیز کی اپنی ذات سے نفی کی ہے۔ اس کی نفی کرو۔ اور نفس پرست لوگوں سے جھگڑنے سے بچو، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے عیوب بیان کرنے سے اور ان کے آپس کے منازعات سے زبان کو روکو، بلکہ ان کے فضائل ہی بیان کرو اہل بدعت سے مشورہ اور ان کی صحبت سے اجتناب کرو۔ نکاح بغیر ولی ناکح اور دو شاہد عدل کے صحیح نہیں متعہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ نماز ہر اچھے اور برے کے پیچھے جمعہ ہو یا عیدین جائز ہے۔ ہر اہل قبلہ کی نماز جنازہ پڑھو۔ اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ہر امام کے ساتھ جہاد یا حج کی شرکت کرنی ضروری ہے۔ جنازہ کی چار تکبیریں ہیں لیکن اگر امام پانچ تکبیر کہے تو تم بھی کرو، جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب نے کیا اور جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ اگر امام پانچ تکبیر کہے تو تم بھی پانچ تکبیر کہو، امام صاحب فرماتے ہیں۔ لیکن شافعی نے اس مسئلہ میں مجھ سے اختلاف کیا وہ کہتے ہیں۔ اگر پانچ تکبیریں کہی ہیں۔ تو نماز دہرائیے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہی مسح علی الخفین مسافر کے لیے

م۔ مطلب یہ ہے۔ چوتھے مرتبہ پر رکھنے سے سکوت کرتے ہیں نہ یہ کہ چوتھے پر بھی نہیں رکھتے کیونکہ امام صاحب آگے چل کر ایک ایسی بات فرماتے ہیں جس سے اس کی تردید ہوتی ہے۔

تین رات تین دن اور مقیم کے لیے ایک رات ایک دن ہے' رات اور دن کی سب سنتیں دو ہیں۔ صبح کی نماز کے بعد عید کی نماز کے درمیان اور کوئی نماز نہیں دخول مسجد کے بعد تحیۃ المسجد پڑھنا ضروری ہے۔ وتر ایک رکعت ہے۔ اقامت فرادی اہل السنۃ کے نزدیک زیادہ پسند ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اسلام اہل سنت کے مذہب پر موت دے اور علم کی توفیق دے ہمیں تمہیں خوشنودی کے کام کرنے کی صلاحیت دے' پھر ابن الجوزی اپنی سند سے عبدوں ابن مالک العطار سے روایت کرتے ہیں۔ کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہ اصول سنت ہمارے نزدیک وہ ہیں جن پر اصحاب رسول اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور انہیں کی اقتدا کرنی چاہیے اور بدعت کو چھوڑنا چاہیے' کیونکہ ساری بدعتیں گمراہی ہیں۔ اسی طرح ریا کج بحثی اور بیکار لڑائی کو بھی دین میں داخل کرنا چاہیے۔ اور آثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نزدیک سنۃ ہیں اور سنۃ مفسر قرآن اور راہ نما قرآن ہے۔ اور قیاس کو دین میں کوئی دخل نہیں پھر اگلے خط کی بعض باتیں' پھر فرماتے ہیں۔ قرآن اللہ کا کلام ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اور اس کے غیر مخلوق کہنے میں ہرگز کوئی کمزوری نہیں سمجھتا۔ کیونکہ وہ اللہ کا کلام ہے اور اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہو سکتا' اور ان لوگوں سے جو اسے مخلوق کہتے ہیں۔ یا کلام اللہ تو کہتے ہیں۔ لیکن مخلوق غیر مخلوق کہنے سے سکوت کرتے ہیں۔ یا لفظی بالقرآن مخلوق کے قائل ہیں۔ ان سبھوں سے مناظرہ کرنے سے پرہیز کرو۔ کیونکہ یہ سب ایک ہی قسم کے مبتدع ہیں۔ آگے فرماتے ہیں۔ دجال جو اس اُمت میں پیدا ہوگا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوگا۔ دجال کی یہ تفصیل اگلے خط میں نہیں ہے۔ جس شخص نے نماز قصداً ترک کی اس نے کفر کیا۔ اعمال میں سوائے نماز کے اور کسی عمل کے ترک سے کفر نہیں لازم آتا۔ مومن میں کامل الایمان وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ چوروں اور خارجیوں سے قتال جائز ہے۔ ایسی

صورت میں کہ ان سے جان و مال کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو لیکن اگر وہ بغیر کسی قسم کی تکلیف دہی کے بھاگ جائیں تو ان کا پیچھا کرنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ کام حکومت اسلامیہ کا ہے۔ اسی طرح اگر چور اس کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے تو اس کے قتل کا بھی وہ مجاز نہیں کیونکہ اس کا حق بھی حکومت کو ہے۔ ہر امیر و والی کی اطاعت بُرے ہوں یا اچھے لازم ہے۔ ہر وہ شخص جو خلیفہ بنایا گیا یا غلبہ سے خلیفہ ہو گیا وہ خلیفۃ المسلمین ہے۔ اور جہاد ہر فاسق و فاجر امیر کے ساتھ کیا جائے گا۔ کسی امیر کے فسق کے سبب اس کے ساتھ جہاد و غزوات سے رکنا نہیں چاہیے۔ اسی طرح مالِ غنیمت کی تقسیم و حدود شرعی کا قیام یہ سب امیر کا کام ہے۔ کسی کو اس میں طعن کا حق نہیں اسی طرح زکوٰۃ و صدقات وغیرہ فاسق و فاجر امام کو دینے سے ادا ہو جاتے ہیں اور ہر جمعہ ہر فاسق و فاجر امام کے پیچھے پڑھا جا سکتا ہے۔ جو ایسا نہ کرے یا اس کے بعد پھر دوہرائے وہ بالکل غلطی پر ہے۔ اور اس نے ہرگز جمعہ کا فضل نہ پایا کسی امام پر خروج چاہے وہ قہر اکیوں نہ امام بنا ہو اصولاً جائز نہیں جس نے ایسا کیا اس نے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتہ کے خلاف کیا۔ اگر اسی حالت پر مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہو گی۔ کسی شخص پر بھی سلطان کے خلاف خروج کرنا نہیں۔ جس نے ایسا کیا وہ سخت متبدع ہے اور اس کی روشن سنت حضرت رسول اللہ صلعم کے خلاف ہے اس کے بعد علامہ ابن الجوزی امام صاحب کا ایک اور بیان نقل کرتے ہیں۔ ابن الجوزی کی سند کے آخری راوی حسن بن اسمٰعیل الربعی ہیں۔ اس بیان میں بھی پہلے خط کی سی زیادہ باتیں ہیں۔ اس کے بعد امام صاحب اتنا اضافہ فرماتے ہیں۔ کسی امیر پر خروج نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ وہ ظالم ہو اور کسی اہل توحید کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اگرچہ وہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آپس کے مناقشات سے سکوت اختیار کرنا چاہیئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بعد افضل البشر حضرت ابوبکر عثمان علی[1] ابن عم رسول اللہ وسلم ہیں۔ اور آپ کی تمام ازواج مطہرات اولاد و اصہار کو ترحم کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ یہی اصلی سنت ہے۔ اس کے قائم رکھنے سے انسان مسلمان رہتا ہے۔ اور چھوڑنے سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ ان تمام امور کے بعد میں نے نفس مسئلہ خلق قرآن کی علمی تحقیق کا ارادہ کیا تھا۔ کہ اس مسئلہ پر بھی ایک بسیط نظر ڈالی جائے لیکن مواد کے فراہم کرنے کے بعد جس نتیجہ پر میں پہنچا وہ نہایت ہی مایوس کن تھا۔ اور حقیقت یہ تھی کہ یہ مسئلہ عام افہام و تفہیم سے باہر ہو گیا تھا اور بہت حد تک یہ لفظی نزاع کے سوا اور کچھ نہ رہ گیا تھا۔ پھر مقابلہ کا آخری دور اشاعرہ و ماتریدیہ اور یہ معتزلہ کے جھگڑوں کے سبب بہت ہی تعصب آمیز ہو گیا۔ اور اس جھگڑے نے نفس مسئلہ کی صورت ہی بگاڑ دی اور اس کے ساتھ میرا ذاتی خیال اس باب میں ایک حد تک حنابلہ سے مختلف ہے۔ اس لیے بھی حضرت امام کے سوانح حیات کے ساتھ کسی ایسی بحث کا لانا جس سے آپ کے عقیدے کا خلاف لازم آئے۔ ناپسند کرتا ہوں اگرچہ میں حضرت امام کو حنابلہ کے ان اقوال سے جو اس فتنہ

---

[1] امام احمد کے اس قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ نے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق جو نکت عن علی کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ چوتھے مرتبہ پر رکھنے سے گریز کرتے ہیں۔ ورنہ یہاں پر بھی افضل البشر بعد رسول اللہ ابوبکر و عمر و عثمان کے بعد ثم کلمہ کے سوا فرماتے حالانکہ یہاں اور ثم ثم کر کے بھی نہیں بیان فرماتے بلکہ مطلقاً فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہؐ کے بعد یہ چار حضرات تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ دوسرے یہ کہ آئمہ کرام میں حضرت امام احمدؒ نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے مناقب میں جتنی صحیح حدیثیں وارد تھیں۔ سب جمع کیا اور اس کا نام کتاب مناقب علی رکھا۔ حضرت امام خود فرماتے ہیں صحابہ میں فضیلت کی حدیث جس قدر علی ابن ابی طالب کے لئے آئی ہے۔ کسی کے لئے نہیں آئی ۱۲۔

سیرۃ احمد لابن الجوزی بواسطہ جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین لابن الآلوسی ۱۲

کے بعد تک ظاہر ہوتے رہے (مثلاً اس ملفوظ قرآن کا ہر لفظ ہر حرف اور ہر نقطہ قدیم ہے) اس سے بری سمجھتا ہوں، اور حضرت امام سے اس قسم کی کوئی تصریح بھی نہیں منقول ہو سکی مگر پھر بھی ادباً میں اس بحث سے اس موقع پر گریز کرتا ہوں، دوسرے یہ کہ اس قسم کی سوانح حیات سے مقصود کسی شخص کا مسلم صحیح دینداری خدمت خلق حسن عمل یہ باتیں دکھانی مقصود ہوتی ہیں، کہ خواص و عوام ہر طبقہ کی اصلاح اسی طرح ہوتی ہے۔ رہے اس قسم کے مسائل تو ان کا تعلق ایک محدود فرقے سے ہے، جو ہر چیز کو اس کے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے، اس کا میدان میرے نزدیک سوانح حیات نہیں ہیں، بلکہ اس موضوع پر مختلف رسالے اور مصنفات ہیں۔

امام احمدؒ بن حنبلؒ کے مصنفات و مؤلفات

حضرت امامؒ کی تصنیفات تو بے شمار ہیں لیکن حسب ذیل مشہور ہیں۔
کتاب العمل، کتاب التفسیر، کتاب الناسخ والمنسوخ، کتاب الزاہد، کتاب المسائل، کتاب الفضائل، کتاب المناسک، کتاب الایمان[1] ان کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی بیان کی جاتی ہیں، مثلاً کتاب الاشربۃ الصغیر، کتاب الاعتقاد امامؒ سے اس کی روایت عبدالواحد التمیمی نے کی ہے۔ کتاب الایمان، اس کتاب کے متعلق کتاب الزہد میں لکھا ہے، کہ یہ اپنے باب میں بے نظیر کتاب ہے۔ اور ابن تیمیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ کتاب مناقب علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الشریف المسند[2] کتاب الصلوٰۃ، کتاب الورع، یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں۔ کتاب العمل کے متعلق یہ پتہ لگتا ہے، کہ ابوجعفر محمد بن جعفر بن عبداللہ الراشدی بغدادی نے ابوبکر الاثرم سے اس کی روایت کی ہے، کیونکہ سمعانی نے نسبت راشدی میں ان کا تذکرہ اسی طرح پر کیا ہے، اور امام کی ایک تصنیف کتاب التاریخ کے نام سے بھی معلوم کی جاسکی ہے، کیونکہ انہیں صاحب سمعانی نے (ریوذی) کی نسبت بیان کرتے ہوئے ابومحمد الفضل محمد بن المسیب کا نام لیا ہے۔ اور لکھا ہے، کہ انہوں نے امامؒ سے بعض ایسی چیزیں روایت کی ہیں جن کو عام طرح پر لوگوں نے نہیں روایت کیا ہے۔ اور انہیں نے کتاب التاریخ بھی امام احمد سے روایت کی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ امام کے ساتھ بہت دنوں رہے ہیں اور ان کی صحبت اختیار کی ہے، حضرت امام کی سب سے معظم کتاب کتاب المسند

---

[1] فہرست لابن الندیم البغادی ۱۲ [2] کشف الظنون ۱۲

ہے۔ حافظ ابو موسیٰ اصبہانی کا بیان ہے۔ کہ وہ اصحاب حدیث اصل کبیر و مرجع وثیق ہے۔ کہ امام نے اس میں بہت سی حدیثیں اور بہت مسموعات کیے ہیں۔ اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق تقریباً تین سو حدیثیں ثلاثیہ الاسناد ہیں اور امام نے اس میں صحیح اور احسن کے مرتبہ پر جتنی حدیثیں تھیں۔ سبھوں کو جمع کر دیا ہے۔ حنبل بن اسحٰق نے روایت کی ہے۔ کہ میرے چچا امام احمد فرماتے تھے۔ کہ میں نے اس میں پچاس ہزار سات سو سے کچھ زیادہ ہی حدیثیں جمع کی ہیں۔ اگر مسلمان رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی کسی حدیث میں جھگڑیں تو انہیں اس میں تلاش کرنا چاہیے۔ اگر پالیں تو صحیح سمجھیں اور نہیں تو نہیں آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ میرے والد نے دس ہزار حدیثیں ایسی لکھی ہیں کہ ابھی لکھنے بھی نہ پائے تھے کہ میں نے ان کو حفظ کر ڈالا۔ میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ تو کتابت حدیث کو مکروہ سمجھتے تھے۔ پھر یہ مسند کیوں لکھی۔ فرمایا اس لئے کہ لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث میں اختلاف کریں تو اسی کی طرف رجوع کریں اور پھر وہی فرماتے ہیں۔ کہ میرے والد امام احمد نے سات لاکھ حدیثوں سے چن کر یہ مسند تیار کی ہے۔ (طبقات الشافعیہ للسبکی) حضرت امام المتقی ہندی کا خیال ہے۔ کہ مسند احمد میں جو کچھ ہے۔ وہ مقبول ہے۔ کیونکہ اس کی ضعیف حدیث بھی حسن کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ اور حافظ اشرف الدین النووی کا خیال ہے۔ کہ مسند احمد بن حنبل اور ابو داؤد وطیالسی وغیرہ کی مسندیں اصول خمسہ کے برابر نہیں ہو سکتیں لیکن سیوطی نے اس کی شرح میں مسند احمد کے متعلق اتنا کہا ہے۔ کہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحۃ کا بہت خیال رکھا ہے۔ عراقی کا خیال ہے۔ کہ ابو موسیٰ المدینی کی روایت ہے۔ کہ امام احمد نے فرمایا کہ مسند میں جو حدیث ہو وہ حجۃ اور جو نہ ہو وہ حجۃ نہیں صحیح نہیں بلکہ امام کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو اس میں نہ ہو۔ وہ تو قطعی حجۃ نہیں لیکن جو اس میں ہو وہ حجۃ ہے۔ یہ صحیح نہیں پھر فرماتے ہیں یہ بھی کیونکر کہا جا سکتا اس لیے کہ

بعض روایتیں مسند میں نہیں ہیں، اور صحیح میں ہیں جیسے حضرت عائشہ کی حدیث ام زرع کے قصہ والی اور نیز ضعیف و موضوع حدیث کا وجود اس میں یقیناً ہے۔ خصوصاً آپ کے صاحبزادہ عبداللہ نے بعض زیادتیاں کی ہیں، جن میں ضعیف و موضوع موجود ہیں، انتہی کلام العراقی شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے اسی بات کی رعایت کرتے ہوئے القول المسدد لکھا ہے، اس کے خطبہ میں فرماتے ہیں، بعض اہل علم سے یہ امر معلوم ہو سکا ہے، کہ وہ مسند کی بعض حدیثوں کو موضوع کہتے ہیں، یہ ایک ایسی کتاب کے لیے جو مرجع اہل الحدیث ہے، بڑی جرأت تھی، اس کا خیال کرتے ہوئے میں نے ان حدیثوں کو جنہیں عراقی نے موضوع کہا تھا جن کی تعداد نو کے قریب ہے، اور جنہیں ابن الجوزی نے اپنی موضوعات میں داخل کیا تھا، جن کی تعداد پندرہ تھی، سب کو اکٹھا کر کے ان کا جواب دیا ہے، مگر پھر بھی حافظ ابن حجر کو اپنی کتاب تعجیل المنفعۃ برجال الاربعہ میں یہ کہنا پڑا کہ مسند میں تین یا چار حدیثیں ایسی ہیں، جن کی اصل نہیں ملتی اور اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ امام احمد جب اس کتاب پر نظر ثانی فرما رہے تھے، اسی زمانہ میں آپ پر ضرب کا واقعہ پیش آیا اور آپ غیر صحیح نہ نکال سکے اور بعض یہ کہتے ہیں نہیں بلکہ بعض خاص حالات کے ماتحت یہ حدیثیں آپ سے زبردستی حالت ضرب میں لکھائی گئیں، واللہ اعلم تیشمی اپنی کتاب زوائد میں لکھتے ہیں، مسانید میں احمد کی مسند سے بڑھ کر اور کوئی مسند نہیں لیکن بہت سی حدیثیں اس میں نہیں ہیں، بلکہ تقریباً دو سو صحابہ کی جماعت ایسی ہے، جن سے صحیحین میں روایت ہے، اور مسند میں نہیں (حسینی) کتاب التذکرہ فی رجال العشرۃ میں کہتے ہیں، مسند کی حدیثیں مکررات ملا کر چالیس ہزار کے قریب ہیں اور جتنے صحابہ سے مسند میں روایتیں ہیں، وہ سات سو کے قریب ہیں، مسند کے اس موجودہ نسخہ کے راوی ابوبکر بن جعفر بن ملک المعروف ہیں۔

تمت بالخیر

حضرت امام کی وفات حسرت آیات

آپ کے بیٹے صالح کا بیان ہے کہ میرے والد احمد بن حنبل سنہ ۲۴۱ھ شروع ربیع الاوّل میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے میں حاضر ہوا اور غذا وغیرہ کے متعلق دریافت کیا آپ نے فرمایا باقلا کے سوا اور کیا استعمال کروں گا اور فرمایا میرے پاس شرفا و اعیان قوم اور عوام بہت کثرت سے آتے ہیں۔ گویا آپ نے اس آمد و رفت کو ناپسند فرمایا' حضرت امام نے اپنے مرض الموت میں ایک وصیت نامہ بھی لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھٰذا ما اوصی احمد بن محمد حنبل اوصی انہ یشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ و رسولہ ارسلہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون واوصی من اطاعہ من اھلہ وقرابتہ ان یعبدوا اللہ فی العابدین وان یحمدوہ فی الحامدین وان ینصحوا لجماعۃ المسلمین واوصی انی قد رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا۔

اس کے بعد اور بھی کچھ تھوڑے سے وصایا تھے جن کے اظہار کی چنداں ضرورت نہیں پھر آپ نے بچوں کو بلایا اور ان کو دعائیں دیں۔ آپ کا ایک بچہ آپ کی وفات کے پچاس دن قبل پیدا ہوا تھا۔ اور ایک دوسرا جو اس سے بڑا تھا۔ امام کی وفات کے وقت چلنے لگا تھا۔ آپ نے ان دونوں کو بلایا اور پیار کیا اور فرمایا میں اس

بڑھاپے میں ان سے کیا فائدہ حاصل کروں گا۔ لوگوں نے کہا یہ آپ کے بعد دعائے خیر کریں گے۔ فرمایا جب تو ٹھیک ہے۔ آپ اکثر مرض میں کراہتے رہتے کسی نے کہا طاؤس (جو مکہ کے بہت بڑے عالم تھے) مرض میں آہ (آہ عربی میں ہاؤ واویلہ کو کہتے ہیں) سے منع فرمایا کرتے۔ آپ نے ترک کر دیا اور پھر کبھی اظہار تکلیف کا کوئی کلمہ نہ نکلا' اور صالح اور عبداللہ کا بیان ہے۔ کہ حضرت امام کا وقت بالکل آخر تھا۔ تو آپ فرما رہے تھے۔ دُور دُور ہو لوگوں نے پوچھا کہ آپ کسے فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا' ابلیس گھر کے کونے میں بیٹھا ہے۔ اور اپنی انگلی اپنے دانتوں سے دبائے مجھ سے یہ کہتا ہے۔ احمد تھوڑی دیر کے لئے میرا خیال فراموش کر دو۔ میں کہتا ہوں ہرگز نہیں میں اس وقت تک تجھ سے غافل نہ ہوں گا۔ جب تک میری روح میرے جسم سے توحید پر نہ نکلے پھر آپ نے فرمایا مجھے وضو کراؤ اور فرماتے رہے فلاں فلاں حصہ جسم خوب دھونا۔ پھر فرمایا پیر کی انگلیوں میں خلال کرو۔ اور اس درمیان میں آپ اللہ کا ذکر برابر کرتے رہے الغرض جب وضو مکمل ہو چکا تو طاہر و مطہر ہو کر آپ اس عالم میں تشریف لے گئے آپ کی وفات جمعہ کے دن تقریباً دس بجے واقع ہوئی' سارا بغداد جنازہ کی شرکت کے لیئے ٹوٹ پڑا' محمد بن عبداللہ ابن طاہر نے جو بغداد میں خلیفہ کا قائم مقام تھا۔ اپنی طرف سے چند غلاموں کو کفن لے کر روانہ کیا اور امام کے یہاں کہلا بھیجا' یہ میں خلیفہ کی طرف سے بھیج رہا ہوں وہ اگر بغداد میں موجود ہوتا تو ضرور بھیجتا۔ امام کے صاحبزادے نے کہلا بھیجا کہ امیر المومنین نے حضرت امام کی زندگی ہی میں ایسی تکلیف دہی سے معذور رکھا تھا جسے حضرت امام ناپسند فرماتے تھے۔ اس لیے ان کی موت کے بعد بھی اسی قسم کے عطایا سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ کہہ کر واپس کرا دیا۔ اور حضرت کو ایسے کپڑوں میں کفنایا۔ جنہیں نابالغ بچیوں نے بنا تھا۔ اور غسل دینے کی ہر ایک چیز خریدی حتیٰ کہ پانی بھی خریدا

گیا اور صاحبزادوں کے گھر کا پانی بھی استعمال نہیں کیا گیا۔ کیونکہ امام صاحب نے اپنی زندگی میں ان کے گھر کا کھانا پینا ان کے شاہی جاگیردار ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا تھا۔ بیت المال سے انہیں ہر مہینہ چار ہزار درہم ملتے تھے، اس لیے آپ کی موت کے بعد بھی کوئی چیز ان گھروں کی استعمال نہ کی گئی۔ آپ کے غسل دینے کے وقت تقریباً ایک سو ہاشمی دارالخلافہ سے آئے تھے۔ اور بار بار آپ کی پیشانی کو بوسے دیتے اور دعا دیتے تھے۔ اور اللہ سے آپ کے لیے رحمت طلب کرتے تھے خلاصہ یہ کہ حضرت امام کی نعش مبارک نکلی تو مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کی بے حساب فوج شامل تھی۔ نائب بلد محمد بن عبداللہ بن طاہر بھی انہیں میں تھا نماز جنازہ اسی نے پڑھائی، بعضوں نے اسی خیال سے نماز دہرائی، ہجوم کا یہ حال تھا۔ کہ دوپہر سے قبل کی نکلی ہوئی نعش عصر کے بعد سپرد زمین ہو سکی، لوگوں کی تعداد کے متعلق اختلاف ہے۔ بعضوں کا خیال ہے۔ کہ چار لاکھ آدمی آپ کے جنازہ کے ساتھ تھے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ سات لاکھ تھے بعض اس سے بھی زیادہ بتلاتے ہیں۔ بیہقی نے حاکم سے نقل کیا ہے۔ کہ عبدالوہاب الوارق کو یہ روایت پہنچی ہے کہ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں کسی کے جنازہ میں اتنا مجمع نہیں ہوا تھا جتنا ابوعبداللہ احمد بن حنبل کے جنازہ میں ہوا، اور کافی جو امام احمد کے پڑوسی تھے بیان کرتے ہیں۔ کہ امام احمد کے انتقال کے دن بیس ہزار یہود و نصاریٰ مجوس مسلمان ہوئے۔ بیہقی نے حجاج بن محمد الشاعر سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں تو کسی جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو جانا بھی اس وقت تک پسند نہیں کرتا۔ جب تک کہ احمد کے جنازہ کی نماز نہ پڑھ لوں۔ اور بیہقی نے یہ بھی روایت کی ہے۔ کہ بعض اہل علم سے روایت کی گئی ہے کہ وہ کہتے تھے۔ کہ احمد نے جس دن دنیا سے کوچ کیا اس دن وہ چھٹا شخص بھی جاتا رہا جو ابوبکر و عمر عثمان و علی و عمر بن عبدالعزیز کے بعد دنیا میں رونما ہوا تھا۔

رحمۃ اللہ وجعل الجنۃ مثواہ حضرت امام نے جس وقت انتقال فرمایا ہے آپ کی عمر شریف ستتر سال اور ایک ماہ سے کچھ کم کی تھی۔[1]

---

[1] ماخوذ از عامہ کتب تاریخ وسیر ورجال مثلاً طبقات الشافعیہ الکبریٰ وابن خلکان وتہذیب التہذیب وغیرہ ۱۲

امام احمد بن حنبل کی شخصیت پر ایک نظر

آپ فرماتے ہیں میں نے پانچ حج کیے جس میں سے تین حج پیدل کیے۔ آپ کے متعلق محدثین کرام کی رائیں۔

امام شافعی رحمت اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے بغداد میں احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ، زاہد متقی اور عالم نہیں دیکھا۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں۔ کہ اگر ہم ایک ہی مجلس میں ان کے محاسن و محامد بیان کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے۔ امام عجلی فرماتے ہیں۔ امام احمد ثقہ اور معتمد ہیں۔ اور فن حدیث میں کامل متبع سنت و آثار صحابہ ہیں۔ آپ کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے والد دن و رات میں تین سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔ امام ہلال بن علاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، خدا نے امت محمدیہ پر ان چار شخصوں کو پیدا فرما کر کتنا بڑا کرم فرمایا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کو فرمایا انہوں نے احادیث رسول اللہ سے صحیح فقہ کو مرتب کیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کو پیدا فرمایا۔ آپ نے ثبات و استقامت کی شاہراہ پر گامزن ہو کر اتباع سنت کے طریقہ کو مستحکم کیا۔ امام یحییٰ بن معین کو پیدا فرمایا۔ آپ نے صحیح روایتوں کے معیار کو مقرر فرما کر فن حدیث کو مجلّٰی فرما دیا، امام ابو عبیدہ کو پیدا فرمایا۔ آپ نے نادرات کی تفسیر و توضیح فرمائی۔

علی بن مدینی امام بخاری کے استاد فرماتے ہیں، ہمارے اصحاب حدیث میں سب سے زیادہ حافظ الحدیث امام احمد ہیں۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ نے ایک روایت کو نقل کیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ امام ثقیان ثوری رحمۃ اللہ کی وفات کے

بعد نشر و اشاعت سنتِ راشدہ میں پھر ایسی ہستی نہیں دیکھی اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد پھر بدعتوں کی وہ کثرت ہوئی جو آپ کے عہد مبارک میں نہ تھی۔ آپ نے ایک لاکھ حدیثوں میں سے منتخب کر کے مسند کو مرتب فرمایا جس میں کئی ہزار حدیثیں ہیں اس کے علاوہ آپ کی مصنفہ یہ تین کتابیں بھی ہیں۔ کتاب طاعۃ الرسول۔ کتاب الناسخ و المنسوخ اور کتاب العلل۔

آپ کے مشہور و ممتاز شاگردوں میں یہ تین حضرات ہیں

۱۔ ابوبکر احمد بن محمد بن ہانی معروف بہ اثرم۔ انہوں نے فقہ حنابلہ میں کتاب السُنن کو مرتب فرمایا ہے۔

۲۔ احمد بن محمد بن الحاج المروزی۔ انہوں نے بھی شواہد حدیث کے ساتھ، فقہ میں کتاب السُنن مرتب فرمائی۔

۳۔ اسحٰق بن ابراہیم المروزی بہ اسحٰق بن راہویہ۔ آپ نے بھی فقہ حنابلہ میں کتاب السُنن مرتب فرمائی۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے فقہ کی پوری تعلیم امام شافعی رحمۃ اللہ سے پائی، اور ان کے بعض مسائل میں خود بھی جزاً اجتہاد فرمایا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ کو آپ سے بے حد محبت تھی، اور اعتماد و اثق بھی تھا۔ چنانچہ اکثر آپ سے فرمایا کرتے تھے کہ دیکھو احمد اگر میری کسی اجتہاد یا رائے کے خلاف کوئی حدیث تم کو معلوم ہو مجھے باخبر بنا دینا تاکہ میں اپنے قول سے رجوع کروں، چونکہ کون سا آسمان اور کون سی زمین مجھے پناہ دے سکتی ہے، اگر میں حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی کے خلاف کوئی رائے رکھوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے اُستاد کا بے حد ادب کرتے تھے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کا ایک لمحہ بھی نعمت یزدانی سے تعبیر فرمایا کرتے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے امام احمد رحمۃ اللہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا، حدیث صحیح راوی ضعیف یعنی حضرت امام مالک کی حدیث تو صحیح ہے، مگر رائے کمزور ہے۔ پھر سائل نے امام اوزاعی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، حدیث ضعیف و رای ضعیف، ان کی حدیث بھی کمزور ہے اور رائے بھی کمزور ہے۔ پھر سائل نے امام شافعی کے متعلق پوچھا، فرمایا حدیث و رای صحیح، ان کی حدیث بھی صحیح ہے، اور رائے بھی صحیح ہے۔ پھر اصحاب کوفہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا لا رای ولا حدیث یعنی اُن کی رائے اور حدیث دونوں کچھ نہیں ہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ نے امام احمد رحمۃ اللہ کے اس قول کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے۔ کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ کی روایتیں بے حد صحیح قابل ترجیح سمجھتے ہیں۔ اور اس اجماع کا دعوے فرماتے ہیں، حالانکہ کسی ایک شہر کے علماء کا اتحاد عمل "اجماع" نہیں کہا جا سکتا

امام اوزاعی کی نسبت جو امام احمد نے فرمایا ہے، اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ وہ بعض مسائل میں منقطع و مرسل روایتوں پر عمل کرتے ہیں۔ اور ایسی روایتوں کی بناء پر قیاس سے مسائل کا فتوے دیتے ہیں۔ امام شافعی کے متعلق جو امام احمد رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ آپ صحیح حدیث پر خواہ وہ مکی ہو، یمنی ہو یا مصری ہو۔ کسی شہر کے بھی معتمد اور ثقہ راوی اسے روایت کرتے ہوں۔ قابل عمل قرار دیتے ہیں۔

اصحاب کوفہ و عراق کی نسبت جو امام احمد کی رائے ہے۔ اس کی یہ وجہ ہے۔ کہ یہ حضرات منقطع مرسل اور مجہول راویوں کی روایتیں قبول کرتے ہیں اور اپنے شہر کی ضعیف روایتوں کے مقابلہ میں دوسرے شہروں کی صحیح روایتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

طبقات الشافعیہ جلد ۱/۲۵ پر یہ روایت موجود ہے۔ امام ربیع فرماتے ہیں۔ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ جب مصر تشریف لے جانے لگے تو مجھ سے فرمایا، ربیع یہ میرا خط

بغداد لے جاکر احمد بن حنبل کو دے کر جواب لے آؤ۔ چنانچہ میں بغداد پہنچا تو دیکھا کہ امام احمد صبح کی نماز میں مشغول ہیں، جب فارغ ہوئے تو میں نے وہ خط پیش کیا۔ اور عرض کیا کہ آپ کے برادر مکرم امام شافعی نے یہ خط بھیجا ہے امام احمد نے ربیع سے پوچھا۔ تو نے بھی دیکھا کیا لکھا ہے۔ میں نے عرض کیا مجھے کچھ نہیں معلوم کیا تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس لفافہ کو کھول کر پڑھا اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میں نے عرض کیا۔ حضرت امام نے کیا لکھ دیا۔ فرمایا اس میں امام شافعی رحمۃ اللہ نے یہ لکھا ہے۔ کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور آپ نے امام شافعی سے ارشاد فرمایا کہ تم ابوعبداللہ احمد بن حنبل کو خط لکھو، میرا سلام لکھ کر یہ لکھ دینا کہ عنقریب تم خلق قرآن کے فتنہ میں مبتلا کیے جاؤ گے، خدا تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ اور تمہارا علم تا بہ قیامت پھیلتا رہے گا ربیع فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ کو مبارک ہو۔ پھر آپ نے جواب لکھا اور اپنا وہ کرتہ جو آپ کے جسم سے ملا رہتا تھا، اُتارا اور فرمایا یہ امام شافعی کی نظر کر دینا۔ میں مصر آیا۔ امام شافعی کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ جواب اور وہ کرتہ پیش کیا۔ فرمایا یہ کرتا کیسا ہے۔ میں نے عرض کیا انہوں نے بطور نذر پیش کیا ہے۔ فرمایا۔ اچھا اس کرتے کو بھگو لو تاکہ اس کا پانی بطور تبرک ہم استعمال کریں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے لیے امام احمد رحمۃ اللہ ہر نماز کے بعد سجدے میں خاص طور پر دعا کرتے رہتے تھے۔ اور جب تذکرہ آتا تو فرماتے میرے شیخ محمد ابن ادریس شافعی کا یہ ارشاد ہے۔ جس پر میں عمل کرتا ہوں۔

تیسری صدی کی ابتدا میں جب فتنۂ اعتزال اور بدعات نے سر اٹھایا۔ اور صرف ایک ہی نہیں بلکہ پیہم تین عظیم المرتبت بادشاہوں، مامون، معتصم اور واثق باللہ کی شمشیر استبداد اور قہر حکومت نے اس فتنہ کا ساتھ دیا۔ بشر مریسی اور قاضی ابن ابی داؤد جیسے اشد معتزلہ کے تسلط و حکومت نے علمائے حق کے لیے دو راستے پیدا کر دیے تھے یا وہ اصحاب بدعت کے آگے سر جھکا دیں اور مسئلہ خلق پر ایمان لا کر ہمیشہ کے لیے اسکی

مثال قائم کر جائیں، کہ شریعت میں صرف حضور علیہ السلام کا ارشاد کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا اور کیا جا سکتا ہے۔ حکام و امراء کی خوشنودی سب سے بالاتر ہے۔ اور ہمارے ہر ظن و وہم کو اس میں دخل ہے، ہر فلسفہ شریعت کا حاکم ہے اور یا پھر قید و بند کی زندگی ہر روز کوڑوں سے پیٹا جانا، ایسے تہ خانوں میں بند رہنا جہاں آفتاب کی گذر نہ ہو۔ بوجھل بیڑیاں پہننا قبول کریں۔ اکثر کے قدم تو ابتدا ہی میں لڑکھڑا گئے، بعضوں نے پہلے پہلے تو استقامت دکھائی، لیکن پھر ضعف و مصلحت کے گوشہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ کوئی اس وقت یہ کہتا تھا۔

لیس ھذا ازمان حدیث انما ھذا ازمان بکاء و تضرع و دعاء کدعاء الغریق۔

یہ زمانہ درس و اشاعت کا نہیں ہے، بلکہ یہ تو وہ زمانہ ہے، کہ جس طرح ڈوبنے والا دعا مانگتا ہے اس طرح خدا کے سامنے گڑگڑا کر دعا کی جائے۔

کوئی کہتا یہ زمانہ تو خاموش رہنے کا ہے اور اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے بیٹھنا بہتر ہے۔ ایسے حالات میں جبکہ بڑے بڑے علماء کا یہ حال تھا۔ تو دین نبوی کا قیام ایک عظیم الشان قربانی کا طلبگار تھا۔ وہ صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی جن کو سلطان عہد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے نہ تو بادشاہوں کے سامنے سر جھکایا اور نہ دنیا کے طلب گار علما کی جانب التفات فرمایا بلکہ دین خالص کے قیام کے راستہ میں اپنے وجود کو قربان کر دینے اور تمام خلف اُمت کے لیے ثبات و استقامت علی السنۃ والحق کا راستہ کھول دینے کے لیے حسب الحکم فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل اٹھ کھڑے ہوئے۔ مقابلہ کیا۔ اور قید ہوئے۔ چار چار بوجھل بیڑیاں پہنائی گئیں پہن لیں۔ اسی حالت سے بغداد سے طرطوس لے جائے گئے۔ بوجھل بیڑیوں کی وجہ سے چلنا دشوار تھا۔ عین رمضان المبارک کے

آخری عشرہ میں بھوکے پیاسے روزہ دار کو تپتی ہوئی دھوپ میں بٹھایا گیا، اور اس مقدس پیٹھ پر جو علوم و معارف نبوۃ کی حامل تھی۔ پوری قوت سے کوڑے مارے گئے ہر جلاد پوری قوت سے کوڑے لگا کر جب تھک جاتا تھا تو تازہ دم جلاد آکر پیٹنے لگتا۔ تازیانے کی ہر ضرب پر جو صدا زبان سے نکلتی تھی۔ وہ نہ تو جزع و فزع کی تھی نہ شور و فغاں کی بلکہ وہی صدا تھی۔ جس کی بدولت یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ یعنی القرآن کلام اللہ۔ غیر مخلوق۔ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ جو مخلوق نہیں ہے۔ خود معتصم باللہ جس کی ہیبت و رعب سے قیصر روم لرزاں و ترساں رہتا تھا۔ سر پر کھڑا جلادوں کا مجمع چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔ اور وہ بار بار کہہ رہا تھا۔

اے احمد۔ خدا کی قسم جس قدر اپنے بیٹے سے محبت رکھتا ہوں۔ اس سے کہیں زیادہ تم سے محبت ہے۔ اگر تم خلق قرآن کا اقرار کر لو تو خدا کی قسم ابھی اپنے ہاتھوں سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں"۔

لیکن اس پیکر حق و صداقت اور مجسمۂ سنت راشدہ کی زبان صدق سے صرف یہ جواب ملتا تھا۔

خدا کے کلام یا حضور علیہ السلام کے ارشاد سے ثابت کر دو۔ تو میں ابھی اقرار کر لوں گا"۔

معتصم نے تنگ آکر قاضی ابن داؤد اور دوسرے عالموں سے کہا "امام احمد سے گفتگو کرو اور مناظرہ کرو"۔ چنانچہ ان لوگوں نے منطقی دلائل پیش کئے۔ آپ نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

یہ کیا خرافات ہے۔ اس کائنات ہستی میں میرے سر جھکانے کے لیے صرف دو چیزیں ہیں، ایک خدا کی کتاب دوسرے حضور علیہ السلام کا ارشاد ان کے سوا سب ہیچ ہیں"۔

ابراہیم بن مصعب کوتوال کہتا ہے۔ کہ میں نے امام احمد سے بڑھ کر کسی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہماری تو کیا حقیقت ہے۔ بادشاہ ان کے سامنے لکھی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے۔ علامہ ابن جوزی حافظ رقی کی روایت بیان فرماتے ہیں۔ کہ جب امام موصوف قید تھے۔ تو علماء کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور ایسی روایتیں بیان کیں۔ کہ جن سے بخوف جان تقیہ کر لینے کی اجازت مستنبط ہوتی تھی۔ امام صاحب نے سنکر جواب دیا کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد کا کیا جواب ہے۔ جب صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے کفار کے مظالم و شدائد کی داستان کی تو فرمایا کہ سنو تم سے پہلے ایسے لوگ گذر چکے ہیں۔ جن کے سروں پر آرہ چلایا جاتا تھا۔ اور جسم لکڑی کی طرح چیر ڈالا تھا۔ مگر یہ آزمائشیں بھی ان کو حق کے اظہار سے نہ روک سکیں۔ ابو العباس کہتے ہیں۔ کہ ہم اس روایت کو سن کر خاموش واپس آگئے امام صاحب خود فرماتے ہیں۔ کہ روزہ کی حالت میں مجھے اس قدر مارا گیا کہ جسم خون سے رنگین ہو گیا اور میں بے ہوش ہو گیا جب ہوش آیا تو چند آدمی پانی لائے اور کہا پانی پی لو میں نے انکار کر دیا۔ کہ روزہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ وہاں سے مجھ کو اسحٰق بن ابراہیم کے مکان میں لے گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ ابن سماعہ نے امامت کی میں نے بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ ابن سماعہ نے بعد نماز مجھ سے کہا کہ تمہاری نماز کیسے ہو لی خون بہہ رہا ہے۔ کپڑے خون میں بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے جواب دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھی نماز میں زخم آیا تھا۔ خون بہہ رہا تھا۔ مگر آپ نے نماز پوری کی امام صاحب کے صاحبزادے عبداللہ فرماتے ہیں۔ میرے والد ہمیشہ ایک شخص کے لیے بایں الفاظ دعا فرمایا کرتے تھے۔ خدا ابو الہیثم کی مغفرت فرمائے اور اس پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا ابو الہیثم کون ہے۔ فرمایا۔ سنو، جس دن سپاہی مجھ کو پکڑ کر دربار شاہی میں لے جا رہے تھے۔ اور میری پیٹھ پر کوڑے پڑتے جا رہے تھے۔ تو راستہ میں ایک شخص ملا۔ اُس نے مجھ سے کہا

مجھے پہچانتے ہو میں مشہور چور، عیار، ڈاکو۔ ابوالہیثم قداد ہوں۔ میرا نام دفتر شاہی میں درج ہے۔ صرف کوڑوں کی مار اگر گنواؤں تو سب ملا کر اٹھارہ ہزار کوڑے میری پیٹھ پر ضرور پڑے ہوں گے۔ لیکن میں بھی اپنی وضع دھن کا پکا ہوں۔ ادھر چھوٹا اُدھر پھر چوری کی۔ سنو! شیطان کی اطاعت میں میری استقامت کس قدر عجیب ہے۔ اس لیے مجھے تم پر افسوس ہوگا۔ اگر اللہ کی راہ میں تم جیسا آدمی ثابت قدم نہ رہ سکے۔ چنانچہ اس کی نصیحت میرے دل میں گھر کر گئی۔

اس ابتلاء کے روز کے بعد یوم جمعہ ربیع الاول ۲۴۱ھ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ تقریباً پندرہ لاکھ آدمیوں نے آپ کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ بغداد میں کہرام مچ گیا۔ عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے سب ہی شریک تھے اور ہر شخص رو رہا تھا۔ آپ کے پاس حضور علیہ السلام کے تین موئے مبارک تھے آپنے بیٹے کو وصیت فرمائی کہ ایک بال داہنی آنکھ پر ایک بائیں آنکھ پر اور ایک زبان پر رکھ دینا، صفۃ الصفوہ ابن جوزی جلد ۲/۲۰۱

مبشرات

علامہ ابن جوزی نے بحوالہ ابراہیم حربی بیان کیا ہے۔ کہ میں نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ کو خواب میں دیکھا۔ ان کی آستین میں کوئی چیز حرکت کر رہی ہے۔ میں نے پوچھا فرمایئے آپ کے ساتھ کیا ہوا، فرمایا خدا نے مجھے بخش دیا۔ میں نے کہا کہ آستین میں کیا چیز ہے فرمایا رات کو امام احمد بن حنبل پر موتی و یاقوت نثار کئے گئے۔ ان میں سے کچھ میں نے بھی اٹھا لیے۔ یہ وہ ہیں۔

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ ابوبکر مروزی نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ایک روضہ میں جلوہ افروز ہیں اور دو سبز چادریں پہنے ہوئے ہیں۔ اور آپ کے سر پر ایک ایسا تاج ہے۔ جو بقعۂ نور معلوم ہوتا ہے۔ اور آپ نئی چال سے چل رہے ہیں میں نے پوچھا حضرت یہ کیسی چال ہے۔ فرمایا دار السلام کے خدام کی چال یہی ہے۔

میں نے پوچھا یہ تاج کیسا ہے۔ فرمایا میرے خدا نے مجھ سے بڑا ہی آسان حساب لے کر میری مغفرت فرمائی اور مجھے اپنے دیدار کی اجازت سے ممتاز فرمایا۔ اے احمد یہ وقار کا تاج ہے۔ جس طرح تو نے صبر و استقامت سے میرے کلام کو غیر مخلوق کہا اس کا یہ صلہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے تہذیب التہذیب جلد ۱/۱ میں فرمایا ہے۔ ابوالحسن زاغوانی فرماتے ہیں کہ جب شریف ابوجعفر بن ابی موسیٰ کی قبر امام احمد کے پہلو میں کھودی گئی تو حضرت امام کی قبر کا پہلو بھی کھل گیا دیکھا گیا تو کفن ویسا ہی تھا۔ اور آپ کا پہلو و جسم اقدس ویسا ہی محفوظ تھا۔ اور یہ واقعہ آپ کے دفن سے دو سو تیس برس بعد پیش آیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مبشرات

حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ نبوت کے اجزا میں بجز رویائے صادقہ کے اور کوئی چیز بھی باقی نہ رہی کہ مومن یا تو خود دیکھتا ہے۔ یا دوسرے اس کے متعلق دیکھتے ہیں۔ بیہقی نے اپنی سند سے ایک شخص مسلمہ بن میب سے سنا وہ کہتے تھے۔ کہ میں احمد بن حنبلؒ کے پاس بیٹھا تھا۔ کہ ایک بوڑھا شخص لٹھیا ٹیکتا ہوا آیا۔ اور کہا کہ تم میں احمدؒ کون ہے۔ امام نے کہا میں احمد ہوں کیا کام ہے؟ اس نے کہا چار سو فرسخ طے کر کے صرف تمہیں اطلاع دینے آیا ہوں کہ میں نے حضرت علیہ السلام کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ احمد کے پاس جاؤ اور کہو کہ ساکنین عرش اور ملائکہ تم سے راضی اور خوش ہیں۔ کہ تم نے اللہ کے راستہ میں غیر معمولی عزم و ثبات کا اظہار کیا۔ ابو عبداللہ محمد بن خزیمۃ الاسکندرانی کا بیان ہے۔ کہ احمدؒ کی وفات سے مجھے سخت صدمہ پہنچا تھا۔ ایک دفعہ میں نے ان کو خواب میں دیکھا کہ نہایت تبختر کے ساتھ چل رہے ہیں میں نے اس کا سبب پوچھا فرمایا دار السلام میں خدا موں کی چال اسی طرح ہوتی ہے۔ پھر میں نے پوچھا احمدؒ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ فرمایا اللہ نے میرے گناہ بخش دیئے اور مجھے سونے کی جوتیاں پہنائیں اور کہا۔ احمدؒ یہ صلہ اس بات کا ہے۔ کہ تم نے میرے کلام کو غیر مخلوق کہا تھا۔ پھر میں نے کہا۔ اے احمدؒ میرے لیے وہی دعا کرو۔ جو سفیان ثوری سے تمہیں پہنچی ہے۔ اور جسے تم دنیا میں کرتے تھے۔ احمد نے کہا میں نے اللہ تعالےٰ سے عرض کی خدایا اپنی قدرت کی قسم میرے تمام گناہ معاف کر دے اور کچھ سوال نہ کر۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے احمد یہ جنت ہے۔ اس میں داخل ہو جاؤ۔ میں گیا تو میں نے سفیان ثوری کو دیکھا ان کے دو سبز پر ہیں۔ اور جنت کے ایک درخت سے دوسرے پر اڑتے پھرتے ہیں اور یہ پڑھتے ہیں۔ الحمد للہ الذی صدقنا وعدہٗ و اورثنا الارض

فقیوا من الجنۃ حیث نشآء فنعم اجوالعٰلمین پھر میں نے پوچھا بشر حافی کے ساتھ کیا یہ تاؤ ہوا۔ فرمایا خاموش رہو۔ اللہ اللہ بشر کا کون مقابلہ کرے میں نے ان کو اللہ تعالےٰ کے سامنے چھوڑا ہے۔ اور ان کے آگے کھانے کا ایک بڑا دستر خوان بچھا ہے اور اللہ تعالےٰ ان کی طرف متوجہ ہے۔ اور فرماتا ہے۔ کھا اے وہ جس نے دنیا میں سیر ہو کر نہ کھایا۔ اور پی اے وہ جس نے دنیا میں سیر ہو کر نہ پیا۔ اور آرام کر اے وہ جس نے دنیا میں آرام نہ کیا۔ اور محمد بن ابی حاتم محمد بن مسلم بن وارہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو زرعہ نے انتقال کیا تو میں نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا اللہ نے تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا انہوں نے کہا جبار ذالجلال نے فرمایا ان کو ابو عبداللہ ابو عبداللہ ابو عبداللہ کے ساتھ ملا دو یعنی مالک شافعی احمد کے ساتھ کہ ان تینوں کی کنیتیں ابو عبداللہ تھیں۔ عثمان بن خرزاد الفطا کی کا بیان ہے۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ فیصلہ کے لیے نکل آیا ہے۔ اور عرش کے نیچے سے ایک پکارنے والا پکارتا ہے۔ ادخلوا ابا عبداللہ وابا عبداللہ وابا عبداللہ الجنۃ یعنی مالک شافعی احمد کو جنت میں داخل کرو۔ اور یہ تفصیل مجھے ایک فرشتہ سے معلوم ہوئی۔ جو میرے قریب کھڑا تھا۔ ابو بکر بن خثیمہ یحییٰ بن ایوب المقدسی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ حنبل اور احمد بن ابی داؤد دونوں کے حلقہ بیچ میں ہیں۔ اور یہ آیت پڑھتے ہیں۔ اولئک الذین آتینا ھم الکتاب والحکمۃ والنبوۃ فان یکفر بھا ھولاء اور ھولاء سے اشارہ ابن ابی داؤد کے حلقے کی طرف کرتے ہیں۔ اس کے بعد فقد وکلنا بھا قوما لیسوا بھا بکفرین پڑھتے ہیں اور اشارہ امام احمد کے حلقہ کی طرف کرتے ہیں[1]۔

---

[1] کتاب التاریخ لابن حجر بحوالہ معجم المصنفین ۱۲

ہماری دیگر مطبوعات

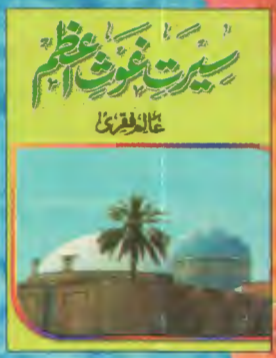

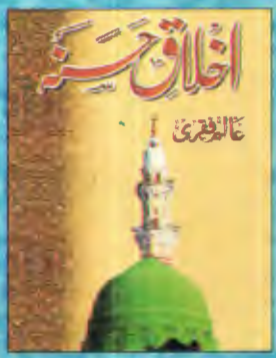

Rs. 120/-

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phone : 3289786, 3289159 Fax : 3279998 Res. : 3262486
e_mail : farid@ndf.vsnl.net.in ● farid_export@hotmail.com
Website: www.faridexport.com ● www.faridbook.com